تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی۔اُردو

اردو شاعرات کے تذکروں میں تحقیقی معیار:
تجزیاتی مطالعہ (۱۸۴۷ء تا ۱۹۴۷ء)

محقق:
صابرہ بیگم
70-FLL/Ph.DURDU/F18

نگران:
ڈاکٹر نجیبہ عارف
پروفیسر، شعبہ اُردو

شعبۂ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD

TH25366

بسم الله الرحمن الرحيم

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **SABRA BAGUM**

Title of the Thesis: اردو شاعرات کے تذکروں میں تحقیقی معیار: تجزیاتی مطالعہ (۱۸۴۷ء۔۱۹۴۷ء)

Registration No: **70-FLL/PHDURD/F18**

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Kamran Abbas Kazmi
Chairperson
Department of Urdu, IIU
Islamabad

26.8.2022

External Examiner 1:

Dr. Farhat Jabeen
Associate Professor/ Chairperson
Fatima Jinnah Women University
Rawalpindi

External Examiner 2:

Dr. Fehmida Tabassum
Associate Professor
Federal Urdu University
Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Saira Batool
Assistant Professor
Department of Urdu, IIU
Islamabad

Supervisor:

Prof. Dr. Najeeba Arif
Assistant Professor
Department of Urdu, IIU
Islamabad

274504

Rupees 20 روپیہ ۲۰

بیان حلفی

مسمی/مسمات صابرہ بیگم ولدیت عبدالواحد رجسٹریشن نمبر 70FLL/PHDURO/F18، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں برائے پی ایچ - ڈی کا رکی سکالر ہونے کی حیثیت سے اپنا مقالہ بعنوان "اردو سفرنامہ کے تذکروں میں تحقیقی معیار: تجزیاتی مطالعہ (1947 تا 2017)" مکمل کیا ہے۔

نگران استاد پروفیسر ڈاکٹر نجیب عارف

مسمی/مسمات صابرہ بیگم ولدیت عبدالواحد اس بات کا حلفاً اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ مقالہ ہذا ہر قسم کے سرقہ سے پاک ہے۔ مسمی/مسمات صابرہ بیگم نے مقالہ ہذا کو کسی اور ڈگری کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ پیش کروں گا/گی۔ ان تمام حقائق کا اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ میں نے کوئی امر مخفی نہیں رکھا۔ بصورت غلط بیانی کی صورت میں ہر قسم کی ذمہ داری مسمی/مسمات پر عائد ہوگی۔

العبد

صابرہ بیگم ولد/بنت عبدالواحد

رجسٹریشن نمبر: 70FLL/PHDURDO/F18

شناختی کارڈ نمبر: 82101-3530405 8

شعبہ: اردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

الجامعة الإسلامية العالمية
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
شعبۂ اُردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ صابرہ بیگم رجسٹریشن نمبر 70-FLL/Ph.DURDU/F18 نے پی۔ایچ۔ڈی۔ اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **"اردو شاعرات کے تذکروں میں تحقیقی معیار: تجزیاتی مطالعہ (۱۸۴۷ء۔۱۹۴۷ء)"** میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر نجیبہ عارف

پروفیسر، شعبۂ اُردو

پیش لفظ

تذکرے نیم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ شخصیت کے حالات وکوائف کو جاننے، سمجھنے اور اردو شعروادب کے تاریخی اور تحقیقی مطالعے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تذکروں کے مطالعے کے بغیر نہ قدیم شعروادب کے فکری رجحانات ومیلانات کو سمجھا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے عہد کے تنقیدی شعور کا جائزہ لینا ممکن ہے۔ ان کے مطالعے کے بغیر ان کے عہد کے فنی معیارات کو پرکھنے کی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کلاسیکی ادب بالخصوص شعری سرمائے کی تفہیم وتنقید کے لیے تذکروں کا بنظر غائر مطالعہ از حد ضروری ہے۔ تذکرے نہ صرف اردو تنقید کا نقش اول ہیں بلکہ سوانح وتاریخ کا ماخذ بھی ہیں۔ ہندوستان میں تذکرہ نویسی کے تقریباً دوسو برس گزر جانے کے بعد اور اردو شعرا کی تذکرہ نویسی کے تقریباً ایک صدی بعد انیسویں کے آخر میں باقاعدہ طور پر شاعرات کی تذکرہ نویسی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ شاعرات کے یہ تذکرے اپنی نوعیت اور زبان وبیان کے اعتبار سے نہ صرف اہمیت کے حامل ہیں بلکہ معاصر شاعرات کے حالات وکلام کا واحد ماخذ بھی ہیں۔

تحقیقی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو شعرا کے تذکروں پر جو تحقیقی کام ہوئے ہیں، ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن شاعرات کے ان تذکروں کا مطالعہ ابھی نامکمل ہے اور ان پر کسی بھی قسم کا کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آیا۔ شاعرات کے یہ تذکرے ایک دفعہ چھپے اور پھر دوبارہ کبھی شائع نہیں ہوئے اور تاحال محققین کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان میں سے اکثر کم یاب اور نایاب ہو چکے ہیں۔ اردو شعرا کے تذکروں کے مقابلے میں اگرچہ شاعرات کے تذکروں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ کئی حوالوں سے اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ قدیم شاعرات کے حالات وواقعات جو ہم تک پہنچے ہیں وہ ان تذکروں کی بدولت ہی ممکن ہوئے ہیں۔ اگر یہ تذکرے معرض وجود میں نہ آتے تو امکان ہے کہ اردو دنیا قدیم شاعرات کے حالات وواقعات سے ناواقف ہوتی اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ بدقسمتی سے خواتین کے تذکروں پر کوئی جامع، مبسوط اور مستند تحقیق سامنے نہیں آسکی جو شعروادب اور تاریخی وتحقیقی مطالعے میں ان کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کر سکے۔ اردو شاعرات کے ان تذکروں پر اگر محققین نے بات بھی کی ہے تو وہ صرف ان کے عمومی تعارف پر مشتمل ہے۔ ان کے بارے میں صرف چند سطریں تحریر کی ہیں۔ تذکروں پر لکھی گئی کسی بھی کتب میں ان تذکروں کی مکمل فہرست موجود نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ شاعرات کے کتنے تذکرے لکھے گئے ہیں اور ان کی مجموعی تعداد کیا ہے۔ چنانچہ ان تذکروں پر تحقیق اس امر کی متقاضی تھی کہ ان کی جانب توجہ مرکوز کی جائے اور

ان کو تحقیق کے ذریعے منظر عام پر لایا جائے۔اسی اہمیت وافادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس تحقیق میں شاعرات کے تذکروں کے مطالعے کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس تحقیق میں انیسویں صدی سے لے کر قیام پاکستان تک کے تذکروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے باب میں تذکرہ نگاری کے معنی و مفاہیم واضح کرنے کے علاوہ فن تذکرہ نویسی کی خصوصیات،اہمیت، محرکات، گروہی تقسیم اور تذکرہ نویسی کا عہد بہ عہد ارتقائی جائزہ لیا گیا ہے،مزید برآں ۱۸۴۷ء سے قیام پاکستان تک لکھے جانے والے شاعرات کے تذکروں کا زمانی اعتبار سے تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں شاعرات کے تذکروں پر تحقیقی کام کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان تذکروں پر تحقیقی کام کی نوعیت کو جانچنے کے لیے انہیں مختلف زمروں میں تقسیم کر کے ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ ان تذکروں پر کس نوعیت کا تحقیقی کام سامنے آیا ہے۔

تیسرے باب میں تذکروں کے ماخذات کا مطالعہ و تجزیہ کیا گیا ہے۔ان ماخذات کی نوعیت کو جانچنے کے لیے انہیں مختلف زمروں میں تقسیم کر کے ان کا تجزیہ کیا گیا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں کی ترتیب وتدوین کے لیے کن اور کس قسم کے ماخذات کا استعمال کیا ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے۔

چوتھے باب میں ان شاعرات کے تذکروں میں رسمیات تحقیق کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تذکروں میں تحقیقی معیار کی جانچ پڑتال کے لیے ایک نظری فریم ورک تشکیل دیا گیا ہے جس کو بنیاد بنا کر تذکروں کے تحقیقی معیار کو دیکھا گیا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ ان تذکروں نگاروں نے تحقیق کے کن کن لوازمات کو مد نظر رکھا ہے اور کون کون سے اصولوں کی پیروی کی ہے اور مجموعی طور پر ان تذکروں کا معیار تحقیق کیا ہے۔

پانچویں باب میں ان تذکروں کے زبان وبیان اور اسلوب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔تذکروں کے زبان وبیان اور اسلوب کا جائزہ لینے کے لیے انہیں ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان ادوار سے وابستہ ہر تذکرے کے زبان وبیان اور اسلوب کا انفرادی طور پر تجزیہ کیا گیا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان تذکرہ نگاروں نے کس قسم کی زبان استعمال کی ہے اور ہر تذکرہ نگار کے اسلوب کی منفرد خصوصیات کیا ہیں۔

راقمہ سب سے پہلے اللہ وسبحان و تعالیٰ کے حضور شکر گزار ہے کہ جس کی بدولت اس مقالے کو انجام تک لانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔امابعد میں اپنے والد کی خاص طور پر احسان مند ہوں کہ انھوں نے طلب علم کی ایسی لگن پیدا کی کہ اس کی بدولت حصول علم کا سفر جاری وساری ہے۔میں ممنون ہوں ہو اپنے بہن بھائیوں اور اہل

خاندان کی جنھوں نے ہر سطح پر میرے لیے آسانیاں پیدا کی اور بے پناہ تعاون کیا۔ میں شکر گزار ہوں اپنے شوہر کی جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل میں ہر ممکن تعاون فراہم کیا۔

سب سے پہلے میرے لیے مقالہ تحریر کرنے کے لیے رہنمائی اور ہر قدم پر مشورے سے نوازنے والی ہستی استاد الااساتذہ پروفیسر ڈاکٹر نجیبہ عارف کی ہے جو نہ صرف میری رہنما ہیں بلکہ کرم فرما بھی ہیں جن کی مشفقانہ راہنمائی اور مشوروں کی وجہ سے اس مقالے کی تکمیل ممکن ہو سکی۔ ان کی ذات میرے لیے مسیحا کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کا شکریہ کسی طور ادا نہیں کیا جاسکتا۔ استاد محترم کی شفقت، اعانت، حوصلہ افزائی اور رہنمائی میرے لیے تاریک و سنسان راہوں میں قندیل راہ سے کم نہیں ہے۔ بلاشبہ ان کی شخصیت اپنے عہد کے موقر دانشور، ماہر تعلیم، مصنف اور علم کے شارح، انتھک، محنتی اور مخلوق خدا کے لیے شجر سایہ دار کی ہے۔

از حد شکر گزار ہوں اپنے اساتذہ کرام محترمہ صباحت مشتاق، محترمہ حمیرا اشفاق، محترمہ شیراز فضل داد، محترمہ سائرہ بتول، ڈاکٹر سعدیہ طاہر کی جن کی قدم قدم پر ملنے والی رہنمائی سے مقالے کی تکمیل ممکن ہوئی۔

محترم جناب رفاقت علی شاہد کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے جنھوں نے اپنی لائبریری سے مجھے استفادے کا موقع دیا اور شاعرات کے ان نادر و نایاب رسائل تک مجھے رسائی دی۔

اپنی پیاری بہن سعودہ ابراہیم کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناانصافی ہے جو گھنٹوں میرے ساتھ لائبریریوں کی خاک چھانتی رہی مگر کبھی بھی ناگواری کا اظہار تک نہ کیا۔ مقالے کے مواد کی کمپوزنگ اور ترتیب کے لیے عاصمہ نذیر کی خدمات بلاشبہ لائق تحسین ہے۔ ان سب احباب کی عنایت میرے لیے باعث فخر اور قابل تحسین ہے۔

صابرہ بیگم

جولائی ۲۰۲۱ء

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	پیش لفظ	
۱	**باب اوّل: اردو شاعرات کے تذکرے: تعارف و تنقید**	۱۔
۱	▪ تذکرہ بطور ادبی اصطلاح، تعریف و تعارف	
۶	▪ تذکرے کے اجزائے ترکیبی	
۷	▪ فن تذکرہ نویسی: اصول و ضوابط	
۱۰	▪ تذکرہ نگاری کے محرکات	
۱۱	▪ تذکروں کی درجہ بندی	
۱۵	▪ تذکروں کی اہمیت وافادیت	
۱۶	▪ تذکروں کا معیار و مرتبہ	
۱۷	▪ تذکرہ نگاری کا ارتقائی جائزہ	
۱۸	▪ عربی میں تذکرہ نگاری	
۲۱	▪ فارسی میں تذکرہ نگاری	
۲۱	▪ ہندوستان کے فارسی تذکرے	
۲۶	▪ اردو میں تذکرہ نگاری کا ارتقائی جائزہ	
۲۷	▪ اردو شعرا کے تذکرے بہ زبان فارسی	
۳۴	▪ اردو شعرا کے تذکرے بہ زبان فرانسیسی وانگریزی	
۳۵	▪ اردو شعرا کے تذکرے بہ زبان اردو	
۴۲	▪ اردو شاعرات کے تذکرے: تعارف و تنقید	
۸۰	حوالہ جات	
۸۶	**باب دوم: اردو میں تذکرہ نویسی کے مطالعے کی روایت**	۲۔
۸۷	▪ تذکروں کے بارے میں لکھی گئی کتب	

■ تذکروں کے بارے میں لکھے گئے تحقیقی مقالات ۱۰۱
■ شاعرات کے تذکرے جو تحقیق وتدوین کے بعد دوبارہ شائع کیے گئے ۱۰۳
■ مختلف تذکروں کے دیباچے اور پیش لفظ ۱۰۴
■ متفرق کتب اور تذکرے ۱۳۴
حوالہ جات ۱۴۷
۳۔ باب سوم: تذکروں کے ماخذات: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ۱۴۹
■ تذکرے ۱۵۱
■ ادبی گلدستے ۱۹۰
■ ادبی رسائل ۱۹۷
■ اخبارات ۱۹۹
■ سیاسی وادبی تواریخ ۲۱۷
■ علمی وتحقیقی کتب ۲۲۱
■ سفرنامے ۲۲۲
حوالہ جات ۲۲۶
۴۔ باب چہارم: تذکروں میں رسمیات تحقیق کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ۲۴۰
■ ارتکاز ۲۴۳
■ تضاد ۲۵۱
■ استدلالیت ۲۶۳
■ معروضیت ۲۶۹
■ تحقیق متن ۲۷۳
■ ماخذات ۲۸۱
■ تنقیدی عناصر ۲۸۲
■ عصری نقوش ۲۸۵
حوالہ جات ۲۹۰
۵۔ باب پنجم: زبان وبیان اور اسلوب کا مطالعہ ۲۹۸

■ انیسویں صدی کے تذکروں میں زبان و بیان اور اسلوب: تجزیاتی مطالعہ ۳۰۰
■ بیسویں صدی کے تذکروں میں زبان و بیان اور اسلوب: تجزیاتی مطالعہ ۳۱۴
حوالہ جات ۳۲۷
ماحصل ۳۳۳
کتابیات ۳۴۲

بابِ اوّل:

اردو شاعرات کے تذکرے: تعارف و تنقید

باب اوّل:

اردو شاعرات کے تذکرے: تعارف و تنقید

تذکرہ بطور ادبی اصطلاح، تعریف و تعارف:

ادب میں کسی بھی صنف کو موضوع بحث بنانے سے قبل اس کی اہمیت، ادبی و تاریخی پس منظر کو سمجھنا اور ہیئت مواد اور عہد بہ عہد ارتقا کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہاں موضوع بحث ادب کی ایک قدیم صنف "تذکرہ نگاری" ہے۔اس لیے لفظ" تذکرہ" کے معانی و مفاہیم کو واضح کرنے کے بعد ان تاریخی، ادبی، سماجی، ثقافتی اور تمدنی عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہے جو اس صنف کو معرض وجود میں لانے کا باعث بنے۔

تذکرہ نگاری ایک قدیم فن ہے۔تذکرے کے معنی و مفاہیم کی تاریخ کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ عربی الاصل لفظ ہے جس کے معنی ذکر اور یادآوری کے ہیں۔ اس کا مادہ (ذال)، ک اور (را) ہے۔یعنی کام کرنا، ذکر کرنا۔ اللہ کی پاکی بیان کرنا۔قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر یہ نصیحت اور تفہیم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ سورہ مزمل آیت نمبر (۱۹) میں ارشاد باری تعالی ہے۔ان ھذا تذکرۃ قرآن پاک تو نصیحت ہے[۱]۔اردو، فارسی اور عربی کی متعدد لغات میں لفظ تذکرہ کے مختلف معانی بیان ہوئے ہیں۔عربی زبان کی معیاری اور مستند لغت المنجمد میں لفظ تذکرے کے معنی کچھ اس طرح سے بیان ہوئے ہیں۔التذکرۃ،تذاکر،ما تستذکر بہ الحاجۃ،الشہادۃ،ورقۃ السفر (ترجمہ۔جمع تذاکر۔جس میں کسی حاجت کا ذکر کیا جائے۔گواہی، سفری کاغذات وغیرہ)[۲] لغات ہیرا میں تذکرہ عربی لفظ ہے اس کا مادہ ذکر ہے اور یہ تفعلہ کے وزن پر ہے۔[۳]

فارسی لغات میں تذکرے کے معنی ذکر، یادداشت اور یادآوری لکھے گئے ہیں۔فرہنگ عامرہ میں تذکرہ کے معنی یاد کرنا، یاد دلانا اور یادگار کے ہیں[۴]۔ فرہنگ آنند راج اور غیاث اللغات میں تذکرہ کے معنی یادداشت، یاد کرنا اور نصیحت کے ملتے ہیں[۵]۔ فرہنگ نفیسی ناظم الاطباء کے مطابق تذکرے کے معنی ایک ایسی کتاب ہے جس میں شاعروں کے حالات کا اندراج کیا گیا ہو[۶]۔فرہنگ نظام میں تذکرہ ایک ادبی تاریخ ہے جس میں شعرا کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہوں[۷]۔لغات کشوری میں اس کے معنی یادداشت، یاد اور ذکر کے علاوہ نصیحت کرنے کے بھی آئے ہیں[۸]۔

ایف اسٹن گاز (F.Steingass) کے عربی۔انگریزی لغت میں جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔اس میں تذکرہ کے معنی پاسپورٹ، یادداشت اور سوانح وغیرہ کے ہی ملتے ہیں۔[9] فارسی، عربی وانگریزی کے ایک قدیم لغت جس کو فرانسس جانسن (Francis Jhonsan) نے ڈیڑھ سو سال پہلے مرتب کیا تھا اور یہ ضخیم لغت آنر بیل ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اہتمام ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔اس میں لفظ تذکرہ کے وہی معنی بتائے گئے ہیں جو تذکرہ کے معنی پر آج بھی پورے اترتے ہیں۔اس میں تذکرہ کے معنی سوانحی یادداشتیں خاص کر شعرا کے لکھے گئے ہیں[10]۔ایک اور لغت اے ڈکشنری آف ماڈرن رٹن عربیک (A Dictionary of Modern Written Arabic) میں لفظ تذکرہ اور اس کے مرکب کے معنی یہ لکھے گئے ہیں مثلاً یاددہانی، پرمٹ، ٹکٹ وغیرہ۔اس کے علاوہ تذکرہ مرور کے معنی پاسپورٹ اور تذکرۃ النفوس کے معنی شناختی کارڈ کے بتائے گئے ہیں۔[11] ڈکشنری اردو اور انگری Dictionary,Urdu and (English) ڈنکن، فوربز (Duncan Forbes) میں تذکرہ کے معنی یادگار، یادداشت، سوانح عمری کے علاوہ خاص طور پر شعرا کی سوانح عمری بھی دیے گئے ہیں[12]ڈکشنری آف اردو،کلاسیکل ہندی اور انگریزی (Dictionary Of Urdu,Classical Hindi and English) جان پلیٹ (Jhon T Plats) میں لفظ تذکرہ کے معنی یادداشت، یادگار اور سوانحی ڈکشنری وغیرہ بتائے گئے ہیں[13]۔

اردو لغات میں تذکرہ کے معنی ذکر، بیان، یادداشت، تاریخ، سرگزشت وغیرہ کے بیان ہوئے ہیں۔اردو کی مستند اور ضخیم لغت مہذب اللغات میں تذکرہ کے معنی ذکر کرنا، بیان کرنا، سوانح عمری کے علاوہ وہ کتاب جس میں شعرا کا حال لکھا جائے وغیرہ بیان ہوئے ہیں[14]۔قاموس مترادفات میں اس کے معنی حالات، واقعات، یادداشت، سوانح عمری، آپ بیتی، آٹو گرافی لکھے گئے ہیں[15]۔

نور للغات میں اس کے معنی ذکر، یادداشت، یادگار کے علاوہ پروانہ راہداری، ٹکٹ نشانی وغیرہ کے دیے گئے ہیں[16]۔اردو کی سب سے ضخیم لغت اردو لغت تاریخی اصول پر میں تذکرہ کے معنی سوانح حیات بالعموم شعرا کی جو کتابی صورت میں مرتب کی جائیں[17]۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ''تذکرہ'' عربی لفظ بمعنی یادگار، یادداشت یا وہ جس سے ضرورت کی چیز یاد آجائے وغیرہ لکھے گئے ہیں۔اس کے علاوہ تذکرے کے معنی ٹکٹ، یاداشت، پرمٹ (جواز اجازت نامہ کے ہیں) مسافروں کے پاسپورٹ (پروانہ راہداری، جواز سفر) اور محصول خانے کے اجازۂ خروج یا رخصت نامے کو بھی یہی نام دیا جاتا ہے۔قاضیوں کو عہدۂ قضا سنبھالتے وقت جو سند ملتی ہے، اسے خاص طور پر تذکرہ کہتے ہیں۔[18] تذکرہ کے یہ مفاہیم کہ ایسی کتاب جس میں شعرا کا احوال درج کیا گیا ہو، کے معنی صرف اردو اور فارسی لغات میں ملتے

ہیں۔تذکرہ کی یہ اصطلاح سب سے پہلے فارسی زبان میں رائج ہوئی۔ عربی زبان وادب میں حالات کو لکھنے کے لیے تین اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں۔

۱۔طبقات: جس میں لوگوں کے حالات طبقہ بہ طبقہ قرن بہ قرن لکھے جاتے ہیں جیسے طبقات الادبا از ابی البرکات عبدالرحمن یا طبقات الشعرا از ابی مغان البصری یا طبقات الاولیا از شیخ سراج الدین عمرو غیرہ۔

۲۔انساب: جس میں لوگوں کے نسب اور شہروں کے حالات لکھے جائیں جیسے انساب سمعانی وغیرہ۔

۳۔معجم: جس میں لوگوں کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے جائیں۔ جیسے معجم الادبا از یاقوت حمری وغیرہ۔لیکن معنوی اعتبار سے لفظ تذکرہ میں طبقات، انساب اور معجم سے زیادہ وسعت اور جامعیت ہے، اسی لیے بعد میں شعرا کے احوال پر مشتمل کتاب کے لیے تذکرے کی اصطلاح رائج ہوئی[۱۹]۔

اردو اور فارسی کے محققین جنھوں نے تذکروں پر کام کیا ہے۔انھوں نے ایسی کتاب کو تذکرہ کہا ہے جس میں شعرا کے احوال اور ان کا نمونۂ کلام دیا گیا ہو۔ جیسے ڈاکٹر سید علی رضا نقوی نے اپنی کتاب تذکرہ نویسی در پاکستان و ہندوستان میں تذکرہ کے معنی یادداشت یا یادآورن لکھے ہیں[۲۰]۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن میں لفظ تذکرہ کو ایک مرکب صنف قرار دیا ہے۔وہ اپنی کتاب میں لانگیر (Longer) کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لانگیر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ تذکرہ ایسی چیز ہے جس میں اشخاص کے واقعات اور احوال زندگی کو ایسے مختصر اور جامع انداز میں بیان کرے کہ ان اشخاص کی سیرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ دوسری جگہ تذکرہ اور بیا گرافی میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیا گرافی اور بیا گرافیکل ڈکشنری میں یہی فرق ہوتا ہے کہ بیا گرافی میں سوانح نگار ایک شخص کی مفصل سر گزشت بیان کرتا ہے اس کے برعکس قاموس، معجم اور بیا گرافیکل ڈکشنری میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔تذکرہ بیا گرافی نہیں ہے بلکہ بیا گرافیکل ڈکشنری ہے۔[۲۱]

حنیف نقوی اپنی کتاب شعرائے اردو کے تذکرے میں تذکرہ کے لغوی واصلاحی معنی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تذکرہ عربی کا لفظ ہے جیسے اہل زبان یادداشت، میورنڈم، دستاویز، سرٹیفکیٹ، ریل یا جہاز کی ٹکٹ اور پروانہ راہداری اور پاسپورٹ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ شبلی نے اپنی کتاب سفر نامہ مصر روم و شام میں تذکرہ کو دو جگہ پاسپورٹ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ وہ مزید تذکرہ کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اردو اور فارسی میں باقی مفاہیم کے علاوہ اس کے مشترک معنی یہ بھی ملتے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق ایسی کتاب پر ہوتا ہے جس میں شعرا کے مختصر حالات زندگی اور ان کے کلام کو درج کیا گیا ہو[۲۲]۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری میں لکھتے ہیں کہ اردو

فارسی کے لغات میں تذکرے کے دوسرے متعدد معنی کے ساتھ ایک معنی یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ایسی کتاب جس میں شعرا کا حال لکھا جائے اور احوال شعر سے متعلق کتاب کو تذکرہ کہتے ہیں [۲۳]۔ ڈاکٹر عبدالمجید بیدار اپنی کتاب دکنی تذکرے میں لفظ تذکرے کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تذکرہ اپنی اصل کے لحاظ سے عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی ذکر کرنا اور یادآوری کے ہیں۔ وہ مزید اس کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصطلاحی اعتبار سے تذکرہ متعدد اشخاص کے حالات اور کارناموں کو ایک کتاب میں جمع کرنے کی شہادت دیتا ہے یعنی تذکرہ ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی بھی فن کے ماہر اشخاص کی شخصیت اور ان کی منفرد خصوصیات کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس حوالے میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ جب تک ایک ہی فن میں ماہر ایک سے زائد شخصیات کے احوال کو یکجانہ کیا جائے تو اس کی حیثیت تذکرہ کی نہ ہوگی۔ اس اعتبار سے فن تذکرہ ایک کتاب کا محتاج ہوتا ہے۔ فن تذکرہ کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اشخاص کے حالات اور ان کے کارناموں کو جمع کرکے اسے کتابی شکل دینا' جب تک اس اصول کا اطلاق نہیں ہوگا کوئی بھی تحریر شدہ متن تذکرے کی ذیل میں نہیں آئے گا [۲۴]۔ ڈاکٹر مجید بیدار کے اس بیان سے اندازاہ ہوتا ہے کہ وہ تذکرے کو صرف شعرا کے ذکر تک محدود نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک ہر وہ کتاب تذکرہ کی ذیل میں شمار ہوگی جن میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے متعدد اشخاص کے حالات کو یکجا کیا جائے۔

درج بالا بیانات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی تصنیف ہے جس پر تذکرہ کا اطلاق ہوگا اس حوالے سے ناقدین میں اختلاف رائے ہے۔ بعض ناقدین ادب ادبی تذکروں کو ہی تذکرے کی صنف میں شمار کرتے ہیں اور مذہبی مثلاً علما، صلحا، صوفیا کے تذکروں کو صنف تذکرہ نگاری میں شمار نہیں کرتے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی اپنی کتاب شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری میں تذکرہ کے مروجہ اصطلاحی معنی کی روشنی میں صرف ان کتابوں کو تذکرہ کی ذیل میں شمار کرتے ہیں جن میں شعرا کے حالات وواقعات کے علاوہ ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہوں۔ [۲۵]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ اشعار اور شعرا کے احوال سے متعلقہ کتاب کو تذکرہ کہتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ جب اسے شعر وادب کی سیاق وسباق سے ہٹ کر استعمال کیا جائے تو اس سے مراد صرف شعرا کا تذکرہ نہیں بلکہ علما، فضلا، صوفیا، ادبا، اولیا اور حکما کا تذکرہ بھی ہو سکتا ہے [۲۶]۔ اس کے برعکس ڈاکٹر عبدالمجید بیدار کا کہنا ہے کہ اصولی طور پر ایسی تمام تحریریں تذکرے کی ذیل میں شمار ہوں گی جن میں متعدد اشخاص حالات اور کارناموں کو یکجا کیا گیا ہو۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ اس میں صرف وہ شخصیات شامل ہوں جو ادبی حیثیت کی حامل ہوں بلکہ اس میں مذہبی، سیاسی، ثقافتی، غرض زندگی کے ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے ایک سے زائد شخصیات کے حالات وکارناموں کو ایک کتابی صورت میں یکجا کردینا تذکرہ کہلاتا ہے۔ چناں چہ ایسی تمام تصانیف تذکرہ میں شمار ہوں گی جو ایک ہی فن میں

ماہر بہت سے لوگوں کے حیات اور کارناموں کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہوں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ شعرا اور ادبی کارناموں کی حامل شخصیات کے حالات و وقعات کو اکٹھا کرنا ہی تذکرہ میں شامل نہیں بلکہ تذکرہ کے فن کا اطلاق ادبی سوانح پیش کرنے کے علاوہ ان تمام ادبی، مذہبی، سماجی اور زندگی کے دوسرے شعبۂ حیات کے کارناموں کی تفاصیل جمع کرنے والی تصنیف پر بھی ہو گا جو تاریخ کی ترتیب و تدوین میں معاونت فراہم کرتی ہیں، تذکرہ کہلائیں گی اور ایسی تمام تصانیف جو شخصی حالات اور کارناموں کو ترتیب دیتی ہیں، فنی لحاظ سے تذکرے کی ذیل میں آئیں گی[۲۷]۔ عبدالمجید بیدار ان تمام کتابوں کو صنف تذکرہ نگاری میں شامل کرتے ہیں جو کسی بھی شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے متعدد اشخاص کے کارناموں اور حالات کو کتابی صورت میں اکھٹا کرتی ہے، بالفرض ان میں تحقیقی عمل کی کارفرمائی نہ ہو۔

مقصود عالم بہار میں تذکرہ نگاری میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ تمام لغات میں تذکرہ کا مفہوم صرف شعرا کے ذکر تک محدود ہے مگر وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے دامن تذکرہ کے وسیع امکانات ہیں۔ یہ صنف صرف شعرا یا نثر نگاروں کے ذکر کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے مشاہیر علوم و فنون کے افراد ہو سکتے ہیں۔ البتہ افراد کی شہرت و مقبولیت کے پیش نظر تذکرہ دو خانوں میں تقسیم ہو گا۔ جس کتاب میں ادیب یا شاعر کا ذکر ہو گا اس کو ادبی تذکرہ میں شمار کیا جائے گا اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے مشاہیر علوم و فنون کے حالات غیر ادبی تذکرہ کہلائیں گے۔[۲۸] اس حوالے سے ڈاکٹر مجید بیدار کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے کہ تذکرہ کا اطلاق شعرا کے تذکروں کے علاوہ ان تمام کتابوں پر بھی ہو گا، جن میں تمام شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والوں متعدد اشخاص کے کارناموں اور ان کی مختصر سوانح کو کتابی صورت میں یکجا کیا جائے۔

ڈاکٹر بیدار کے بیان کو تقویت اس بات سے بھی پہنچتی ہے کہ غالباً جب تذکرہ کا لفظ اپنی ابتدائی صورت میں فارسی کی 'جس کتاب کے ساتھ استعمال ہوا، وہ فرید الدین عطار کی تذکرۃ الاولیا ہے۔ اس وقت تک فارسی زبان میں تذکرہ کا مفہوم صرف شعرا کے ذکر تک محدود نہ تھا۔ شیخ فرالدین عطار کی تصنیف کے علاوہ اس عہد کی اور کتابیں اس بات کی مظہر ہیں کہ اسلاف کے مختلف النوع کارناموں کو یادگار بنانے کے لیے جو کتابیں لکھی گئیں، انھیں نفس مضمون کے اعتبار سے تذکرہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس فہرست میں بادشاہان وقت، اکابر سلطنت، علما و فضلا، صوفیہ، اطبا وغیرہ شامل ہیں۔[۲۹] لیکن بعد میں شعرا کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کے لیے تذکرہ کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ تذکرے کو یہ اصطلاحی مفہوم گیارویں صدی عیسوی میں عجمی ادیبوں نے دیا۔ فارسی زبان میں جس تذکرے نے سب سے پہلے لفظ شعرا کے تذکرے کے لیے استعمال کیا۔ وہ دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعرا ہے۔

وسعت، جامعیت اور متنوع خصوصیات کے لحاظ سے تذکرہ کا اطلاق صرف شعرا کی کتاب تک محدود کرنا درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کا اطلاق ان تمام کتابوں پر بھی ہونا چاہیے 'جن میں مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے

والے اشخاص کے کارناموں اور حیات کو یکجا صورت میں پیش کیا جائے۔بقول مقصود عالم افراد مقبولیت و شہرت کے باوصف انہیں دو خانوں ادبی اور غیر ادبی تذکروں میں تقسیم کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

تذکرے کے اجزائے ترکیبی:

کوئی بھی فن پارہ خواہ وہ تخلیقی ہو یا تدوینی یا تحقیقی مختلف عناصر ترکیبی کے ربط و اتحاد سے ظہور میں آتا ہے اور یہ عناصر یا اجزا ادب شناسی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔تذکرہ نگاری کے بھی کچھ لوازمات ہیں' جنھیں صنف تذکرہ نگاری کے عناصر ترکیبی میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر منصور عالم نے اپنی کتاب بہار میں اردو تذکرہ نگاری میں صنف تذکرہ نگاری کے چند عناصر ترکیبی کی نشان دہی کی ہے' جو درج ذیل ہیں:

ا۔احوال افراد:

صنفی اعتبار سے تذکرہ نہ سوانح کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، نہ تاریخ ادب اور نہ تحقیق و تنقید میں بلکہ یہ بنیادی طور پر تعارفی پیش کش ہیں۔صنف تذکرہ نگاری میں ہر فرد کو اپنے امتیاز و افتخار کے ساتھ منظر عام پر لانا اور ان کا تعارف پیش کرنا ہے۔تذکرے میں افراد کے احوال کا مختصر ذکر سود مند نہیں ہوتا بلکہ اچھا اور اہم تذکرہ وہ ہے جو فرد کی زندگی سے متعلق ضروری اور اہم امور سے پردہ اٹھائے۔اس لیے اس تعارفی پیش کش میں تذکرہ نگار کے لیے کسی بھی فرد کا نام، تخلص، خطاب، خاندان، حسب و نسب، سال اور جائے پیدائش، مسلک و عقائد، تعلیم و تربیت، شادی اولاد، ذریعۂ معاش اور مشغلے، احباب اور سماجی تعلقات، کار گزاریاں، سال وفات، موجودہ عمر، سیرتی نقوش وغیرہ ان تمام پہلوؤں کی نشان دہی ضروری ہو جاتی ہے۔

۲۔عصری نقوش:

تذکرے میں عصری نقوش کی وضاحت سے نہ صرف معاشرے کی تصویر کشی ہوتی ہے بلکہ ان سے اشخاص کی شناخت میں بھی مدد ملتی ہے۔اس لیے تذکرہ نگار پر لازم ہے کہ وہ جس عہد کے افراد پر اظہار خیال کرتا ہے، اس پر اس عہد کی ترجمانی بھی واجب ہو جاتی ہے۔عصری نقوش دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا خارجی۔ظاہری عوامل میں وہ حالات و مراسم شامل ہیں' جن کی معاشرے میں کار فرمائی ہوتی ہے اور دوسرا وہ کیفیات جنھیں ہم خارجی عوامل کا رد عمل کہہ سکتے ہیں۔ہر معاشرے میں کچھ افراد اپنے سماج کے رواج و رفتار سے بے تعلق رہنے کے علاوہ وہ نظام معاشرت میں اپنا ایک معیار رکھتے ہیں۔ان کا نقطۂ نگاہ مختلف ہوتا ہے جس کی وجہ سے لازماً پہلے سے موجود روایات اور مسائل جدیدہ کے مابین ایک رد عمل ظاہر ہوتا ہے۔چوں کہ یہ رد عمل خود روایات سے کم اہم نہیں ہوتا۔اس لیے عصر کی صحیح عکاسی میں ظاہری مظاہرات کے ساتھ ان کے رد عمل کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔قدیم تذکروں میں

عصری نقوش کی ترجمانی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔ مثلاً میر حسن اپنے تذکرے تذکرہ شعرا اردو میں شاکر ناجی کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"تلاش صنعت ایہام بسیار داشت کہ رائج الوقت متوسطین بود"

اس جملے سے شاکر ناجی کے عہد میں رائج ایہام گوئی کی تحریک کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ نمونۂ نگارشات:

بعض اوقات انسان اپنے علم و فن اور کارناموں کی بدولت زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ اس لیے تذکرہ بالخصوص ادبی تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک ان کے کلام و نگارشات کے نمونے نہیں دیے جاتے۔ قدیم تذکرہ نگاروں نے اس طرف پوری توجہ دی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا انھوں نے شعرا کا منتخب کلام پیش کر کے اپنے تذکروں کو افادی اور جامع بنانے کی کوشش کی۔

۴۔ تبصرہ و تنقید:

تذکرہ نگار کا بنیادی مقصد حالات کی فراہمی ہے نہ کہ کلام کی تنقید۔ تذکرے آنے والے ادوار میں ایک ماخذ کا کام دیتے ہیں۔ یہ تنقید کے اصول و معیار متعین نہیں کرتے۔ لٰہذا کامیاب تذکرہ نگار فرد کے احوال کی تلاش و فراہمی پر سب سے پہلے توجہ دیتا ہے لیکن اس کے باوجود تذکرہ نگار کا تبصرہ و تنقید کی راہ سے فرار حاصل کرنا ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ افراد کے احوال اور ان کے کارناموں کو بیان کرنے کے ساتھ ان کی قدر و قیمت کا تعین بھی کرے اور ان پر تبصرہ و تنقید بھی کرے۔ ادبی تذکروں میں شاعر کی سیرت اور شاعری دونوں پر تبصرہ و تنقید لازمی ہے۔[۳۰]

فن تذکرہ نویسی کے اصول و ضوابط:

کوئی بھی تصنیف خواہ تدوینی ہو یا تحقیقی یا تخلیقی کچھ اصولوں، ضابطوں اور تقاضوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ان اصولوں، تقاضوں اور ضابطوں کی تکمیل ہی اس کے زندہ جاوید ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح فن تذکرہ نویسی کے بھی کچھ اصول اور تقاضے ہیں۔ تذکرہ نویسی کے فن کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسی کا فن ہمیشہ لگے بندھے روایتی اصولوں پر سختی سے کاربند رہا ہے اور تذکرہ نگاروں نے ان اصولوں کی تائید کرتے ہوئے ان کی تکمیل کو بھی ضروری سمجھا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اردو شعرا کے پہلے تذکرے نکات الشعرا سے لے کر عصر حاضر تک ہر ایک تذکرے میں فن تذکرہ نویسی کے روایتی اصولوں کی پوری طرح پاسداری نظر آتی

ہے۔ مجید بیدار نے اپنی تصنیف دکنی تذکرے اور منصور عالم نے بہار میں اردو تذکرہ نگاری میں فن تذکرہ نویسی کے کچھ اصولوں و قواعد کی نشاندہی کی ہے۔

اعتدال اور توازن فن تذکرہ نویسی کا پہلا اصول اور تقاضا ہے۔ تذکرہ نگار کو بیاض نویس کی مختصر نویسی اور مؤرخ کی مفصل نگاری کے درمیان اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنا پڑتی ہے۔ تذکرہ نگار کو چاہیے کہ وہ بیانیہ استدلال اختیار کرتے ہوئے حالات و واقعات کے بیان کی عکس کشی کے دوران اپنے بیان میں معتدل رویہ اور متوازن اسلوب اختیار کرے۔ اس عمل ہی سے فن تذکرہ میں نزاکت پیدا ہوتی ہے ورنہ تذکرہ تشنہ رہ جائے گا۔

- جامعیت و اختصار اس کا دوسرا اصول اور تقاضا ہے۔ تذکرہ نگار کو حالات اور سوانح کے درمیان اختصار سے کام لینا چاہیے۔ اگر شخصیت کے حالات کو پیش کرنے کے دوران اختصار سے کام نہ لیا جائے تو تذکرہ سوانح میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ یعنی تذکرہ نگار کسی بھی فرد کی زندگی پر سیر حاصل تبصرہ نہیں کرتا، اس صنف میں زندگی سے متعلق چھوٹے بڑے سارے احوال کا مفصل اندراج ممکن نہیں۔ لہٰذا مصنف کے لیے ضروری ہے کہ اشخاص کی زندگی اور واقعات کو ایسے پر معنی ایجاز و اختصار سے بیان کرے، جن سے کسی بھی شاعر کی شخصیت کی پوری سیرت آنکھوں کے سامنے آجائے۔
- شخصیت نگاری کے لیے ضروری ہے کہ مختلف شخصیات کی انفرادیت اور ان کی شخصیت کے قابل قدر گوشوں سے واقفیت تذکرہ نگار پر فرض ہے۔ ورنہ تذکرہ شخصی حالات کا مرقع بنا رہے گا۔ اس عمل کے لیے تذکرہ نگار کے لیے لازمی ہے کہ شخصیت کے حالات و واقعات کے بیان کے دوران میں اخذ و ترک سے کام لے ورنہ تذکرہ مبسوط سوانح کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ اس طریقہ کار کے ذریعے شاعر یا صوفی کے کارناموں کو مختلف کتابوں سے اخذ کرنے کے بعد غیر ضروری چیزوں کو ترک کیا جاتا ہے اور تذکرہ میں غیر ضروری متن سے انحراف کر کے اہم اور قابل قدر معلومات کو یکجا کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اخذ و ترک کا عمل بڑی اہمیت رکھتا ہے۔
- نقالی سے پرہیز کے لیے تذکرہ نویس کو دقتِ نظر اور فیصلے کی قوت جیسی خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اگر تذکرہ نگار ان خصوصیات کا حامل نہیں ہے تو اس کا تذکرہ نقالی کی حیثیت میں رہے گا۔ عام طور پر تذکرہ نویسوں پر خوشہ چینی، اکتساب اور نقل در نقل جیسے الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ان کی سب سے بڑی وجہ شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والے متعدد افراد نے چند اہم تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے نقالی سے کام لیا ہے۔ جن تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں کی ترتیب میں زیادہ محنت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کے تذکروں کو ادبی اعتبار سے اہمیت کے حامل سمجھے گئے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تذکرہ نقالی سے پرہیز کا تقاضا کرتا ہے۔
- شعرا کے کلام کی ترتیب ادبی تذکروں میں سب سے اہم سمجھی جاتی ہے۔ تذکرہ نگار کے لیے لازمی ہے کہ وہ معیاری اور قابل فہم کلام کو تذکرے میں شامل کرے۔ معیاری تذکرے کی یہ خاصیت اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ ادبی

تذکروں میں شاعر کی شخصیت کے حالات کی جانچ پرکھ کے بعد تذکرے میں شاعر کا معیاری کلام شامل کیا جاتا ہے۔ معیاری کلام کو منتخب کرنے کے لیے تذکرہ نگار اس کے معائب و محاسن پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہر شاعر کے کلام کا اس طرح انتخاب کرے کہ جس کے مطالعے سے فن کی تمام خوبیاں اور خامیاں واضح ہو سکے۔

- فن تذکرہ نویسی میں تذکرے کی ترتیب و تدوین کا طریقہ کار بھی اہم ہے۔ ترتیب و تدوین کی رو سے تذکرہ نویس کسی جامع اصول اور نظم و ضبط کے علاوہ تخلص کے حرف کی رعایت سے یا حروفِ تہجی کی ترتیب سے حالات کو اکٹھا کر کے تذکرے کو ترتیب دیتا ہے۔ تذکرہ میں ترتیب و تدوین کا یہ طریقہ کار شاعر یا صوفی کے حالات اور کارناموں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس اصول کے ذریعے سے کسی شاعر یا صوفی کے حالات آسانی سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے حالات کی تکرار اور شخصیت سے غیر ضروری مواد کو منہا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ عمل تذکرہ میں جامعیت اور موزوں متن کی پیش کش کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔
- تذکرے کی تحقیق میں اسناد اور وقار دراصل تحقیق کا حامل ہے۔ متقدمین اور دور دراز شہروں سے تعلق رکھنے والے شعرا کے حالات مستند قابل اعتبار ذرائع سے حاصل کیے جائیں۔ مواد کی کمی زیادتی ہونا عیب نہیں ہے البتہ ناقص ہونا عیب ہے۔ مواد اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو مستند اور معتبر ہونا ضروری ہے۔ اس کا واحد ذریعہ تحقیق ہے۔ لٰہذا تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ جتنی باتیں درج کی جائیں وہ روایات اور قیاسات پر مبنی نہ ہوں بلکہ چھان بین اور قطع و برید کے بعد لکھی جائیں تاکہ آنے والے محققین ان سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔
- حقائق و واقعات کا غیر جانب دارانہ اظہار ہونا چاہیے۔ تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ احباب اور اغیار سب کے ساتھ انصاف کو روا رکھے۔ ذاتی پسند و ناپسند کو نظر انداز کرتے ہوئے سب کے ساتھ غیر جانب داری کا رویہ اختیار کرے۔ اردو تذکروں میں یہ صفت بہت کم نظر آتی ہے۔ زیادہ تر تذکروں میں نفرت و عناد اور حسد و رقابت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ یہ عصبیت یا جانب داری تذکرہ نگاری کے لیے زہر قاتل ہے اور اسی غیر مدلل حمایت یا مخالفت کے نتیجے میں ابھرتی ہوئی فرد کی تصویر بگڑ جاتی ہے۔
- تذکرہ نگار کے اپنے عہد کی ادبی، علمی، ثقافتی مجلسوں اور شعر و ادب کی تخلیق میں سرگرم افراد سے اچھے روابط ہونے چاہیے۔
- اسلوب بیان میں تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر انشائی انداز اختیار کرے۔ صنائع و بدائع کی بھرمار نہ ہو۔ مسلسل عبارت آرائی اور لفظی بازی گری سے پرہیز کرنا چاہیے بلکہ متوازن اور مناسب اسلوب کی کارفرمائی ہو۔ سادگی و پرکاری و دلکشی کو اختیار کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا جائے جو نہ صرف واضح ہو بلکہ اس میں دل چسپی کا عنصر بھی برقرار ہے[۳۱]۔

ایک اچھے تذکرے کے لیے ان تمام اصولوں کی پاس داری ضروری ہے۔

تذکرہ نگاری کے محرکات:

کسی بھی تصنیف کے پس پردہ کئی محرکات، جذبات، اسباب اور تحریکات ہوتی ہیں 'جو اسے معرض وجود میں لانے کی وجہ بنتی ہیں۔ تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر تذکرہ نگار کا تذکرہ لکھنے کے پیچھے کوئی نہ کوئی جذبہ یا محرک ضرور تھا۔ ہر تذکرہ نگار نے تذکرے کی ابتدا میں وجہ تالیف بتاتے ہوئے ان محرکات و جذبات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو اسے معرض وجود میں لانے کا باعث بنے۔ یہاں ان محرکات اور جذبات کو مختصر بیان کرنا بے محل نہ ہو گا:

- اپنے نام کو زندہ رکھنے کے لیے۔
- تذکروں کے جواب میں تذکرہ لکھنا۔
- اپنے ارباب علم و فن کے کارناموں کی قدرشناسی کا حق ادا کرنا۔
- ادبی، تحقیقی و تنقیدی ذوق کی تسکین کے لیے۔
- تاریخی شعور۔
- معاصرانہ چشمک اور باہمی رقابتیں اور ایک گروہ کے شعرا کا دوسرے گروہ کے شعرا کے شاگردوں پر تبصرہ و تنقید۔
- اپنے امرا و سلاطین سے خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے۔
- مشاعروں کا بڑھتا ہوا رجحان۔
- آئندہ زمانے کے لیے شعر و سخن کی مستحکم بنیادیں چھوڑنا۔
- شاعروں کا پسندیدہ کلام کو ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا شوق۔
- گروہ بندی اور علاقائی اثرات۔
- دوستوں اور عزیزوں کی تعمیل خواہش۔
- اپنے استاد سے اظہار عقیدت۔

درج بالا عوامل کی روشنی میں اگر تذکروں کے محرکات کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف صنف تذکرہ نگاری کی تعداد میں اضافے سے تذکرہ نویسی کو فروغ حاصل ہوا تو دوسری جانب متنوع نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ ان محرکات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ تقلیدی تذکروں سے زیادہ جوابیہ تذکروں نے تذکری نگاری

کو وسعت وافادیت سے ہمکنار کیا۔ اگرچہ بعض تذکرہ نگاروں نے ذاتی عناد کی بنیاد پر بعض شعرا کو وہ مقام نہیں دیا جن کے وہ مستحق تھے۔اس کے برعکس جوابیہ تذکروں میں ان کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ وہ تذکرے جو دوسرے تذکروں کی تقلید میں منظر عام پر آئے۔ اور ان کے مرتب کرنے والوں نے اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں کے تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے تذکرے کو مرتب کیا۔ان تقلیدی تذکروں کی اہمیت وافادیت اس لیے اہمیت کی حامل ہیں کہ ان تذکروں میں نئے ماخذات کی جانب واضح اشارے ملتے ہیں جو بعض اوقات نئے آنے والے محققین کے لیے افق کا کام دیتے ہیں۔اس کے علاوہ وہ تذکرہ نویس جن کا تعلق امرا اور رؤسا سے تھا،انھوں نے بھی تذکرے مرتب کیے جو مخصوص نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ مختصراً متنوع مقاصد کے تحت لکھے جانے والے یہ تذکرے اردو تذکرہ نگاری میں تنوع اور رنگارنگی پیدا کرنے کے علاوہ دلچسپی کا عنصر بھی فراہم کرتے ہیں۔

تذکروں کی درجہ بندی:

ہیئت، مواد، موضوع، ساخت، معنویت اور نوعیت کے اعتبار سے تذکروں پر کام کرنے والے محققین نے تذکروں کی درجہ بندی مختلف قواعد و ضوابط کے تحت کی ہے اور ان کی معنویت اور نوعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں مختلف خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں ذیل میں ان محققین کی آرا کو پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے تذکروں کی گروہی تقسیم کر کے ان کو مختلف خانوں میں بانٹ کر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر سید عبد اللہ نے اردو تذکروں کی فہرست کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انھیں خصوصیات کے اعتبار سے درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ تذکرے جن میں شعرا کے مستند حالات کو یکجا کرنے کے علاوہ ضمناً اُن کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہو۔

۲۔ ان میں وہ تذکرے شامل ہیں جن میں تمام قابل ذکر شعرا کو شامل کیا گیا ہے اور مصنف کا مقصد صرف جامعیت کو مد نظر رکھنا ہے۔

۳۔ وہ تذکرے جن کا مقصد صرف تمام شعرا کا عمدہ اور مفصل ترین کلام کے انتخاب کو پیش کرنا ہے، حالات کو یک جا کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے۔ بیاضیں اور مجموعے اس صنف میں شامل ہیں۔

۴۔ ان میں وہ تذکرے ہیں جن میں اردو شاعری کی طبقاتی تقسیم کی گئی ہے۔

۵۔ وہ تذکرے جو شاعری کے ایک مخصوص دور سے بحث کرتے ہیں۔

۶۔ وہ تذکرے جو کسی وطنی یا ادبی گروہ کے پروردہ ہیں۔

۷۔ وہ تذکرے جن کا مقصد صرف اصلاحِ سخن اور تنقیدِ سخن ہے۔[۳۲]

انھوں نے مزید خصائص کے اعتبار سے اردو تذکروں کو دو بڑے طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

طبقہ اول:

قدیم طرز کے حامل تذکرے یعنی وہ تذکرے جو دبستان میر کے تذکرہ نگاری کی خصوصیات کی پیروی کرتے ہیں۔اختصار،اصلاحِ سخن ان تذکروں کے امتیازی خصائص ہیں۔اس کے علاوہ وہ تذکرے جو دبستان میر کے رد عمل یعنی ان کے اختصار پسندی کے خلاف ہیں۔وہ اختصار کے بجائے طوالت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

طبقہ ثانی:

جدید اثرات کے حامل تذکروں میں سوانحیت کا رنگ غالب ہے۔اس طبقے کے حامل تذکروں میں منتخب شعرا کے تفصیلی حالات کے علاوہ واقعات کی تاریخیں بھی پیش کی گئی ہیں۔سوانح کو پیش کرنے کے علاوہ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اردو شاعری کا ارتقا بھی مطالعہ میں آجائے۔اس کے علاوہ تذکرے میں ادبی تاریخ کا رجحان بھی اس طبقے کے حامل تذکروں کا خاصا ہے۔[۳۳]

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے بھی اردو تذکروں کی تقسیم مؤلفین کی علمی قابلیت واستعداد کو مد نظر رکھ کر اس طرح کی ہے۔

۱۔ وہ تذکرے جو کسی بڑے شاعر کے قلم سے نکلے ہیں۔

۲۔ وہ تذکرے جن کے مصنف خود بڑے شاعر نہیں ہیں لیکن بڑے شاعر کے گرویدہ تھے۔

۳۔ وہ تذکرے جن کے مصنف سخن گو نہیں ہیں بلکہ ان کو سخن فہم کہا جا سکتا ہے۔[۳۴]

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مواد کے اعتبار سے تذکروں کو صرف دو خانوں میں بانٹا ہے۔

۱۔ عام تذکرے: جن میں ابتدا سے لے کر معاصرین تک کے حالات ردیف وار یا بہ لحاظ ادوار جمع کیا گیا مثلاً تذکرۃ الشعرا، خلاصۃ الشعرا،بت خانہ، مراۃ الخیال وغیرہ۔

۲۔ خاص تذکرے: جن میں کسی خاص عہد کے شعرا یا خاص صنف کے شعرا یا کسی خاص علاقے کے شاعروں کا ذکر ہوتا ہے مثلاً مجالس النفائس،نفائس المآثر،کلمات الشعرا، ہمیشہ بہار،تذکرۃ المعاصرین وغیرہ۔[۳۵]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو تذکروں کی ارتقا کو مد نظر رکھتے ہوئے تذکروں کو بہ لحاظ زمانہ دو بڑے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اٹھارھویں صدی کے تذکرے

۲۔ انیسویں صدی کے تذکرے

زبان کے لحاظ سے بھی انھوں نے اردو تذکروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ وہ تذکرے جو فارسی زبان میں لکھے گئے۔مثلاًنکات الشعرا،گلشن گفتار،تحفتہ الشعرا،مخزن شعرا،عیارالشعرا،ریختہ گویاں،مخزن نکات،چمنستان شعرا،تذکرۃ الشعرا،تذکرہ ہندی گویاں،ریاضالفصحا،گلزار ابراہیم،اور گلشن بے خار وغیرہ۔

۲۔ وہ تذکرے جو اردو میں لکھے گئے ہیں مثلاً گلشن ہند،گلدستہ نازنیناں،طبقات الشعرا،انتخاب دواوین،انتخاب یادگار اور آب حیات وغیرہ۔

تذکروں کی معنوی خصوصیات کی بنیاد پر وہ تذکروں کو دو خاص گروہوں میں ضم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اردو تذکروں کو متعدد خانوں میں بانٹنے کے بجائے ان کو درج ذیل دو اقسام میں تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہوگا:

۱۔ بیاضی تذکرے: جن کا اصل مقصد صرف انتخاب اشعار ہے۔اس ذیل میں اردو کے اکثر تذکرے آجاتے ہیں۔

۲۔ سوانحی تذکرے: جن میں شعرا کے حالات کو جمع کرنے کے علاوہ ان کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً گلزار ابراہیم،طبقات الشعرائے ہند،شمیم سخن، گلشن ہند،گلستان سخن،اورآب حیات وغیرہ۔[۳۶]

ڈاکٹر حنیف نقوی کے بقول اردو تذکروں کو اغراض و مقاصد اور معنوی امتیازات کے لحاظ سے مختلف خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔انھوں نے اردو تذکروں کی گروہی تقسیم پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے انھیں درج ذیل خانوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تعارفی تذکرے: ان تذکروں کے مؤلفین نے علمی و ادبی ذوق اور جذبہ قدر شناسی کے تحت شعرا کے حالات اور اشعار کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کے علاوہ بے جا تنقیص و تعریض سے گریز کیا ہے۔

۲۔ جوابی تذکرے: وہ تذکرے جن کے مؤلفین نے اپنے تذکرے دوسرے تذکرہ نگاروں کی ضد میں لکھے ہیں اور مخالف تذکرہ نگاروں کے بیانات کی تردید،احباب کی تعریف و تحسین، مخالفین کی تشہیر و تضحیک پر اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کردی ہیں۔

۳۔ انتخابی تذکرے: ان تذکروں میں شعرا کے انتخاب کلام اور تدوین اشعار کے بجائے حالات کی تلاش و ترتیب پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

ڈاکٹر حنیف نقوی نے مزید تعارفی تذکروں کو اپنے حدود قیود کے لحاظ سے دو گروہوں میں تقسیم کرنے کے بعد مزید ان کو ضمنی طور پر درج ذیل مختلف خانوں میں تقسیم کیا ہے:

الف: عام تذکرے جن تذکروں میں بلا تخصیص تمام قابل ذکر اور معلوم الاحوال شاعروں کو جگہ دی گئی ہو، ان تذکروں کی بھی تین قسمیں ہوسکتی ہیں۔

ب: مرکزی تذکرے جن کے مؤلفین نے شعرا کے تعارف میں تحقیق و تلاش سے کام لیا ہے۔

ج: متوسط تذکرے جن میں دیانت کے اصولوں کو پامال نہ کرتے ہوئے ذاتی علم و آگاہی اور پیش رو تذکرہ نگاروں کی پیش کردہ معلومات سے استفادہ کا تناسب کم و بیش برابر رہا۔

د: ذیلی تذکرے جن کے تذکرہ نویسوں نے دوسرے تذکروں نگاروں کے بیانات کی تلخیص اور ان کے پسند کیے ہوئے کلام کے انتخاب پر ہی اتفاق کیا ہے۔

ر: خاص تذکرے جن میں تمام شعرا کے درمیان کسی مخصوص اکائی کو لازمی جانا گیا ہے۔ اس قسم کے تذکروں کو درج ذیل اقسام کے تحت رکھا جاسکتا ہے:

ا: مخصوص المقام تذکرے۔ اس قسم کے تذکروں کے تحت کسی خاص علاقے یا شہر کے شعرا کو متعارف کرایا گیا ہے۔

ب: مخصوص بالمذہب تذکرے۔ وہ تذکرے جو کسی خاص مذہبی گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

۲: مخصوص بالحیثیت تذکرے۔ وہ تذکرے جن میں کسی خاص ادبی یا سماجی حیثیت کے حامل شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳: مخصوص بالجنس تذکرے: جن میں جنسی تفریق کی بنیاد پر کسی ایک ہی طبع کے سخن وروں کو جگہ دی گئی ہے۔

۴: مخصوص بالصنف تذکرے۔ وہ تذکرے جن میں کسی ایک خاص صنف کے نمونے پیش کیے گئے ہیں[۳۷]۔

مجید بیدار موضوعات، خصوصیات کی بنیاد پر اردو تذکروں کی درجہ بندی درج ذیل چھ گروہوں میں کرتے ہیں۔

۱۔ مذہبی تذکرے: مذہبی تذکروں میں علما، صوفیا، مبلغین کی مذہبی زندگی کے علاوہ ان کے کارناموں کو یکجا کیا جاتا ہے۔

۲۔ ادبی تذکرے: وہ تذکرے جو شاعروں، ادیبوں، اور نثر اور نظم نگاروں کسی صنف یا اصناف ادب کی کسی ایک خصوصیات پر طبع آزمائی کرنے والے افراد کی زندگیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔

۳۔ سماجی تذکرے: وہ تذکرے جن میں کسی سماج کے اکابرین، مصلحین کے سوانحی حالات اور ان کے کارناموں کو پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا جاتا ہے۔

۴۔انسائیکلوپیڈیائی تذکرے: ایسے تذکرے جن میں ترتیب وار شاعروں کے تخلص کے اعتبار سے الف سے لے کر یا تک شعرا کی زندگی کے حالات درج ہوتے ہیں

۵۔ صنفی تذکرے: صنفی تذکروں میں متن اور مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے شعرا کی سوانح اور ان کا کلام اصناف نظم و نثر اور شعری اصناف جیسے غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ گو شعرا وغیرہ صنف وار ترتیب سے پیش کی جاتی ہیں۔

۶۔ آئینی تذکرے: فن عروض اور قواعد کے بارے میں تحریر کردہ تذکروں کو اردو تذکروں کی گروہی تقسیم میں آئینی تذکرے کا درجہ دیا جاتا ہے، جس میں فنِ عروض، علم و ادب، الفاظ کے محاسن و معائب اور اشعار کے بارے میں تفصیل درج ہوتی ہے [۳۸]۔

درج بالا محققین کے بیانات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو ایک طرف تذکروں کو مختلف خانوں میں تقسیم کرنے سے تذکروں کے معیار و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری جانب اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ تذکرہ نگاری کے ارتقائی سفر میں تذکرے کی ہیئت میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی۔ جوابی، تقلیدی، علاقائی، فرمائشی، آئینی، صنفی سبھی تذکرہ نگاری کی مجوزہ روایت سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ البتہ بعض تذکرہ نگاروں نے ذاتی رجحان، پسند و ناپسند سے اپنے تذکروں میں انفرادیت پیدا کر دی ہے۔ تذکرہ نویسی کے محرکات کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہیئت کے اعتبار سے ان میں خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آتی۔ البتہ تذکرہ نویسی کے موضوعات، مواد اور معیارات نے لازمی طور پر بدلتے ہوئے تقاضوں اور زمانے کے اثرات قبول کیے اور ان اثرات سے غالباً اردو تذکرہ نویسی میں رنگارنگی پیدا ہوئی ہے۔

تذکروں کی اہمیت و افادیت:

تذکرے نہ صرف اردو تنقید کا نقشِ اول ہیں بلکہ سوانح و تاریخ کا ماخذ بھی ہیں۔ اردو شعرا کے تذکرے اپنی معاشرت، معیار، اخلاق، مشاعروں اور ادبی حلقوں کے مشاغل، باہمی رقابتوں، کش مکشوں اور پسند و ناپسند کے معیار کے عکاس ہیں۔ یہ ہماری تاریخی، سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی ضرورتوں زیر سایہ نشو و نما پانے والی اس عظیم الشان تہذیب تمدن کے ترجمان ہیں، جو ہماری ادبی و تاریخی وراثت کی امین ہے۔ تذکروں میں لسانی تحقیق، ادبی تنقید، تاریخ اور سوانح نگاری کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔ یہ تاریخ کا اہم ماخذ اور ہماری تہذیب و معاشرت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ تذکروں کی وجہ سے بہت سے ایسے شعرا گوشۂ گم نامی سے بچ گئے ہیں، جن کے حالاتِ زندگی کے بارے میں نہ کسی کو علم ہے اور نہ ان کا کلام کبھی کتابی صورت میں مدون ہوا ہے۔ تذکروں میں بعض شعرا سے متعلق ایسی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جن کا واحد ماخذ صرف تذکرے ہیں۔ بعض وہ تذکرہ نگار جن کا تعلق خود بڑے شاعروں کی قبیل سے

ہے،انھوں نے شعرا کے کلام سے متعلق جو آرا دی ہیں،ان سے نہ صرف خود تذکرہ نگار کے رجحانِ طبع کا پتہ چلتا ہے بلکہ تذکرہ نگار کے فن اور اس کے کلام کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے اپنے حالات کافی تفصیل سے لکھے ہیں۔اس کے علاوہ دوسرے شعرا کی بابت ان سے کافی ایسی باتیں بیان ہو گئی ہیں جن سے ان کی اپنی شخصیت کے متنوع پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

تذکرے نہ صرف زبان کا سنگ بنیاد ہیں بلکہ ادبی تنقید میں بھی خشت اول کا درجہ رکھتے ہیں۔ تنقید اور خصوصاً مشرقی تنقید کے حوالے سے تذکروں کو آج بھی اولیت حاصل ہے۔ان کے مطالعے کے بغیر ہم اپنی ادبی تنقیدی روایت کے انداز و نہج سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔تذکروں میں اگرچہ شعرا کے کلام پر مختصر تبصرہ موجود ہے لیکن عصر حاضر میں یہ مختصر معلومات ہی تاریخ ادب اردو کی ترتیب و تدوین میں انتہائی مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے مختلف بزرگوں کے ہاں محفلوں، میلوں، عروس کے انعقاد کے علاوہ ارباب علم کی رہائش گاہوں پر مشاعروں سے متعلق انعقاد کی اہم تفصیلات، سیاسی خلفشار، شعرا کی زبوں حالی، ان کی نئی پناہ گاہوں کی تلاش، ترک وطن کے واقعات کا ذکر اور مختلف زمانوں کے سیاسی، معاشی، اقتصادی، تہذیب و معاشرت، رسوم رواج کے مطالعے دل چسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔تذکروں میں ادبی، سیاسی، سماجی اور مذہبی نقوش کی کارفرمائی ہوتی ہے۔اس لحاظ سے تذکروں کی تاریخی اور عمرانی اہمیت بھی مسلم ہے۔ہندوستان میں جتنے تذکرے لکھے گئے ان میں تقریباً ہر دور کے ہندوستان کی سیاسی، مذہبی، معاشی اور ادبی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔تذکروں کے تقابلی مطالعے سے زمانے کے بدلتی ہوئی ادبی صورت حال، رجحانات اور عہد بہ عہد زبان کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور ارتقا کی کیفیات کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔

تذکرے تحقیق ہی نہیں بلکہ تحقیق کا اہم ماخذ ہیں۔کوئی بھی محقق جب کسی شخصیت پر قلم اٹھاتا ہے تو وہ سب سے پہلے تذکروں کی طرف رجوع کرتا ہے۔تذکروں میں بعض اوقات ایسی کتابوں کے بارے میں معلومات مل جاتی ہیں جو معدوم ہو چکی ہیں یا جن کے دریافت کے امکانات مفقود نظر آتے ہیں۔ایسی تصانیف محققین کو ان گم شدہ شدہ کتابوں کی جانب راغب کرتی ہیں۔تذکروں میں بہت سے ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جنھیں شاعروں نے پست قرار دے کر اپنے دواوین میں جگہ نہیں دی۔

تذکروں کا معیار و مرتبہ:

تذکروں کے معیار و مرتبے کا جائزہ لیا جائے تو ہر تذکرے کا اپنا معیار ہے اور وہ اپنے مخصوص مزاج اور ماحول کے ساتھ اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے۔تذکرے کے معیار و مرتبے سے مراد تذکرہ نگار کا تذکرے کے فن کو اوج کمال

تک پہنچانے کے لیے اختیار کردہ وہ طریقہ کار ہے جو تذکرے کی تالیف کے دوران اختیار کیا جاتا ہے۔

فن اور معیار کے تناظر میں دیکھا جائے تو تذکرہ تخلیق کے بجائے تالیف کی حیثیت رکھتا ہے۔معیاری تذکرے کا وجود مؤلف تذکرہ کی ذاتی قابلیت پر منحصر ہے کہ وہ تذکرے کی ترتیب اور متن میں کون سا انوکھا طریقہ اختیار کر کے اپنے تذکرے کو معیاری بناتا ہے۔

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے تذکروں کی ترتیب میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔مثلاً بعض تذکروں میں مخصوص جغرافیائی ترتیب نظر آتی ہے۔ بعض نے تاریخی اعتبار سے شعرا کی تقدیم و تاخیر، متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے علاحدہ علاحدہ طبقات قائم کیے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لغت یا قاموس اور بائیو گرافیکل ڈکشنری کی ترتیب کے اصولوں یعنی حروف تہجی یا شعرا کے حالات ان کے نام کے تخلص کے حرف اول کی رعایت سے یا حروف تہجی یا ابجدی ترتیب کے مطابق مختلف ردیفوں کے تحت لکھے ہیں۔ شعرائے اردو کے بعض اہم تذکرے میں انھی اصولوں کی کارفرمائی ملتی ہے۔ بعض تذکرہ نگارں نے غیر منظم ترتیب اختیار کی یعنی کسی خاص نظم وضبط کی پابندی نہیں کی۔ شعرا کی تقدیم و تاخیر کا فیصلہ مؤلف تذکرہ کی ذاتی پسند و ناپسند پر منحصر ہے۔ تاہم جس تذکرے میں ترتیب کا بہترین طریقہ، سوانحی مواد اور موزوں زبان کا سہارا لیا جاتا ہے وہ معیاری تذکرے کی ذیل میں شمار ہوتا ہے۔[۳۹]

تذکرہ نگاری کا ارتقائی جائزہ:

ہر عہد کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ادب اپنے عہد کے جملہ تقاضوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کوئی بھی فن پارہ اپنے عہد کے تقاضوں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔اسی طرح اگر صنف تذکرہ نگاری کو دیکھا جائے تو اردو شاعری نے صنف تذکرہ نگاری کے لیے راہیں ہموار کیں۔ اٹھارویں صدی تک آتے آتے اردو شاعری ایک مقبول ترین صنفِ سخن بن چکی تھی۔ نثر کی نسبت اردو شاعری کو ادبی اور سماجی حیثیت حاصل ہونے لگی تھی۔ شاعری زندگی کے ہر شعبے میں رچ بس گئی تھی۔ غرض ہر طرف شاعری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اردو شاعری کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت نے مشاعروں کی بنیاد ڈالی۔ شعر سخن کی ان محفلوں میں موجود لوگوں نے ذوق سخن شناسی اور شوق ادب نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے پسندیدہ اشعار اور غزلیں ایک کاپی میں لکھتے رہتے، جسے بیاض کہا جاتا تھا۔ اگر ہم ان بیاضوں کو اردو تذکروں کا نقشِ اول کہیں تو بے محل نہ ہوگا۔

بیاضیں وہ یاداشتیں ہیں جن میں شعر و شاعری سے متعلق کچھ اہم باتیں قلم بند کی جاتی تھی۔ مثلاً شاعر کا نام، تخلص، اس کا وطن اور پسندیدہ اشعار وغیرہ۔ کچھ بیاضیں بڑے منظم انداز میں ترتیب دی گئیں۔ ان میں شعرا کا کلام حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا جاتا تھا۔ ان بیاضوں کا معیار مختلف تھا کچھ اپنی ذاتی قابلیت، مذاق سخن اور علمی استعداد کے

لحاظ سے ذاتی پسند وناپسند کو مد نظر رکھتے ہوئے اشعار کو منتخب کرتے تھے 'جس کی بدولت تذکرہ نگاروں کے میزان نقد اور تنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا تھا۔اردو تذکروں کو نقد و نظر کا یہ میزان بیاضوں نے ہی عطا کیا۔بیاضوں میں شعرا کے حالات نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف نام، تخلص غزلیں، رباعیاں، نظمیں اور پسندیدہ اشعار لکھے جاتے تھے۔ شعرا کے انتخاب میں معروف اور گمنام کا لحاظ بھی نہیں رکھا جاتا تھا اور ہر شاعر کا نام اس کے نمونۂ کلام کے ساتھ قلم بند کیا جا تا تھا۔رفتہ رفتہ ان اندراجات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اسی طرح باضابطہ تذکرہ نگاری کی ابتدا ہوئی۔

تذکرہ نگاری کو فروغ دینے میں مشاعروں اور گلدستوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مشاعروں کا خوب چرچا تھا۔شاعری کا شوق اور مشاعرے کا رواج رفتار زمانہ کے ساتھ بڑھتا گیا۔جگہ جگہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے اور ان مشاعروں میں پیش کردہ طرحی غزلوں اور نظموں کے گلدستے شائع ہونے لگے۔کبھی کبھی شعرا کے مختصر حالات بھی ان گلدستوں میں شامل کر دیے جاتے۔مشاعروں کی کثرت نہ ہوتی تو اردو گلدستے وجود میں نہ آتے۔اردو گلدستوں کا وجود نہ ہوتا اردو تذکرے بھی وجود میں نہ آتے۔اردو شاعری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اب مشاعروں، بیاضوں اور گلدستوں کی وسعت کے احاطے سے باہر نکل چکی تھی۔بلکہ اب اس کو دامن کو وسیع کرنے اور دست برد زمانہ کی لپیٹ سے بچانے کے لیے ایک ایسی صنف کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو آنے والے دور کے لیے ایک ایسی بنیادیں فراہم کریں جن کی بنیادوں پر علم و فن کی عمارتیں تعمیر ہو سکیں۔چنانچہ اسی ضرورت واہمیت کے پیش نظر تذکرہ نگاری کی صنف وجود میں آئی۔

عربی میں تذکرہ نگاری:

تذکرہ نگاری کے بغور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگاری کا ارتقائی سفر سرزمین عرب سے ہوتا ہے۔اگرچہ عرب اپنے بے پناہ قدرت کلام، شعر و شاعری اور زبان دانی پر مہارت اور اپنے کارناموں کی وجہ سے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، لیکن شاعری، خطابت اور فنون لطیفہ کی ان کے ہاں کوئی تحریری صورت موجود نہ تھی۔ شعرا کے کارناموں کو زندہ رکھنے کے لیے ان کے ہاں یہ صورت تھی کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک راوی ہوتا تھا جو اس کے کلام کو ازبر رکھنے اور آگے پہچانے کا ذمے دار ہوتا تھا۔اسلام کی آمد کے بعد بدلتی ہوئی ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر تقریری طریقے کے بجائے تحریری طریقے کو فروغ حاصل ہوا۔احادیث، صلح ناموں کی کتابت کے باعث تحریری روایت کو پذیرائی ملی۔

مؤرخین نے عباسی عہد کو عربی زبان وادب کا عہد زریں قرار دیا ہے۔اس عہد میں جہاں مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں 'وہاں اسلاف کے شعری سرمائے کی تدوین کا عمل بھی شروع ہوا۔چنانچہ اسی دور میں

شعرا کے حالات اور ان کے کلام کو محفوظ کرنے کی اہمیت اجاگر ہوئی جو تذکرہ نگاری کے لیے محرک ثابت ہوئی۔[۴۰]

شعرائے عرب کا پہلا تذکرہ نگار ابو عبداللہ ابن سلام (متوفی ۲۳۲ھ بمطابق ۸۴۵ء) اسی دور سے تعلق رکھتا تھا۔ ابن سلام عربی ادب میں تذکرہ نگاری کا سنگ بنیاد رکھنے والا پہلا صاحب قلم ہے۔ وہ بصرہ کا رہنے والا تھا۔ نقد شعر پر مکمل عبور رکھتا تھا۔ ابن سلام نے شعرائے جاہلیت اور اسلام کے علاحدہ طبقات قائم کر کے طبقات الشعرا کے نام سے شعرا کا ایک تذکرہ مرتب کیا۔

ابن سلام کے بعد تذکرہ نگاروں میں محمد بن حبیب النحوی (متوفی ۲۴۵ھ بمطابق ۸۵۹ء)، ابو زید عمر بن شعبہ البصری (۲۶۲ھ بمطابق ۸۷۶ء)، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتبہ (متوفی ۲۷۶ھ بمطابق ۸۸۹ء) اور عبد اللہ ہارون بن ابی المنصور البغدادی (متوفی ۲۹۶ھ بمطابق ۹۰۸ء) کے نام آتے ہیں لیکن ان کے بارے میں کسی قسم کی کوئی مزید معلومات نہیں ملتیں۔

ابن قتبہ ابن سلام کے بعد دوسرا بڑا تذکرہ نگار ہے وہ ۲۱۳ھ بمطابق ۸۲۸ کو کوفہ میں پیدا ہوا۔ محققین نے اسے ادبی تنقید، لغت اور نحو کا بلند پایہ عالم اور مفکر قرار دیا ہے۔ تنقید ادب سے متعلق اس کی دو کتابوں کو شہرت دوام ملی۔ ایک اد ب الکاتب جس میں نثر نگاری کے اصول و ضوابط سے متعلق بحثیں ہیں اور دوسری الشعر و العشر میں شعرا کے حالات و اشعار کو مدون کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں ابتدا سے تیسری صدی تک نامور شعرا کے حالات کو یکجا کیا گیا ہے۔

ابن العجم کو تذکرہ نویسی سے متعلق ایک ضخیم کتاب کا مؤلف مانا جاتا ہے لیکن اس کی کتابیں اب نایاب ہو چکی ہیں۔ بعد کے تذکرہ نگاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات کو اپنے دور کی تالیفات میں اہم مقام حاصل تھا۔

ابن المعتز (متوفی ۲۹۶ھ بمطابق ۹۰۸ء) کو محققین نے شعر و ادب اور موسیقی کے فنون میں یگانہ روزگار قرار دیا ہے۔ شعر و شاعری پر نثری تصانیف کے علاوہ طبقات الشعرا المحدثین نے کافی شہرت حاصل کی۔ طبقات الشعرا میں شعرا کی تعداد ۱۲۷ ہے جس میں اس نے متاخرین کے حالات کو قلم بند کیا۔

تذکرہ نگاری کا اگلا تذکرہ نگار ابو الفرج الاصفہانی (متوفی ۳۵۶ بمطابق ۹۶۷ء) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الاغانی میں صدہا شاعروں، نغمہ نگاروں، ادیبوں، راویوں اور ان کے سرپرست خلفا سلطنت کے تذکرے لکھے۔ یہ کتاب اکیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے یہ کتاب عربوں کی فنون لطیفہ اور تاریخ کے متعلق معلومات کا ایک اہم ماخذ ہے۔

اصفہانی کے بعد چوتھی صدی کے مشہور تذکرہ نگار ابو المنصور عبد الملک بن محمد اسماعیل الثعالبی (۴۲۹ھ بمطابق ۱۳۰۴ء) کو تنقید، تاریخ، انتخاب اشعار اور موازنہ پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ اس نے کئی تصانیف

یادگار چھوڑی ہیں لیکن جو شہرت اس کی تصنیف یتیمۃ الدھر فی محاسن اہل العصر کے حصے میں آئی وہ کسی دوسری تصنیف کو حاصل نہیں ہوئی۔ یہ کتاب اس نے ابن المعتز کے طبقات الشعر االمحدثین سے متاثر ہو کر لکھی۔ یہ چار جلدوں میں ہے اور اس میں چار سو شاعروں کے حالات اور اشعار کو جمع کیا گیا ہے۔ عربی ادب کے علاوہ فارسی میں بھی اس کو اہم مقام حاصل ہے۔ اگلے زمانے کے سبھی تذکرہ نگار اس کے حلقۂ اثر سے نہ نکل سکے۔ اسی طرز پر متعدد تصانیف منظر عام پر آئیں۔ زمانہ ترتیب اور اہمیت کے پیش نظر علی ابن الحسن الباخرزی کی دمیتہ القصر و اہل العصر سر فہرست ہے۔ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں مختلف علاقوں کے شعرا کو علاحدہ علاحدہ تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ان شعرا کو جگہ دی گئی ہے جو یتیمۃ الدھر میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ چھٹی صدی ہجری میں جنان الجنان وریاض الاذہان کے نام سے دمیتہ القصر کا ایک تتمہ منظر عام پر آیا جو قاضی رشید احمد بن علی بن الزبیر کی تالیف بتائی جاتی ہے۔ اسی سلسلے کی دوسری کڑی ابوالحسن علی بن زید البیہقی کی وشاح الدمیہ ہے لیکن یہ دونوں کتابیں ناپید ہیں۔

قاضی رشید کے علاوہ ثعالبی سے براے راست متاثر ہونے والوں میں شمس الدین محمود اند خودی، (متوفی ۵۷۷ھ بمطابق ۱۱۸۲ء) ابوالمعالی سید بن علی الخطیری (۵۷۸ھ بمطابق ۱۱۷۳ء) اور مشہور مؤرخ عماد الدین کاتب الاصفہانی (متوفی ۵۹۷ھ بمطابق ۱۲۰۱ء) کے نام آتے ہیں۔ محمود اند خودی کا تذکرہ کا نام زینتہ الزماں ہے۔ ابو المعالی سعد بن علی الخطیری کو زینتہ الدھر فی لطائف شعرا العصر کا مؤلف بتایا جاتا ہے۔ اس کتاب کو بھی دمیتہ القصر کا تتمہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب بھی اب نایاب ہے اور کسی بھی ذریعے سے اس کے متعلق معلومات نہیں ملتی۔ الخطیری کے بعد عماد الدین الکاتب (۵۱۹ھ بمطابق ۱۱۲۵ء) کی تالیف خریدۃ القصر و جریدۃ اہل العصر کو یتیمتہ الدھر کے تکملوں میں دمیتہ القصر کے بعد دوسرا نمبر قرار دیا ہے۔ محققین کے مطابق یہ کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں چھٹی صدی کے بعد کے شاعروں کا ذکر ہے۔[۱۴]

یہاں عربی زبان وادب کے چند نمائندہ تذکرہ نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی بدولت عربی زبان وادب میں تذکرہ نگاری کی روایت کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔ ان تذکرہ نگاروں میں سے تقریباً تمام تذکرہ نگار عجمی النسل اور کسی نہ کسی طور پر سرزمین ایران سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تذکروں میں فارسی نژاد شاعروں کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ درج بالا شواہد اس کلیے کی صداقت پر شاہد ہیں کہ فارسی سے پہلے عربی میں تذکرہ نگاری کی صنف وجود میں آئی اور مشرق کے علمی سرمائے میں شعر وادب کا ریکارڈ رکھنے میں اولیت عربوں کو حاصل ہوئی۔ یہ نکات اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ اہل ایران قبول اسلام کے بعد علوم وفنون اور زبان وادب میں عرب سے آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جس کی وجہ سے عرب اور ایران کی ادبیات میں روابط قائم ہو گئے تھے اور یہی ادبی وثقافتی روابط فارسی

تذکرہ نگاری کا نقطہ آغاز ہیں۔[۴۲]

فارسی میں تذکرہ نگاری:

فارسی میں تذکرہ نویسی کا آغاز عربی زبان میں کئی صدیوں بعد شروع ہوتا ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے فارسی زبان میں تذکرہ نگاری کا آغاز بعض شواہد کی بنیاد پر چھٹی صدی بتایا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں عوفی کے تذکرے لب الا لباب(۱۲۲۱ء) کو فارسی کا پہلا تذکرہ قرار دیا ہے۔[۴۳] لب الالباب میں تین سو شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ دو جلدوں اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں شروع کے چار ابواب فن شعر سے متعلق علمی و تاریخی مباحث کا احاطہ کرتے ہیں اور بعد کے ابواب میں شعرا کو زمانی و مکانی اختلافات کی بنیاد پر مختلف عنوانات اور فصلوں کے تحت علاحدہ علاحدہ تقسیم کیا ہے لب الالباب کے بعد پونے تین سو سال تک فارسی میں کسی دوسرے تذکرے کے شواہد نہیں ملتے۔اس لیے مؤرخین نے دولت شاہ سمرقندی کے تذکرۃ الشعرا کو اسی سلسلے کی دوسری کڑی قرار دیتے ہیں لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ فارسی میں تذکرہ نگاری کو استحکام دولت شاہ سمرقندی کے تذکرۃ الشعرا کے منظر عام پر آنے کے بعد ہوا۔اس تذکرے کے بعد فارسی میں تذکرہ نگاری کی صنف تیزی سے پرورش پاتی گئی۔یہ شرف بھی ہندوستان کو حاصل ہے کہ فارسی زبان کا پہلا تذکرہ ہندوستان کی سرزمین پر مرتب ہوا۔[۴۴]

ہندوستان کے فارسی تذکرے:

برصغیر پاک و ہند کا علاقہ تاریخی اعتبار سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ علاقہ بھانت بھانت کی قدیم تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔یہاں مختلف قوموں کے افراد مختلف ادوار میں آکر برصغیر میں آباد ہوتے رہے۔یہ تاریخی تغیر زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے جو برصغیر میں تاریخی، سیاسی، ثقافتی اور لسانی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے جس کے اثرات تاریخ، تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور ادب پر کسی نہ کسی طرح دکھائی دیتے ہیں۔برصغیر میں مغلوں کا دور حکومت ہر اعتبار سے تاریخ ہندوستان میں ایک سنہری باب کا اضافہ ہے۔ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا سنگ بنیاد رکھنے میں بابر اور ہمایوں کا عہد علم و فن کے لیے بارآور تو ثابت نہیں ہوا لیکن اکبر کے عہد میں ارباب علم و فن، علما، دانش ور سرزمین ہندوستان میں جمع ہوگئے۔ان اہل علم نے علم و فن کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے اور تاریخ ادب میں زریں باب کا اضافہ کیا۔

ہندوستان میں باقاعدہ طور پر تذکرہ نگاری کی ابتدا اکبر کے عہد سے ہوتی ہے۔اس سے پہلے سلطان فخری ہروی کے صرف ایک تذکرے روضۃ السلاطین(۱۵۵۴ء) کے بارے میں معلومات ملتی ہیں جس کی تکمیل غالباً شاہ حسین کے دور حکومت ۱۵۵۴ء کے درمیان ہوئی ہے۔یہ تذکرہ ان سلاطین کے ذکر سے معمور ہے جنھوں نے

شاعری کے میدان میں کمال دکھایا۔اکبر کے عہد کا پہلا تذکرہ مولانا فخری ہروی کا جواہر العجائب کے نام سے سامنے آتا ہے۔یہ سخن گو خواتین کا تذکرہ ہے۔ جس میں ۲۳ خواتین کے حالات وکلام کو جمع کیا گیا ہے۔

اکبر کے عہد کا دوسرا تذکرہ نفایس المآثر (۱۵۶۵ء۔۶۶تا۱۵۷۱ء۔۷۲) ہے۔اس تذکرے کے مؤلف علاؤالدین قزوینی ہیں۔ یہ تذکرہ اپنے عہد کے شعرا کے بارے میں مستند ترین مآخذ کا خزینہ ہے۔

نفایس المآثر کے بعد محمد عارف بقاہی کا تذکرہ مجمع الفضلا (۱۵۸۸ءتا۱۵۹۲ء) ہے۔اس تذکرے میں چار سو سے زائد شعرا کو جمع کیا گیا ہے۔اس میں شعرا کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے تین "فرقوں" میں تقسیم کیا گیا ہے اور آخر میں "خاتمہ" کے عنوان سے ان لوگوں کے حالات لکھے جو شاعری کے مدعی ضرور تھے لیکن در حقیقت انھیں اس فن دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔

سید علی بن محمود الحسینی نے بزم آرائی (۱۵۹۲ء) کے نام سے ایک تذکرہ ترتیب دیا۔اس تذکرے میں فارسی شاعری کی ابتدا سے اپنے زمانے کے شعرا کو شامل تذکرہ کیا ہے۔اس کی بیش تر معلومات لب الالباب سے منقول ہیں۔

اکبر کے عہد کا آخری تذکرہ امین احمد رازی کا ہفت کلیم ہے۔ہفت کلیم کا سال تکمیل ۱۵۹۴ء ہے۔

جہانگیری عہد میں بھی تذکرہ نویسی کی روایت برابر قائم رہی اور اس عہد میں کئی تذکرے مرتب ہوئے۔ جن کا ذکر مختصراً ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

خلاصۃ الشعرا (۱۶۱۲ء) جہانگیری عہد کا پہلا تذکرہ ہے۔ ملا محمد صوفی مازندرانی نے بت خانہ کے نام سے ساٹھ ہزار اشعار کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور بعد میں اس انتخاب میں بعض شعرا کے کلام کا اضافہ کرکے تاریخی تقدم وتاخیر کو مد نظر رکھتے ہوئے شعرا کے حالات جمع کرکے اسے ایک تذکرے کی شکل دی۔ یہ تذکرہ بت خانہ کے بجائے خلاصۃ الشعرا کے نام سے معنون ہوا۔

خلاصۃ الشعرا کے بعد تقی الدین اوحدی اصفہانی نے عرفات العاشقین (۱۶۱۵ء) کے نام سے ایک تذکرہ ترتیب دیا۔اس میں تین ہزار سے زائد شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔

اگلا تذکرہ خرابات (۱۶۱۶ء) حسن بن لطف اللہ کی تالیف بتایا جاتا ہے۔اس تذکرے کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ لیکن محققین کے خیال میں اس تذکرے کے منتشر نسخے کتاب خانہ تہران اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں جس میں اول الذکر نسخہ رودکی سے شروع ہو کر جامی پر ختم ہوتا ہے۔دوسرے نسخے میں ابتدا جامی کی غزلیات سے ہوتی ہے۔

فارسی تذکروں کی فہرست میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں نوے شاعروں کے

حالات اور ان کے ساقی ناموں کا اندراج کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ میں شاعروں کے حالات کی تلاش و ترتیب کے ضمن میں مصنف کے تحقیقی نقطۂ نظر کی اہمیت کو دوچند کرتا ہے۔

تاریخ جہانگیری (۱۶۲۸ء) کے مؤلف کے نام کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں البتہ اس کا تخلص مطربی ہے۔ اس تذکرے میں ان شعرا کا ذکر کیا گیا ہے جو اکبر اور جہانگیر کے دربار سے یا سلاطین ازبک اور چنگیز خان کے اسلاف سے وابستہ رہے جن سے مطربی کی ملاقات رہی۔

مجمع الشعراے جہانگیری کو ایک مجہول الاحوال صاحب قلم قطعی کی تالیف بتایا جاتا ہے۔ تذکرے میں درج معلومات سے اس کے زمانۂ تالیف کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کب لکھا گیا۔ اس تذکرے میں ان شعرا کو شامل کیا گیا ہے جنھوں نے جہانگیر کی مدح سرائی کی۔ اس تذکرے میں شعرا کی تعداد ایک سو اکاون ہے۔

جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہان تخت نشین ہوا۔ اس کا دور حکومت فن تعمیر کی ترقی کا دور سمجھا جاتا ہے لیکن علمی احیاء کی ترویج ترقی میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا۔ اس کے عہد میں تذکرہ نگاری کے فن میں کوئی پیش رفت سامنے نہ آئی۔ اس کے تیس سالہ عہد حکومت میں صرف دو تذکرے طبقات شاہجہانی اور خزینۂ گنج الٰہی منظر عام پر آئے۔

طبقات شاہجہانی کا مؤلف محمد صادق ہے۔ اس تذکرے کے زمانۂ تالیف سے متعلق معلومات حاصل نہیں ہوتیں البتہ اس کو طبقۂ ثانی کے تحت ایک جگہ ۱۰۶۴ھ کو سال رواں بتایا گیا ہے۔ اس تذکرے میں شاہجہان تک ہر بادشاہ کے ہم عصر ارباب کمال کو علیحدہ علیحدہ روشناس کرانے کے لیے طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر طبقے میں سادات و عرفا، ذکر علما، حکما و فضلا اور ذکر شعر کے تحت عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

خزینہ گنج الٰہی کے مؤلف میر عمادالدین محمود حسینی متخلص بہ الٰہی ہے۔ یہ نامکمل تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ہمایوں کے ذکر تک ختم ہو جاتا ہے اور اس سے بعد کے شعرا سے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ۱۰۵۲ھ میں اس کی ابتدا کی اور ۱۰۶۴ء تک ترتیب کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اس کو مکمل نہیں کیا۔

شاہجہان کے دور کی طرح اورنگ زیب کے عہد میں بھی تذکرہ نگاری کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس زمانے میں جن تذکروں کے بارے میں علم ہوتا ہے، ان کی تعداد صرف چار ہے۔

ان تذکروں میں لطائف الخیال شامل ہے۔ جس کا مؤلف شاہ محمد شیرازی ہے۔ ۱۶۶۵ء میں اس نے اس کا آغاز کیا اور نامعلوم وجوہات کی بنا پر کتاب کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ لیکن پھر بھی محققین اسے ہم عصر شاعروں کے حالات کا ایک مستند ماخذ مانتے ہیں۔

اس عہد کا اگلا تذکرہ کلمات الشعرا (۱۶۸۲ء) افضل سرخوش کشمیری کا لکھا ہوا ہے۔ اس تذکرے میں

سرخوش نے اپنے عہد کے ۱۶۹ شاعروں کا حال بیان کیا ہے۔اس میں ان شعرا کا ذکر کیا گیا ہے جو خود مؤلف کے ہم عصر تھے یا جن سے ان کی واقفیت تھی۔ محققین کے بقول یہ تاریخی معلومات کا بیش بہا خزینہ ہے۔

شاکرہ بقاء کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں البتہ اسے محمد بقا سہارنپوری کی تالیف خیال کیا جاتا ہے۔ محمد بقا سہارنپوری نے بھی ۱۶۸۳ء میں شعراے فارسی کا ایک تذکرہ لکھا کسی دوسری جگہ اس کتاب کا کوئی حوالہ دست یاب نہیں ہے۔

مرآۃ الخیال(۱۶۹۰ء) شیر خان لودھی کی تالیف ہے۔اس تذکرے میں شعرا کی مجموعی تعداد ۱۳۰ ہے جن میں ۱۵ خواتین شامل ہیں۔

اورنگ زیب کے بعد محمد شاہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) اور احمد شاہ (۱۷۵۴ء) کا دور حکومت معاشی ابتری اور سیاسی انتشار و خلفشار کا دور ہے۔اس زمانے میں بھی ہندوستان کے شاعروں اور ادیبوں نے فارسی زبان و ادب کی خدمت کی ہے۔ محمد شاہ کے عہد سے لے کر احمد شاہ تک فارسی کے تقریباً سولہ یا سترہ تذکرے معرض وجود میں آئے۔ جن میں بیش تر ہندی مصنفین کے قلم سے نکلے ہیں۔ذیل میں صرف ان تذکروں کا ذکر کیا جائے گا جو اردو کے پہلے تذکرے کی تالیف سے قبل لکھے گئے۔

ہمشہ بہار (۱۷۲۳ء) کا مؤلف کشن چند اخلاص ہے۔اس تذکرے میں ۳۰۷ شعرا کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کے بارے میں صاحب تذکرہ نگار نے کافی قیمتی معلومات سے نوازا ہے۔

عظمت اللہ بے خبر کا تذکرہ سفینہ بے خبر (۱۷۲۸ء) میں ہندوستانی اور ایرانی شاعروں کے حالات و اشعار کو یکجا کیا گیا ہے۔

ید بیضا(۱۷۳۴ء) میر غلام علی آزاد کی تالیف ہے۔ اگرچہ ید بیضا کے عام نسخوں میں ۵۳۵ شعرا کا ذکر ملتا ہے لیکن مغربی پاکستان کے محمد ابراہیم کے ذاتی کتب خانہ کے نسخے میں ۱۳۵۹ شعرا کے حالات ہیں۔اس کے علاوہ آزاد کے دو اور تذکرے خزانہ عامرہ(۱۱۶۶ھ) اورسرور آزاد (۱۱۷۶ھ) بھی شامل ہیں۔

تذکرہ ندرت علی فطرت عطا اللہ متخلص بہ ندرت کی تالیف ہے۔اس تذکرے میں صاحب تذکرہ نگار نے ہر صدی کے شاعروں کے حالات کو علاحدہ علاحدہ تقسیم کیا ہے۔

بندرابن داس کا تذکرہ سفینہ خوش گو(۱۷۴۲ء) تین طبقات پر مشتمل ہے۔ جن میں ۳۲۲ شعراے متقدمین، ۸۱۱ متوسطین و متاخرین اور ۲۴۵ معاصرین کے حالات کا اندراج ہے۔ نقادوں نے اسے تنقیدی اور ترتیب سنین کے لحاظ مستند مانا ہے۔

گلدستہ (۱۷۶۲ء)عبدالوہاب خان کی تالیف ہے یہ تذکرہ تقی اوحدی کی انتخاب کعبہ عرفان کا خلاصہ ہے۔

ریاض الشعرا(۱۷۴۷ء۔۱۷۴۸ء) علی قلی خان والہ داغستانی کی تالیف ہے۔اس تذکرے کا مؤلف حروف تہجی کی ترتیب اختیار کرتے ہوئے تذکرے کو ۲۸ روضوں میں تقسیم کرتا ہے۔اس میں تقریباً ستائس سو شعرا کا ذکر شامل ہے۔اگرچہ شعرا کے حالات پر زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا لیکن انتخاب اشعار کا معیار عمدہ ہے۔یہ تذکرہ فن شعری سے متعلق مباحث کے علاوہ اپنے عہد کے تاریخی واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

منتخب الاشعار (۱۷۴۸ء) کے مصنف کاظم مبتلا لکھنوی ہیں۔مصنف نے حروف تہجی کی ترتیب سے سات سو گیارہ شعرا کے حالات وکلام کو شامل کیا ہے۔حسن انتخاب کے لحاظ سے یہ تذکرہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔

منتخب حاکم(۱۷۴۸ء)عبدالحکیم لاہوری کی تصنیف ہے۔یہ فارسی کے شعرا کا مختصر ترین تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں صرف چھے شعرا شامل ہیں۔مصنف نے صرف ان شعرا کو شامل کیا ہے، جن سے ان کی ملاقات ہو چکی تھی۔

تذکرہ حسینی (۱۱۶۱ء)میر حسین سنبھلی کا تالیف کردہ ہے۔اس میں شعرا کی تعداد ۴۴۵ ہے جس میں امرا و سلاطین اور عرفا اور صلحا بھی شامل ہیں۔نوعیت کے اعتبار سے یہ مختصر ہے لیکن قارئین کی دل چسپی کے لیے اس میں لطائف وظرائف کا اضافہ کیا گیا ہے۔

مجمع النفائس(۱۷۵۱ء) کے مصنف سراج الدین علی خان آرزو ہیں۔مجمع النفائس میں ایک ہزار سات سو پینتیس اشعار شامل ہیں۔شعرا کے حالات اگرچہ مختصر ہیں لیکن شعرا کے ادبی و فنی محاسن پر اظہار خیال، ان کے کلام پر رائے، اشعار کے نقائص اور ان کی اصلاح اور ان کی ادبی حیثیت کا تعین جیسے علمی اور فنی مباحث کی وجہ سے اس کا معیار و مرتبہ بہت بلند ہے۔[۴۵]

یہ فارسی شعرا کے تذکروں کا مختصر تعارف تھا جو اردو تذکرہ نگاری کی ابتدا سے قبل لکھے گئے۔درج بالا فارسی کے تذکروں کی فہرست کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تذکروں کی تالیف و ترتیب روایتی اصولوں پر کاربند نظر آتی ہے۔لب الالباب کے بعد اگر دولت شاہ سمرقندی کے تذکرۃ الشعرا اور فارسی میں لکھے جانے والے تذکروں کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ پونے تین سو سال کے دورانیے میں تذکرہ نگاری کے اصول میں کوئی خاص تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔یہ صرف ترتیب، انتخاب، اسلوب بیان اور تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف کہے جا سکتے ہیں 'اس لیے کہ کسی تذکرہ نگار نے تحقیقی و تنقیدی مزاج کی بدولت چھان بین کر کے انتخاب کلام کی نفاست اور عمدگی کو پر زیادہ توجہ صرف کی اور مؤرخانہ مزاج رکھنے والوں نے حالات و واقعات

اور سنین کا خاص لحاظ رکھا۔ کچھ تذکروں نگاروں نے انشاپردازی کے جوہر دکھاتے ہوئے اسلوب بیان کی بدولت مقفّی اور مسجع نثر کے عمدہ نمونے پیش کیے۔ بعض نے شعرا کی طبقاتی تقسیم کی اور کچھ مؤلفین نے حروف تہجی کی رو رعایت سے تذکرے لکھے۔

یہ وہ بنیاد تھی جو اردو تذکرہ نگاروں کو فارسی سے ملی اور تذکروں نے اس بنیاد کے تتبع میں اردو تذکرہ نگاری کا آغاز کیا۔ شعرائے اردو کے تذکرہ نگاروں نے انہیں اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور انھی تذکروں کی پیروی کرتے ہوئے تذکرے مرتب کیے۔ یہاں یہ کہنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اردو تذکرہ نگاروں نے فارسی تذکرہ نگاروں کے اصول وضوابط، ترتیب کا انداز اور نقد و نظر کے معیار کے پیمانوں کی نہ صرف پیروی کی بلکہ بعض اوقات ان کی معلومات سے بھی فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ جو غلطیاں فارسی تذکرہ نگاروں سے سرزد ہوئیں وہی غلطیاں اردو تذکروں میں بھی دہرائی گئیں۔ مثال کے طور پر فارسی تذکرہ نگاروں نے انتخاب کلام کی عمدگی اور نفاست پر زیادہ توجہ صرف کی اور ان کے حالات وواقعات کو انھوں نے ثانوی درجہ دیا۔ ان کے تذکروں میں حالات وواقعات، تاریخ وسنین کا کوئی خاص محققانہ التزام نہیں ملتا۔ اردو تذکرہ نگار بھی ہر موڑ پر انھی رجحانات ومیلانات کی تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان سے اثر بھی قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح فارسی تذکرہ نگاری کا یہ سلسلہ اپنا ارتقائی سفر طے کرنے کے بعد نکات الشعرا کی تالیف کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ہندوستان میں بھی فارسی تذکرہ نگاری کا دور اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور اردو تذکرہ نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔

اردو تذکرہ نگاری کا ارتقائی جائزہ:

تذکرہ نگاری کے موضوع کو بیان کرتے ہوئے آگے اردو میں تذکرہ نگاری کے عہد بہ عہد ارتقا کا مختصر خاکہ پیش کیا جائے گا جو اس صنف کے ارتقا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اردو شعرا کی تذکرہ نگاری پر نگاہ ڈالیں تو میر تقی میر کے تذکرے نکات الشعرا (۱۷۵۲ء) کو اردو تذکرہ نگاری کی اولین کڑی قرار دیا جاتا ہے لیکن اس تذکرے سے پہلے بھی چند تذکرہ نگاروں کے نام سامنے آتے ہیں جن میں محمد یار خان خاکسار، سودا، آرزو اور سید امام الدین وغیرہ شامل ہیں۔ چونکہ یہ تذکرے موجود نہیں ہیں اس لیے میر تقی میر کا نکات الشعرا، حمید اورنگ آبادی کا گلشن بزم گفتار (۱۷۵۲ء)، سید فتح علی گردیزی کا تذکرہ ریختہ گویاں (۱۷۵۳ء) اردو تذکرہ نگاری میں اولیت کے دعویدار ہیں۔ چوں کہ گلشن گفتار ،تحفۃ الشعرا (۱۷۵۲ء) اور نکات الشعرا کا سال تصنیف ایک ہے جس کی وجہ سے محققین کی درمیان بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہوا اور بالآخر محققین نے کافی چھان بین کے بعد اردو میں تذکرہ نگاری کی اولیت کا سہرا میر تقی میر کے تذکرے نکات الشعرا کے سر باندھا ہے۔ اگرچہ گلشن

گفتار اور نکات الشعرا کی سنہ تکمیل ایک ہی ہے لیکن بعض شواہد کی بنا پر میر تقی میر کے تذکرے نکات الشعرا کو ہی اولیت کا شرف حاصل ہے۔ذیل میں اردو شعرا کی تذکرہ نگاری کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کر کے ان کے ارتقا کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

۱۔ فارسی زبان میں لکھے گئے اردو تذکرے

۲۔ انگریزی اور فرانسیسی زبان میں لکھے گئے اردو تذکرے

۳۔ اردو زبان میں لکھے گئے اردو تذکرے

الف: شعرا کے تذکرے

ب: شاعرات کے تذکرے

شعرائے اردو کے تذکرے بہ زبان فارسی:

نکات الشعرا (۱۷۵۲ء) ڈاکٹر سید عبد اللہ کے مطابق نکات الشعرا اردو تذکرہ نگاری کا میر کارواں ہے۔[۴۶] اگرچہ اس تذکرے میں تکمیل کا سنہ نہیں دیا گیا لیکن محققین نے اس کا سنہ تکمیل بعض داخلی شواہد کی روشنی میں ۱۷۵۲ء قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر اس میں ایک سو دو شعرا کا احوال اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔ جن میں ۳۲ دکنی اور گجراتی اور باقی شمال ہند کے شعرا ہیں۔اگرچہ اس میں شعرا کے احوال مختصر ہیں لیکن شعرا کے انتخاب کلام پر نپے تلے تبصرے اور ان کے کلام پر اصلاح سخن نے اس کی اہمیت کے گراف کو مزید اونچا کر دیا ہے، جس سے میر کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔[۴۷]

گلشن گفتار (۱۷۵۲ء) خواجہ حمید اورنگ آبادی کا تذکرہ ہے ۔یہ تذکرہ بھی ۱۷۵۲ء میں لکھا گیا ہے۔گلشن گفتار میں شعرا کی تعداد ۳۰ کے لگ بھگ ہے۔ جن میں سولہ شاعروں کا تعلق دکن سے ہے اور باقی شمالی ہند سے ہیں۔اس تذکرے کی ترتیب میں کوئی خاص طریقہ کار وضع نہیں کیا گیا۔نہ ہی حروف تہجی کی ترتیب ہے اور شاعر کی اہمیت کے لحاظ سے تاریخی انداز ابھی اختیار نہیں کیا گیا ہے۔حالات اگرچہ مختصر ہیں لیکن کلام کا انتخاب موزوں ہے۔اس میں متفرق اشعار کے بجائے شعرا کی مکمل غزلیں شامل کی گئی ہیں۔

تحفۃ الشعرا (۱۷۵۲ء) افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی کا تالیف کردہ ہے۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔اس کے متن کی روشنی میں اس کا سال تصنیف ۱۷۵۲ء ہے۔اس تذکرے میں کم و بیش ۶۲ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔[۴۸] شعرا کی ترتیب میں کسی خاص اصول کی پیروی نظر نہیں آتی۔ یہ اردو اور فارسی شاعروں کا ملا جلا تذکرہ ہے۔لسانی اعتبار سے اس تذکرے کے بارے میں محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری اسے اردو کا

تذکرہ مانتے ہیں جبکہ منصور عالم اسے اردو کا تذکرہ ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ اسے فارسی کا تذکرہ قرار دیتے ہیں۔ تاہم اصل تذکرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اردو اور فارسی شعرا کا ملا جلا تذکرہ ہے۔ اس میں ان شعرا کو جگہ دی گئی ہے جن میں بعض اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔[۹] تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار نے اپنے عہد کے ممتاز علما و فضلا کو جگہ دی ہے جن سے اس کی ذاتی واقفیت تھی۔ شعرا کے سنین کی طرف زیادہ توجہ نہیں ملتی۔ شعرا کے احوال اور نمونۂ کلام کا مختصراً اندراج کیا گیا ہے۔

ریختہ گویاں (۱۷۵۳ء) کے مصنف سید فتح علی حسینی گردیزی ہیں۔ نگار میں اس کا سال تصنیف ۱۷۵۳ درج ہے اور اس میں ۹۸ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے میں درج شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ گردیزی نے یہ تذکرہ میر کے تذکرے نکات الشعرا کے جواب میں لکھا اور گردیزی نے اس میں ان شعرا کو شامل کیا جن کو میر نے نظر انداز کیا تھا۔ سوانح اور کلام دونوں کے لحاظ سے یہ تذکرہ مختصر ہے لیکن مصنف کے بیانات اپنے ہم عصر شعرا کے بارے میں مستند معلومات کی شہادت دیتے ہیں۔

مخزن نکات (۱۷۵۵ء) قائم چاند پوری کا تذکرہ ہے۔ تذکرہ نگاری کی اولیت کا شرف حاصل کرنے میں میر کی طرح قائم بھی سرفہرست ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیوں کہ اس سے پہلے اردو کے بہت سے تذکرے لکھے جا چکے تھے۔ مخزن نکات کا سال تصنیف ۱۷۵۵ء ہے۔ یہ تذکرہ ابتدا میں بیاض کی شکل میں تھا۔ بعد میں مصنف نے اسے تذکرے کی شکل دے کر تین طبقات متقدمین، متوسطین، اور متاخرین میں تقسیم کیا۔ نگار کے مطابق اس میں شعرا کی تعداد ۱۱۸ ہے۔[۵۰] سوانح اور کلام کے اعتبار سے یہ مختصر تذکرہ ہے۔

ریاض حسنیٰ (۱۷۵۵ء) کے مؤلف عنایت اللہ فتوت ہیں جس کی وجہ سے یہ ''تذکرہ فتوت'' کے نام سے بھی موسوم ہے۔ لیکن اس کا اصل نام ریاض حسنیٰ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۷۵۵ء ہے۔ اس میں ۱۸۵ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے شمالی ہند اور دکن دونوں علاقوں کے شعرا کو شامل کیا ہے۔ اس سے بہت سے ایسے شعرا کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے جو اس سے پہلے لکھے جانے والے کسی تذکرے میں ان کا ذکر شامل نہیں تھا۔ شعرا کا ذکر بہ لحاظ حروف تہجی کیا گیا ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے یہ اردو کے قدیم تذکروں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔

تذکرۂ بے نظیر (۱۷۵۸ء) تذکرے کے مصنف عبدالوہاب افتخار و بیکل ہیں۔ اگرچہ یہ فارسی گویوں کا تذکرہ ہے لیکن اس میں مذکور شعرا اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ مؤلف کے استاد نے اس کا نام بینظیر تجویز کیا جس سے اس کا سال تصنیف ۱۷۵۸ء معلوم ہوتا ہے[۵۱]۔

چمنستان شعرا(۱۷۶۲ء)رائے لچھمی نرائن شفیق کا تالیف کردہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۷۶۲ء ہے۔ یہ تذکرہ انھوں نے اوائل جوانی میں ترتیب دیا۔ اس میں مصنف نے ۲۱۴ شعرا کو حروف تہجی کے بجائے حروف ابجدی کی ترتیب سے شامل کیا ہے۔ اگرچہ شعرا کے حالات مختصر ہیں لیکن انھوں نے باقی تذکروں کی نسبت شعرا کے حالات اور کلام پر مزید تحقیق کر کے اخذ و استفادے سے انھیں بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ شعرا کے کلام پر تبصرے کے دوران انھوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور بے جا کسی کی تضحیک و تعریض نہیں کی۔ البتہ یقین کی مدح سرائی میں انھوں نے صفحے کے صفحے لکھ ڈالے۔

طبقات الشعرا(۱۷۷۴ء)کے مؤلف قدرت اللہ شوق سنبھلی ہیں۔ ان کا یہ تذکرہ ۱۷۷۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں شعرا کی تعداد ۲۷۳ ہے۔ مصنف نے اس کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

طبقہ اول: اس میں ریختہ کے موجدین اور دکنی شعرا کے ذکر کو شامل کیا گیا ہے۔

طبقہ دوم: اس میں ایہام گو شعرا کو جگہ دی گئی ہے،

طبقہ سوم: یہ شعرائے متاخرین کے ذکر پر مشتمل ہے۔

طبقہ چہارم: یہ نوآموز شعرا شامل ہیں۔

اس تذکرے کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کو حروف تہجی کے بجائے عمر و عہد کے اعتبار سے پیش کیا گیا ہے۔ جس سے شعرا کے حالات و کلام تک آسانی سے رسائی حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ طبقات کے مطالعے سے کسی شاعر سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس تذکرے میں کسی کو بھی طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنایا گیا البتہ زبان و بیان کی خوبیوں اور خامیوں کی نشان دہی ضرور کی گئی ہے۔ تحقیقی لحاظ سے بھی یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ تاریخ پیدائش اور وفات سے متعلق زیادہ وضاحت نہیں ملتی لیکن انتخاب کلام میں شعرا کی غزلیات کے ساتھ ساتھ مثنویاں، قصیدے، قطعات، رباعیات کے اچھے خاصے نمونوں کا اندراج کیا گیا ہے۔

تذکرہ شعرائے اردو (۱۷۷۴ء)میر حسن دہلوی کا تذکرہ ہے۔ سال تصنیف ۱۷۷۴ء مرقوم ہے۔ اس میں ۳۰۴ شعرا کا ذکر شامل ہے۔ [۵۲] شعرا کو بلحاظ حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔ مصنف نے شعرا کے ناموں کے ردیف کا لحاظ سے شعرا کو تین طبقات متقدمین، متوسطین اور اور متاخرین میں تقسیم کیا ہے۔ نمونۂ کلام کا انتخاب عمدہ اور معیاری ہے۔ اگرچہ شعرا کے حالات و واقعات اور سوانح پر خاص توجہ نہیں دی گئی لیکن شعرا پر سنجیدہ تبصرہ میر کے بے لاگ تنقیدی شعور کا پتہ دیتا ہے۔

بہار بے خزاں(۱۷۷۸ء) بہاؤالدین حسین خان عروج نے تصنیف کیا۔اس کا سال تصنیف ۱۷۷۸ء ہے۔اس میں کم و بیش ۸۱ شعرا کاذکر شامل ہے۔شعرا کاذکر حروف تہجی کی ترتیب سے دیا گیا ہے۔

گل عجائب(۱۷۷۸ء)اسد علی تمنا اورنگ آبادی کا تذکرہ ہے۔ اگرتذکرے کے متن کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس کا سال تصنیف ۱۷۷۸ء ہے۔اس تذکرے میں سلطنت آصفیہ کے ۵۱ ریختہ گو شاعر ہیں جن کا تعلق بارھویں صدی کے اواخر سے ہے۔یہ تذکرہ ہیئت اور شعرا کے مواد کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کرتا لیکن شعرا سے متعلق نئی معلومات کا احاطہ ضرور کرتا ہے۔

تذکرہ شورش(۱۷۷۹ء)سید غلام حسین شورش کا یہ تذکرہ ۱۷۷۹ء میں لکھا گیا۔اس تذکرے میں حالات زندگی کے بجائے اشعار کے انتخاب پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔اس تذکرے میں شورش نے قدیم شعرا سے کر اپنے عہد تک کے شعرا کاذکر کیا ہے۔

مسرت افزا(۱۷۸۰ء)میر الدین احمد ابوالحسن کا تذکرہ ہے۔اس کا سال تالیف ۱۷۸۰ء بتایا جاتا ہے۔اس تذکرے کے مؤلف کے بیان سے یہ معلوتا ہے کہ انھوں نے یہ تذکرہ میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعرا کے جواب میں لکھا۔

گلشن سخن(۱۷۸۰ء) میرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی مبتلا لکھنوی کی تصنیف ہے۔اس کا سال تصنیف ۱۷۸۰ء ہے۔

گلزا ابراہیم(۱۷۸۴ء) محمد ابراہیم خان خلیل کی تصنیف ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۷۸۴ء ہے۔اس تذکرے میں ۳۲۰ شعرا کاذکر کیا گیا ہے۔اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے شعرا کے کلام پر تبصرے کے دوران میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور شعرا کے حالات و واقعات کے اندراج میں سنی سنائی باتوں پر عمل نہیں کیا بلکہ مستند ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس میں مؤلف نے شعرا کی سیرت و سوانح ،شخصیت اور معاشرتی زندگی کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

تذکرہ ہندی(۱۷۹۴ء)غلام ہمدانی مصحفی کا تذکرہ ہے۔اس کا سال تصنیف ۱۷۹۴ء ہے۔یہ تذکرہ میر مستحسن خلیق کی فرمائش پر لکھا گیا ہے۔اس تذکرے کے علاوہ مصحفی کے دو اور تذکرے بھی موجود ہیں۔اس تذکرے میں ۱۸۶ شعرا اور پانچ شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔اس میں محمد شاہ اور شاہ عالم کے زمانے کے شعرا کاذکر شامل ہے۔

عیار الشعرا(۱۷۹۹ء)خوب چند ذکا کا تذکرہ ہے۔سال تصنیف ۱۷۹۹ء ہے۔اس تذکرے میں ۸۵۱ کے قریب شعرا کے حالات اور نمونہ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول یہ ابھی تک غیر مطبوعہ

ہے۔اس تذکرے میں قدما سے لے کر معاصر شعرا تک کا ذکر شامل ہے۔شعرا کے حالات بہت مختصر ہیں بعض جگہ صرف شاعر کے نام اور تخلص پر اکتفا کیا گیا ہے۔ شعرا کا اندارج ردیف وار کیا گیا ہے "[۴۴]۔

تذکرہ عشقی(۱۸۰۱ء)وجیہہ الدین عشقی کا تالیف کردہ ہے۔اس تذکرے کا سال تصنیف ۱۸۰۱ء ہے۔اس تذکرے کے مطبوعہ نسخے میں شعرا کی کل تعداد ۱۹۲ ہے۔حالات اور انتخاب کلام بہت مختصر ہے۔شعرا کے حالات کے بارے میں صرف چند سطریں اور چند اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

عمدہ منتخبہ(۱۸۰۱ء) اس کے مؤلف اعظم الدولہ سرور ہیں۔اس کا سال تصنیف ۱۸۰۱ء ہے۔یہ مصنف کی چار برس کی محنت کا نتیجہ ہے۔تذکرہ میں ایک ہزار شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔اس تذکرے میں بہت سے ایسے شعرا محفوظ ہو گئے ہیں جن کا ذکر کسی اور تذکرے میں نہیں ملتا۔

مجموعہ الانتخاب(۱۸۰۴ء) کے مؤلف شاہ کمال ہیں اور سال تصنیف ۱۸۰۴ء ہے۔یہ تذکرہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔اس تذکرے کے بارے میں مصنف نے خود لکھا ہے کہ یہ تذکرہ انھوں نےنکات الشعرا،مخزن نکات،تذکرہ ہندی کی مدد سے مرتب کیا ہے۔اس مجموعے میں ۲۲۶ شعرا مذکور ہیں جن میں ۱۷۰ وہ ہیں جو میر ، قائم اور مصحفی کے تذکرے میں موجود ہیں۔ صرف ۵۶ شعرا کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔ حُروف تہجی کی ترتیب سے یہ تذکرہ ترتیب دیا گیا ہے۔ شعرا کے حالات مختصر اور انتخاب کلام طویل ہے۔ جس میں غزل کے اشعار کے علاوہ ہجو، مثنوی، مخمس، قصیدہ کو نمونۂ کلام کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

ریاض الفصحا(۱۸۰۶ء)غلام ہمدانی مصحفی کا تالیف کردہ ہے۔اس کا سال تالیف ۱۸۰۶ء ہے۔یہ مصحفی کا دوسرا تذکرہ ہے۔اس میں مصحفی نے ان شعرا کو شامل کیا ہے۔ جو پہلے تذکرے میں رہ گئے تھے۔اس میں تقریباً ۳۲۳ شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔اس تذکرے سے مصحفی کی اپنی شخصیت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

مجموعہ نغز (۱۸۰۶ء)میر قدرت اللہ قاسم کا تالیف کردہ ہے۔سال تکمیل ۱۸۰۶ء ہے۔یہ قدیم تذکروں کی نسبت سب سے زیادہ ضخیم ہے۔اس میں سات سو کے قریب شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔اگرچہ حالات زند گی مختصر ہیں لیکن کلام کے نمونے زیادہ طویل ہیں۔اس میں قدیم دکنی شعرا سے لے کر شاہ عالم ثانی کے عہد تک شعرا موجود ہیں۔

طبقات سخن(۱۸۰۷ء) کے مؤلف مبتلا میر ٹھی ہیں۔[۵۳]طبقات سخن میں اس کا سن تالیف 1815 بتایا گیا ہے۔اس تذکرے کی زبان فارسی ہے اور اس میں دو سو شعرا کا ذکر ملتا ہے۔ابتدائی نثر کے کچھ نمونے اس تذکرے کی اہمیت وافادیت میں اضافہ کرتے ہیں۔نگار میں اس کا سال تالیف ۱۸۰۷ء قرار دیا گیا ہے [۵۴]۔اصل نسخے میں اس کا سال تصنیف ۱۸۰۷ء ہے۔

ریاض الوفاق(۱۸۱۵ء) کے مصنف ذوالفقار علی مست ہیں۔ یہ اردو اور فارسی شعرا کا ایک مختصر تذکرہ ہے۔ یہ ۱۸۱۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس تذکرے میں صرف بنارس اور کلکتہ کے شعرا شامل ہیں۔

تذکرہ آزردہ(۱۸۱۸ء) کے مؤلف صدر الدین آزردہ ہیں۔ یہ تذکرہ نامکمل ہے۔ اسے مرتب کر کے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا گیا۔ تذکرے میں سال تالیف کی نشان دہی تو نہیں کی گئی البتہ تذکرے کے مرتب نے بعض متنی شواہد کی بنیاد پر یہ استدلال کیا ہے کہ یہ تذکرہ ۱۲۲۹ھ تا ۱۲۳۲ھ کے درمیان مکمل ہوا۔ اس تذکرہ میں ۱۰۶ شعرا کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا گیا ہے۔

شوکت نادری(۱۸۳۱ء) کے مصنف مرزا کلب حسین خان بہادر ہیں۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۳۱ء ہے۔ اس تذکرے میں آلہ آباد کے چند شاعروں کا ذکر شامل ہے۔ تذکرے کو سات فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں شعرا کی تعداد ۷۳ ہے۔ یہ اردو اور فارسی کا ملا جلا تذکرہ ہے۔

گلشن بے خار (۱۸۳۴ء) مصطفی خان شیفتہ کا تذکرہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس تذکرے میں اردو زبان کے آغاز سے لے کر معاصر شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں مصف نے یہ تخصیص کی ہے کہ اس تذکرے میں صرف اہم اور ممتاز شعرا کو جگہ دی ہے۔ تذکرے میں شعرا کے کلام پر ناقدانہ نگاہ بھی ڈالی گئی ہے۔ بعد میں اس تذکرے کا اردو میں بھی ترجمہ شائع ہوا۔

دستور الفصاحت(۱۸۳۴ء) حکیم سید علی خان عطا کی تصنیف ہے۔ سال تصنیف ۱۸۳۴ء ہے۔ اس کتاب کو دستور الفصاحت کے علاوہ ایک علمی و ادبی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ مقدمے کے علاوہ اسے پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ اردو کی پیدائش، ارتقا اور اردو کے مراکز کو زیر بحث لاتا ہے۔ کتاب کے ابواب میں اردو صرف نحو، علم عروقافیہ اور علم بیان جیسے علمی اور فنی مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاتمہ میں شعرا کے حالات اور ان کے کلام کو جمع کیا گیا ہے۔

تذکرہ بے جگر (۱۸۳۶ء) کے مؤلف خیراتی لعل جگر ہیں۔ یہ تذکرہ عہد اکبر ثانی میں لکھا گیا چوں کہ اکبر ثانی کا عہد حکومت ۱۸۰۶ تا ۱۸۳۶ء ہے اس لیے تذکرے سال تصنیف کے بارے میں محققین قیاس کرتے ہیں کہ یہ تذکرہ ۱۸۰۶ تا ۱۸۳۶ کی درمیانی مدت میں عہد اکبر ثانی میں تالیف ہوا۔ اس میں قدما سے لے کر معاصرین تک کا ذکر شامل ہے۔ مختصر حالات زندگی کے بعد نمونہ کلام کا انتخاب دیا گیا ہے۔

تذکرۃ الشعرا (۱۸۳۶ء) کے مؤلف ابن امین طوفان کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے کے سال تصنیف کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ قاضی صاحب نے بعض داخلی شواہد کی بنیاد پر یہ قیاس کیا ہے کہ یہ

تذکرہ ۱۸۳۲ءاور ۱۸۳۶ء کے درمیان مکمل ہوا۔ یہ تذکرہ قاضی صاحب نے ۱۹۵۴ء میں تذکرۃ الشعرا کے نام سے شائع کیا۔اس تذکرے میں ۴۱ شعرا کے حالات اور انتخاب کلام کے نمونے درج ہیں۔

مدائح الشعرا (۱۸۴۴ء) عنایت حسین خان مہجور کا تذکرہ ہے۔ یہ ۱۸۴۴ء میں تصنیف ہوا۔اس میں ۷۹ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ حالات زندگی بہت مختصر ہیں اور نمونۂ کلام میں مخمس، مسدس، مربع یا مثلث کی شکل میں درج کیا گیا ہے۔

تذکرہ بہار بےخزاں (۱۸۴۵ء) کے مصنف احمد حسین سحر ہیں ۔یہ ۱۸۴۵ء میں تالیف ہوا۔ یہ برصغیر کے ریختہ گو شعرا کا تذکرہ ہے۔تذکرے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے پسندیدہ یا منتخب شعرا کو شامل کیا ہے۔ بہ لحاظ حروف تہجی ۸۵ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ شعرا کے حالات اور انتخاب کلام میں اعتدال و توازن ہے۔

گلشن ہمیشہ بہار (۱۸۵۴ء) مولوی عبد العلیم نصر اللہ خان خویشگی کا تالیف کردہ ہے۔ سال تصنیف ۱۸۵۴ء ہے۔اس تذکرے میں ابتدا سے لے کر ۱۸۵۳ء تک کے شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ سوانحی اعتبار سے یہ مختصر تذکرہ ہے البتہ انتخاب کلام کے نمونے طویل ہیں۔اس میں تنقیدی عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔ شعرا کی تعداد چار سو بیس ہے۔

نسخہ دلکشا (۱۸۵۷ء) کے مصنف جنم جی مترا ہیں۔۱۲۶۸ھ اور ۱۲۷۰ کے درمیان لکھا گیا یہ تذکرہ ۱۸۵۷ء میں مکمل ہوا۔اس تذکرے ۶۷۷ شعرا اور ۲۳ شاعرات کے حالات کا اندراج کیا گیا ہے۔اس تذکرے میں ۲۸۰ شعرا کے حالات چھپ سکے اور بقیہ حصے کا ذکر دتاسی کی تاریخ ادبیات ہندوستانی میں ملتا ہے۔

تذکرہ شعرائے رام پور (۱۸۷۳ء) کے مصنف جارج فانتوم ہیں۔ سال تصنیف ۱۸۷۳ء ہے۔ یہ تذکرہ کلب علی خان کی فرمائش پر تصنیف ہوا۔اس تذکرے میں رام پور کے شعرا کا ذکر بہ لحاظ حروف تہجی ردیف وار کیا گیا ہے۔اس میں شعرا کی تعداد ۶۳ کے قریب ہے۔

عروس الاذکار (۱۸۷۵ء) نقش حیدر آبادی کا تذکرہ ہے۔اس تذکرے کے مصنف کا اصل نام نصیر الدین احمد اور تاریخی نام برکات الحق نصیر الدین احمد ہے۔ ۱۸۷۵ء میں فارسی زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ اپنی نوعیت، مواد اور ترتیب کے لحاظ سے دوسرے تذکروں سے مختلف نہیں ہے۔اس میں ۳۱۰ شعرا کا ذکر شامل ہے۔ زیادہ تر شعرا کا تعلق حیدر آباد سے ہے۔اس تذکرے میں زیادہ تر وہ شعرا شامل ہیں، جن کے ساتھ مصنف کے ذاتی مراسم تھے۔ [۵۵]

نگارستان سخن (۱۸۷۸ء) مؤلفہ نورالحسن خان کے نام سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ بھی فارسی شعرا سے متعلق ہے لیکن اس تذکرے میں بھی ایسے شعرا موجود ہیں جو دو زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔اس میں ۶۹۱ شعرائے

متقدمین و معاصرین کے حالات مندرج ہیں۔اسی طرح صبح گلشن(۱۸۷۸ء) مؤلفہ سید علی حسن خان کے نگارستان سخن کا تتمہ ہے[۵۶]۔

طور کلیم(۱۸۸۰ء)سید نورالحسن بن نواب صدیق کا تالیف کردہ ہے۔سال تصنیف ۱۸۸۰ء ہے۔تذکرہ فارسی زبان میں ہے[۵۷]۔مصنف نے اسے دو حصوں فروغ اول اور فروغ دوم میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے میں اردو شعرا اور دوسرے حصے میں ہندی شاعروں کا ذکر ہے۔اس تذکرے میں ۲۱۱ شعرا کا ذکر ہے۔اگرچہ حالات زندگی مختصر ہیں لیکن انتخاب کلام موزوں ہے۔

مخزن شعرا(۱۸۸۰ء)نورالدین خان فائق کا تذکرہ ہے۔۱۸۸۰ء میں تکمیل کو پہنچا۔اس تذکرے میں ۱۰۸ شاعروں کا ذکر آیا ہے۔جو گجرات سے تعلق رکھتے ہیں[۵۸]۔یہ تذکرہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔

بزم سخن(۱۸۸۰ء)سید علی حسن خان کی تصنیف ہے۔جو ۱۸۸۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔مصف نے اسے چودہ سال کی عمر میں تصنیف کیا۔تذکرے میں ۴۳۰ کے قریب شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔اس میں قدما سے لے کر معاصرین تک کے شعرا شامل ہیں۔سوانح اور انتخاب کلام دونوں اعتبار سے یہ مختصر تذکرہ ہے۔

غنچۂ ارم(۱۸۸۵ء) نجف رام پوری کا تالیف کردہ تذکرہ ہے۔غالباً ۱۸۸۵ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس میں بنگال کے ۸۷ شعرائے ریختہ کے حالات اور ان کا نمونۂ کلام شامل ہے۔تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ عبدالغفور نساخ کے تذکرے سخن شعرا کے جواب میں ترتیب دیا گیا ہے۔کیوں کہ نساخ نے اس میں بنگال کے کچھ شعرا کو نظرانداز کر دیا تھا۔

شعرائے اردو کے تذکرے بہ زبان انگریزی و فرانسیسی:

تاریخ ادب ہندوستانی(۱۸۳۹ء)مشہور مستشرق گارساں دتاسی کی تصینف ہے یہ تصنیف انھوں نے فرانسیسی زبان میں لکھی۔بعد میں اس کا اردو ترجمہ ہوا۔یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ان تینوں جلدوں میں تقریباً تین ہزار شعرا و مصنفین ہیں۔کتاب کے آغاز میں اردو رسم الخط،اس کی ابتدا،ساخت،مزاج اور علم بیان و بدیع پر نہایت وقیع اور پر معنی بحث ملتی ہے۔مسعود سعد سلیمان کے عہد سے لے کر غالب کے عہد تک آٹھ سو سالہ ادبی رفتار کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔یہ تذکرہ اس لحاظ سے خصوصیت کا حامل ہے کہ اس میں بے شمار ہندوستانی تصنیفات،اخبارات،رسائل،کلیات،دواوین اور تراجم کا پتہ چلتا ہے۔یہ اردو کو ہندوستان سے باہر متعارف کروانے کی اولین کڑی بھی ہے۔

یادگار شعرا (۱۸۵۴) ڈاکٹر اسپرنگر کی تصنیف ہے جو ۱۸۵۴ء میں بہ زبان انگریزی میں شائع ہوئی۔ بعد میں اس کا یادگار شعرا کے نام سے اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے باب میں شعرا کے تذکروں اور شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں تقریباً ۱۵۰۰ سے زائد شعرا کا ذکر آیا لیکن حالات بہت مختصر ہیں۔

اردو زبان میں لکھے گئے شعرا کے تذکرے:

اردو زبان میں تذکرہ نگاری کا سلسلہ مطابق فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اردو شعرا کے تذکرے بہ زبان فارسی لکھے گئے جن میں شعرا کے حالات و واقعات کا ذکر فارسی زبان میں ہوتا تھا اور نمونۂ کلام کا اندراج اردو میں ہوتا تھا۔ فورٹ ولیم کالج جو دو تذکرے اردو زبان میں لکھے گئے ان دونوں کا نام گلشن ہند ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ حیدر بخش حیدری کے تذکرے گلشن ہند کو خود ان کی تالیف قرار دیا جاتا ہے جبکہ مرزا علی لطف کا گلشن ہند کو علی ابراہیم خان خلیل کے تذکرے گلزار ابراہیم کا ترجمہ بتایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مرزا علی لطف نے اس ترجمے میں اتنے اضافے کیے جس کی بدولت اس میں تالیف کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان دونوں تذکروں کے بعد اردو زبان میں تذکرہ لکھنے کا رواج عام ہو گیا۔ ذیل میں اردو میں لکھے جانے والے ان تذکروں کا اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کیا جائے گا:

گلشن ہند (۱۸۰۱ء) مرزا علی لطف کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۰۱ء فورٹ ولیم کالج میں لکھا گیا۔ اس میں ۶۹ کے قریب شعرا شامل ہیں۔ اس تذکرے کو علی ابراہیم کے فارسی تذکرے گلزار ابراہیم کا اردو ترجمہ بتایا جاتا ہے لیکن اسے صرف ترجمہ ہی خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس میں مصنف نے اخذ و استفادے سے شعرا کی سوانح، انتخاب کلام، شعر و ادب اور تاریخ کے لحاظ سے مزید ایسی معلومات کا اضافہ کیا ہے جو کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں ہیں۔

گلشن ہند (۱۸۰۲ء) حیدر بخش حیدری کا تذکرہ ہے۔ یہ فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی ایما پر لکھا گیا۔ اس تذکرے کو حیدری کی ایک اردو تصنیف گلدستہ حیدری کا ایک جز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس تذکرے میں تقریباً دو سو اٹھانوے شعرا کا ذکر بہ لحاظ حروف تہجی کیا گیا ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۰۲ء ہے۔ یہ تذکرہ اس وجہ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں اردو شعرا کا ذکر اردو زبان میں کیا گیا ہے [۵۹]۔

دیوان جہاں (۱۸۱۲ء) بنی نرائن جہاں کا تذکرہ ہے۔ جو ٹامس روبک کے ایما پر لکھا گیا ہے۔ اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے بارے میں محققین میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ محققین اسے ۱۸۱۲ء اور کچھ ۱۸۱۴ء کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ خودنگار کی فہرست میں ۱۸۰۷ء سنہ درج ہے۔ آگے تفصیلات میں اس کا سنہ ۱۸۱۲ء درج کیا ہے [۶۰]۔ اس تذکرے کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ نہیں ہے بلکہ اشعار کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ شعرا کے حالات زندگی

مختصر ہیں لیکن اشعار کا انتخاب بڑی محنت سے تلاش کر کے درج کیا گیا ہے۔اس میں بہت سے ایسے شعرا کا کلام مل جاتا ہے جن کا کلام کم یاب ہے۔تذکرے میں ۱۲۳ شعرا کی فہرست ملتی ہے"[۶۱]۔

انتخاب دواوین(۱۸۴۴ء)امام بخش صہبائی کا تذکرہ ہے۔اس تصنیف میں اردو کے ممتاز شعرا کا انتخاب کلام درج ہے۔اس میں شعرا کی تعداد تیرہ ہے۔اگرچہ حالات زندگی مختصر ہیں لیکن انتخاب کلام طویل اور معیاری ہے نیز جس صنف میں شاعر اہمیت رکھتا ہے ،اس کا انتخاب دیا ہے۔اس کے علاوہ اس کے دیباچے میں صہبائی نے شعر،وزن، قافیہ،استعارہ اور اصناف سخن پر علمی بحث کی ہے۔یہ وہ امور تھے۔جن پر اس سے پہلے کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔

گلدستہ نازنیناں(۱۸۴۵ء) منشی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے۔اس تذکرے میں ۲۸ شعرا اور دس شاعرات شامل ہیں۔ یہ تذکرہ کریم الدین نے صہبائی کے تذکرے انتخاب دواوین کی تقلید کرتے ہوئے لکھا ہے۔اگرچہ حالات زندگی مختصر ہیں لیکن انتخاب کلام میں غزل کے اشعار کے بجائے قصائد، مثنویات اور رباعیات کو شامل کیا گیا ہے۔

گلستان بےخزاں (۱۸۴۵ء) حکیم میر قطب الدین باطن کا تالیف کردہ ہے۔یہ شیفتہ کے گلشن بے خار کے جواب میں لکھا گیا۔شیفتہ نے باطن کے استاد پر تنقید کی تھی جس کی وجہ سے اس تذکرے میں باطن نے شیفتہ کے احباب،استاد اور مدوحین کو جی بھر کر گالیاں دی ہیں۔اس تذکرے میں ۸۳۵ کے قریب شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔

خوش معرکہ زیبا(۱۸۴۶ء)سعادت خان ناصر کی تالیف ہے۔یہ ۱۸۴۶ء میں تالیف ہوا ہے اور اردو میں ریختہ گو شعرا کا سب سے زیادہ ضخیم تذکرہ ہے۔اس تذکرے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کا ذکر بہ لحاظ حروف تہجی یا ابجدی حروف نہیں آیا بلکہ اس میں شاعر کے ساتھ اس کے شاگروں کا ذکر بھی ضرور ملتا ہے۔سوانح اور کلام دونوں کے اعتبار سے یہ باقی تذکروں کی نسبت زیادہ طویل ہے۔سوانح اور انتخاب کلام میں سعادت خان ناصر نے زیادہ تحقیق سے کام لیا ہے اور کلیتاً تذکروں پر بھروسا نہیں کیا۔اس میں شعرا کی تعداد ۲۰۷ ہے اور گیارہ شاعرات کو بھی اس تذکرے میں جگہ دی گئی ہے۔

طبقات الشعرا(۱۸۷۴ء) کے مصنف کریم الدین وفیلن ہیں۔یہ تذکرہ انھوں نے ۱۸۴۷ء میں ترتیب دیا۔اس تذکرے کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ انھوں نے گارساں دتاسی کی تاریخ ادب ہندوستانی کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا ہے۔اس تذکرے میں اردو زبان کی پیدائش وقدامت،رسم الخط،تذکرہ اور تاریخ نگاری جو بحث ملتی ہے وہ دتاسی کے مقدمے سے اخذ کی گئی ہے۔اس تذکرے میں شعرا کو چار طبقوں میں تقسیم کیا

گیا ہے۔ تذکرے میں شعرا کی تعداد ایک ہزار چار ہے۔ یہ تذکرہ اپنے عہد کی سیاسی و معاشرتی صورت حال کا آئینہ دار ہے اور اس میں شعرا اور مصنفین کے متعلق مثبت تنقیدی آرا بھی ملتی ہیں۔

سراپا سخن (۱۸۵۳ء) محسن علی کا تذکرہ ہے۔ جس کا سال تصنیف ۱۸۵۳ء ہے۔ اس میں شعرا کی تعداد ۶۳۳ ہے۔ ترتیب اور انتخاب کلام کے اعتبار سے مصنف نے اسے ترتیب دینے میں عجیب و غریب انداز اختیار کیا ہے۔ مصنف نے اس میں شعرا کے اعضائے جسمانی کی ردیفوں میں غزلیں جمع کی ہیں اور واقعی اس میں ان کو بڑی محنت کرنا پڑی۔ اردو اور فارسی تذکروں میں اس جیسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ موضوع کے اعتبار سے یہ دنیائے ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔

گلستان سخن (۱۸۵۵ء) مرزا قادر بخش خان صابر کا تذکرہ ہے۔ جو ۱۸۵۵ء میں منظر عام پر آیا۔ تذکرے میں ۵۴۷ شعرا اور ان کے نمونۂ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔ مقدمے میں صابر نے زبان کی ابتدا، اردو زبان کی تحقیق، حد شعر، موجدین، اشعار، عروض قافیہ اور اقسام نظم پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ اس تذکرے میں ان شعرا کو جگہ دی گئی ہے جو اس وقت زندہ تھے۔ ان کے حالات زندگی مختصر اور انتخاب کلام کے نمونے طویل ہیں۔ یہ معاصر شعرا کے بارے میں معلومات کا ایک اہم منبع ہے۔

تصویر شعرا (۱۸۶۱ء) کے مؤلف مفتی اکرام اللہ صدیقی ہیں۔ اس تذکرے کی بنیاد ایک مشاعرہ ہے۔ مولف تذکرہ نے ایک مشاعرے میں شریک ہونے والے تمام شعرا کے حالات اور ان کے کلام کو جمع کر کے ۱۸۶۱ء میں اس کو تالیف کیا جو بعد میں تصویر شعرا کے نام سے منظر عام پر آیا۔

سخن شعرا (۱۸۶۴ء) عبدالغفور نساخ کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۶۴ء میں تکمیل کو پہنچا۔ سخن شعرا اس کا تاریخی نام ہے۔ اس تذکرے میں ۲۴۰۰ کے قریب شعرا اور ۳۸ شاعرات کے حالات زندگی اور ان کے انتخاب کلام کے نمونے دیے گئے ہیں۔ یہ قدما سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک کے شعرا کا احاطہ کرتا ہے۔ سوانح اور کلام کے اعتبار سے اس میں غیر معمولی اختصار پایا جاتا ہے۔

تذکرہ نادر (۱۸۶۹ء) مرزا کلب حسین خان کا یہ دوسرا تذکرہ ہے۔ اس کا تاریخی نام دیوان غریب ہے، اس سے اس کا سال تصنیف ۱۸۶۹ء نکلتا ہے۔ اس تذکرے میں دہلی، لکھنؤ، حیدر آباد، رام پور، آگرہ، اٹاوہ، بنارس، اور بلگرام کے شعرا اور شاعرات کے علاوہ ان کے دوستوں اور شاگردوں کے حالات مع نمونۂ کلام ملتے ہیں۔ اس تذکرے کو مسعود حسین رضوی ادیب نے تلخیص و مرتب کر کے اس کا نام تذکرہ نادر رکھا۔

خزینۃالعلوم فی متعلقات المنظوم (۱۸۷۱ء) درگاہ پرشاد نادر کا تذکرہ ہے۔ نادر نے یہ تذکرہ ۱۸۷۱ء میں ترتیب دیا۔ اس تذکرے میں ۲۵۹ شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ انھوں نے نور الدین فائق کے

تذکرے مخزن شعرا کو دیکھ کر ترتیب دیا ہے۔ البتہ اس میں مصنف نے مزید چھان بین کر کے شعرا کی تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ مصنف نے اس تذکرے میں شعر و فن سے متعلق مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور تذکرے کو چھ کلیدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فرخ بخش (۱۸۷۱ء) یار محمد خان شوکت کا تذکرہ ہے یہ تذکرہ ۱۸۷۱ء میں تکمیل کو پہنچا۔ یہ تذکرہ صرف بھوپال سے تعلق رکھنے والے شعرا کا ہے اس میں اردو اور فارسی دونوں شعرا کا ذکر ہے۔ اس میں کل پچیس کے قریب شعرا موجود ہیں۔ تنقیدی اور سوانحی اعتبار سے یہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ تذکرے کو چار گلشنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

شمیم سخن (۱۸۷۲ء) عبدالحیی صفا بدایونی کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ سال تصنیف ۱۸۷۲ء ہے۔ حصہ اول میں شعرا کی تعداد ۵۹۸ ہے اور حصہ دوم شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مختلف عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن میں زبان اردو کی مختصر تاریخ اور اردو نظم پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ شعرا کے حالات مختصر ہیں لیکن مصنف نے تاریخ وفات اور پیدائش کے اندرج میں احتیاط سے کام لیا ہے، جس کی وجہ سے یہ تذکرہ تاریخ ادب اردو کے لیے ایک ایسی معلومات فراہم کرتا ہے جو اس سے پہلے کسی تذکرے میں موجود نہیں ہیں۔

انتخاب یادگار (۱۸۷۳ء) امیر مینائی کا تالیف کردہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۷۳ء ہے۔ یہ تذکرہ شعرائے رام پور سے متعلق ہے۔ تذکرے کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقہ اول میں والیان ریاست کا ذکر ہے اور طبقہ ثانی میں خاندان عالیشان کے صاحبزادے شامل ہیں۔ ۴۱۰ شعرا پر مشتمل اس تذکرے میں چار زبانوں عربی، فارسی، بھاشا اور اردو کے شعرا شامل ہیں۔ ترتیب و تدوینی خصوصیات کے لحاظ سے یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ حالات زندگی بھی معتبر ہیں اور انتخاب کلام میں مختلف اصناف کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

نگارستان بشیر (۱۸۷۷) کے مؤلف شاہ بہاو الدین بشیر دہلوی ہیں۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۷۷ء ہے۔ یہ تذکرہ درگاہ پرشاد نادر کی فرمائش پر لکھا گیا۔ اگرچہ نگارستان بشیر میں شعرا کے حالات اور کلام کے نمونے مختصر ہیں لیکن شعرا سے متعلق بعض قیمتی معلومات مل جاتی ہیں۔

ارمغان گوگل پرشاد (۱۸۷۸ء) کے مصنف گوکل پرشاد ہیں۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۷۸ء ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس تذکرے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فتح پور اور اس کے قرب و جوار کے بہت سے اضلاع کے ایسے شاعروں کا ذکر اور نمونۂ کلام مل جاتا ہے۔ جن کا ذکر کسی اور تذکرے میں دست یاب نہیں ہے۔

تذکرہ شعرائے لکھنؤ کے مصنف عبدالغفور نساخ ہیں۔ نساخ کے اردو شعرا کے دو تذکرے منظر عام پر آچکے تھے۔ ان کے اس تیسرے تذکرے کا کہیں ذکر شامل نہیں تھا۔ یہ تذکرہ غیر مطبوعہ تھا جسے آکسفورڈ یونی ورسٹی کی بوڈلئن لائبریری سے ڈاکٹر نجیبہ عارف نے ۲۰۱۳ء میں دریافت کر کے پہلی دفعہ تحقیقی مجلے بنیاد۔ جلد ۹ (۲۰۱۸ء)

میں اس تذکرے کا تعارف پیش کر کے اسے اردو دنیا سے متعارف کروایا۔ یہ تذکرہ ابھی کتابی صورت میں تو شائع نہیں ہوا ہے لیکن اس تذکرے کے کئی ابواب تحقیق و تدوین کے بعد تحقیقی مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

مخطوطے میں نہ ہی تذکرے کا کوئی نام موجود تھا اور نہ ہی اس کے مصنف کا نام درج تھا۔ محقق نے متنی شواہد کی بنیاد پر اس تذکرے کا نام تذکرہ شعراے لکھنو تجویز کیا ہے اور متن بہت سی ایسی ٹھوس ثبوت موجود تھے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ عبدالغفور نساخ کا تالیف کردہ ہے۔ تذکرے کے شروع میں چار صفحات پر مشتمل فہرست مضامین ہے۔ یہ فہرست کل بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں ۹۱ شعرا شامل ہیں۔ یہ تذکرہ صرف لکھنؤ کے شعرا تک محدود ہے۔ اس تذکرے کو نہ زمانی اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے اور نہ حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے بلکہ اس میں استاد اور شاگردوں کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔

تذکرہ بشیر (۱۸۸۰ء) کے مصنف کا نام بہاء الدین بشیر ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۷۴ء تا ۱۸۸۰ء ہے۔ اس تذکرے میں بشیر نے شعرا کے تراجم بہ لحاظ حروف تہجی ردیف وار درج کیے ہیں۔ اس تذکرے کو مرتب کرنے میں سیکڑوں قسم کے ماخذات کا استعمال کیا گیا ہے۔

آب حیات (۱۸۸۰ء) مولانا محمد حسین آزاد کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۸۰ء میں مکمل ہوا۔ آب حیات میں کل ۷۶ شعرا کا ذکر شامل ہے۔ ان شعرا کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع میں نظم اردو کے ساتھ زبان اردو کی بھی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اپنے اسلوب اور انشاپردازی کی وجہ سے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ آب حیات کو اردو تاریخ نویسی اور اردو تنقید کا نقش اول قرار دیا جاتا ہے۔ تذکروں میں جو شرف قبولیت آب حیات کے حصے میں آیا وہ کسی دوسرے تذکرے کو نصیب نہیں ہوا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول اردو تذکرہ نگاری کا آغاز اٹھارھویں صدی کے وسط سے ہوتا ہے اور تذکرہ نگاری کا یہ سفر آب حیات تک برابر جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد حقیقتاً تذکرہ نگاری کا دور اختتام پذیر ہوتا ہے اور اس کی جگہ مغرب کے زیر اثر تنقید، تاریخ اور سوانح نگاری لے لیتی ہے۔ آب حیات کا طرز روش بھی قدیم تذکروں سے ہٹ کر ہے۔ اس میں زبان کی تاریخ، لسانی مسائل، مختلف ادوار کی خصوصیات اور شعرا کی شخصیت و کلام پر رائے زنی کا وہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جو تاریخ اور سوانح کا خاصا ہونا چاہیے۔ اردو کا یہ اہم تذکرہ ادبی افق پر ہونے والی تبدیلیوں کا عکاس قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس تذکرے کے منظر عام پر آنے کے بعد تذکرہ نگاری میں تاریخ نویسی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس تذکرے نے اپنے بعد کی تذکرہ نگاری پر اثرات مرتب کیے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صرف آب حیات کے سال تصنیف ۱۸۸۰ء تک اردو تذکرہ نگاری کا اصل دور قرار دیتے ہیں۔[۱۲] اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ آب حیات کے بعد بھی تذکرے کے طرز پر متعدد کتابیں معرض وجود آئیں۔ مثلاً

۱۔ یادگار ضغیم مؤلفہ عبدالرحمن خان، س،ن۔
۲۔ تذکرہ آثار الشعرائے ہنود مؤلفہ دیبی پرشاد، ۱۸۸۵ء۔
۳۔ تذکرہ جلوہ خضر از صغیر بلگرامی، ۱۸۸۵ء۔
۴۔ ضمیمہ حدیقہ راجھستان (یعنی تذکرہ بزم خلیل) مؤلفہ حکیم سید محمد علی اصغر آبرو، ۱۸۸۵ء۔
۵۔ تذکرہ آثار الشعرا مرتبہ سید ممتاز علی، ۱۸۹۰ء۔
۶۔ مرقع سخن مرتبہ منشی طاہر علی، ۱۹۰۶ء۔
۷۔ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خم خانہ جاوید از لالہ سری رام، ۱۹۰۸ء۔
۸۔ تذکرۃ الشعرا مؤلفہ حسرت موہانی، ۱۹۱۱ء۔
۹۔ محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن مؤلفہ ابوتراب محمد عبدالجبار ملکاپوری، ۱۹۱۱ء۔
۱۰۔ فکر بلیغ (تذکرہ مرثیہ نگاران اردو) مؤلفہ شاد عظیم، ۱۹۱۴ء۔
۱۱۔ گل رعنا از حکیم سید عبدالحیی، ۱۹۲۱ء۔
۱۲۔ تذکرہ کاملان رام پور مؤلفہ حافظ احمد علی خان، ۱۹۲۹ء۔
۱۳۔ ارباب سخن مؤلفہ حسرت موہانی، ۱۹۲۹ء۔
۱۴۔ تذکرہ خندہ گل مؤلفہ عبدالباری آسی، ۱۹۲۹ء۔
۱۵۔ بہار سخن مؤلفہ بابو شیام سندلال برق، ۱۸۳۲ء۔
۱۶۔ مرقع سخن مرتبہ سید محی الدین قاری زور، ۱۹۳۵ء۔
۱۷۔ بہترین تذکرہ، ۱۹۳۶ء۔
۱۸۔ سخنوران دکن از تسکین عابدی، ۱۹۳۸ء۔
۱۹۔ یورپین و انڈو یورپین شعرائے اردو مرتبہ خواجہ یوسف الدین، ۱۹۴۳ء۔
۲۰۔ میخانہ تغزل مؤلفہ سید حسین شاہ، ۱۹۵۴ء۔
۲۱۔ تذکرہ شعرائے جے پور مؤلفہ احترام الدین شاغل ۱۹۵۵۔
۲۲۔ سخنوران شاہجہاں پور از مبارک شمیم، ۱۹۵۵ء۔
۲۳۔ مرقع شعرا مرتبہ رام بابو سکسینہ، ۱۹۵۶ء۔
۲۴۔ ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا مؤلفہ امداد صابری، ۱۹۵۹ء۔
۲۵۔ شہر غزل، ۱۹۵۹ء۔

۲۶۔ خزانہ سخن مؤلفہ اثر عثمانی۔

۲۷۔ آب خضر مؤلفہ کرامت علی کرامت، ۱۹۶۳ء۔

۲۸۔ تذکرہ بہار سخن از محمد یکتا شرف جودھ پوری، ۱۹۶۳ء۔

۲۹۔ تذکرہ شعرا بزبان شاد عظیم آبادی مرتبہ سید عطاء الرحمان عطا کاکوروی، ۱۹۶۵ء۔

۳۰۔ راجستھان کے موجودہ اردو شاعر مؤلفہ پریم شنکر، ۱۹۶۶ء۔

۳۱۔ اردو کے امی شعرا از شاہ عبدالعزیز، ۱۹۶۶ء۔

۳۲۔ دامان باغبان مرتب پریم، حزیں، عارف، س ن۔

۳۳۔ آب بقا از ڈاکٹر امرت لال عشرت، ۱۹۶۸ء۔

۳۴۔ حجاز مقدس کے اردو شعرا از امداد صابری، ۱۹۶۹ء۔

۳۵۔ چند ممتاز شعرا از سید صفی مرتضی، ۱۹۶۹ء۔

۳۶۔ تذکرہ معاصرین از مالک رام، ۱۹۷۲ء۔

۳۷۔ اردو کے ہندو شعرا مرتبہ جگدیش مہتہ درد، ۱۹۷۲ء۔

۳۸۔ گلستان تیموری از یونس خالدی، ۱۹۷۳ء۔

۳۹۔ لکھنو کے چند نامور شعرا از ڈاکٹر سید سلیمان حسین، ۱۹۷۳ء۔

۴۰۔ اترپردیش کے اردو شعرا از حیات وارثی، ۱۹۷۴ء۔

۴۱۔ شیرازہ از مخمور سعیدی۔

۴۲۔ دبستان آتش از شاہ عبدالسلام، ۱۹۷۷ء۔

۴۳۔ قصیدہ نگاران اتر پردیش از سید علی جواد زیدی، ۱۹۷۸ء۔

۴۴۔ شاگردان انیس از سید قمقام جعفری، ۱۹۷۹ء۔

۴۵۔ سخنور تذکرہ شعرائے پاکستان از سلطانہ مہر، ۱۹۷۹ء۔

۴۶۔ بہار کے نظم نگار شعرا از قمر اعظم ہاشمی، ۱۹۷۹ء۔

۴۷۔ آپ از عرفان عباسی۔

۴۸۔ خاندان لوہارو کے شعرا از حمید سلطان احمد، ۱۹۸۱ء۔

۴۹۔ آپ تھے (تذکرہ شعرائے قصبات اودھ) از عرفان عباسی، ۱۹۸۱ء۔

۵۰۔ آپ ہیں (اترپردیش کے موجودہ شعرا) از عرفان عباسی، ۱۹۸۱ء۔

۵۱۔ سخنوران منو از کوثر انصاری، ۱۹۸۱ء۔
۵۲۔ دبستان عظیم آباد از سلطان آزاد، ۱۹۸۲ء۔
۵۳۔ موج گنگ تذکرہ شعرائے ہنود از بدھ پرکاش گپتا، ۱۹۸۳ء۔
۵۴۔ تذکرہ شعرائے ہریانہ از رانا گنوری، ۱۹۸۳ء۔
۵۵۔ اردو کے مسیحی شعرا از ڈی اے ہیریسن، ۱۹۸۳ء۔
۵۶۔ گلدستہ شعرائے پکھلی از محمد خواص خان، ۱۹۸۳ء۔
۵۷۔ انتخاب ریختی از سید محمد نقوی، ۱۹۸۳ء۔
۵۸۔ تذکرہ غیر مسلم شعرائے سیتا پور از وصی سیتاپوری، ۱۹۸۴ء۔
۵۹۔ چند شعرائے اردو تحریر و تصویر کے آئینے میں از اسما رفعت حسین۔
۶۰۔ تذکرہ شعرائے فرخ آباد از شکنتلا موج فتح گڑھی، ۱۹۸۵ء۔
۶۱۔ نغمہ ناقوس تذکرہ شعرائے ہنود از بدھ پرکاش گپتا، ۱۹۸۵ء۔
۶۲۔ تذکرہ شعرائے فرخ آباد از شکنتلا موج، ۱۹۸۵ء۔
۶۳۔ تذکرہ شعرائے قدیم نطہر نگر از حسرت سہروردی، ۱۹۸۵ء۔
۶۴۔ جنگ آزادی کے اردو شعرا از ڈاکٹر محمود الرحمن، ۱۹۸۶ء۔
۶۵۔ دبستان امیر مینائی از عرفان عباسی، ۱۹۸۶ء۔
۶۶۔ تذکرہ نعت گویان بریلی از ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب، ۱۹۸۶ء۔
۶۷۔ غزل نما از ادا جعفری۔
۶۸۔ موجودہ اور نمائندہ شعرائے اجمیر از سید فضل المتین، ۱۹۸۷ء۔
۶۹۔ کاروان ابر، ۱۹۸۸ء۔
۷۰۔ تذکرہ معاصر شعرائے جودھ پور از شین کاف نظام، ۱۹۹۱ء۔
۷۱۔ تذکرہ شعرائے برج پردیش از مقبول عرشی، ۱۹۹۱ء۔
۷۲۔ خاندان میر انیس کے نامور شعرا از ضمیر اختر نقوی، ۱۹۹۴ء۔

یہ فہرست ابھی نا تمام ہے۔ اس فہرست میں اور بھی بہت سی تصنیفات و تالیفات کے اضافے کیے جا سکتے ہیں جو تذکروں کے طرز پر مرتب ہوئیں۔ لیکن فرمان فتح پوری آب حیات تک مرتب ہونے والے تذکروں کو تذکرہ نگاری کا اصل دور قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد تذکرہ نگاری کا دور ختم ہوتا ہے اور اس کی جگہ تاریخ نگاری، سوانح نگاری اور

تنقید نے لے لی ہے۔اس دورانیے میں چند ایک شاعرات کے تذکروں کا سراغ بھی ملتا ہے جو اردو شعرا کے تذکروں کی ایک صدی گزر جانے کے بعد انیسویں صدی کی آخری دہائی میں لکھے گئے۔ اگرچہ اردو شعرا کے ان تذکروں میں چند ایک شاعرات کا ذکر بھی مل جاتا ہے۔ لیکن صاحب سخن شعرا (۱۸۷۴ء) نے سب سے پہلے شاعرات کا مختصر ضمیمہ اپنے تذکرے میں شامل کیا۔سخن شعرا (۱۸۷۴ء)عبدالغفور نساخ کا انیسویں صدی کے آخر میں لکھا جانے والا ضخیم تذکرہ ہے۔اس تذکرے میں تقریباً چوبیس سو سے زائد ریختہ گو شعرا کے حالات اور نمونۂ کلام کا اندراج ملتا ہے۔ یہ تذکرہ پہلی دفعہ نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا۔اس تذکرے کے آخری دس صفحات میں شاعرات کے حالات و کلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں تقریباً تین درجن سے زائد شاعرات کے حالات اور نمونۂ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔تاہم باقاعدہ طور پر شاعرات کی تذکرہ نویسی کا آغاز انیسویں صدی کا آخر سے ہوتا ہے۔

اردو شاعرات کے تذکرے: تعارف و تنقید

زیر نظر تحقیق ۱۸۴۷ء تا ۱۹۴۷ء تک لکھے جانے والے اردو شاعرات کے تذکروں کے مطالعے پر مشتمل ہیں۔اس دورانیے میں کم و بیش بائیس تذکرے معرض وجود میں آئے، جن میں نو تذکرے انیسویں صدی میں تالیف ہوئے اور گیارہ تذکرے بیسویں صدی میں تحریر کیے گئے۔

انیسویں صدی میں جو تذکرے منظر عام پر آئے وہ سب شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ان تذکروں میں کچھ تذکرے اردو زبان میں لکھے گئے ہیں اور کچھ فارسی زبان میں۔ اردو زبان میں لکھے گئے تذکروں میں اذکار خواتین(۱۸۴۷ء)،بہارستان ناز(۱۸۶۴ء)، تذکرۃالنسائے نادری (۱۸۷۶ء)، شمیم سخن (۱۸۸۲ء)، ،نشاط افزا(۱۸۹۸ء)اور ارباب نشاط(س،ن) وغیرہ شامل ہیں۔ان میں موخر الذکر تذکرہ باقاعدہ تذکرہ نہیں ہے بلکہ کسی تذکرے کا ضمیمہ ہے۔ماہ درخشاں (۱۸۸۲ء)، تذکرۃ النساء(۱۸۸۲ء)حدیقہ عشرت(۱۸۹۲ء) فارسی زبان میں لکھے گئے تذکرے ہیں۔ان میں ماہ درخشاں اردو شاعرات کا تذکرہ ہے اور باقی دونوں میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔تذکرۃ النسا نادری میں سب سے زیادہ ۳۴۱ خواتین کا تذکرہ ملتا ہے اور سب سے ضخیم تذکرہ ہے جس کے صفحات کی تعداد تقریباً ۱۷۶ کے قریب ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے سب سے مختصر تذکرہ شمیم سخن ہے،اس کے صفحات کی تعداد ۳۶ ہے۔

بیسویں صدی میں جو تذکرے منظر عام پر آئے،ان میں حور مقصورات (۱۹۰۷ء)چمن لالہ زار(۱۹۱۶ء)، تذکرۃ الخواتین (۱۹۲۷ء)، طوطیان ہند (۱۹۳۶ء غیر مطبوعہ)، شاعرات اردو

(۱۹۴۴ء)شاعرات کا تذکرہ(س،ن) وغیرہ شامل۔ ان تذکروں میں قدیم اور جدید دونوں شاعرات کے حالات اور کلام کو جمع کیا گیا اور تقریباً ۳۷۵ کے قریب شاعرات مذکور ہیں۔ان میں سب سے ضخیم تذکرہ شاعرات اردو ہے جو ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اور اس میں کم و بیش شاعرات کی تعداد ۲۱۹ کے قریب ہے۔اس کے علاوہ باقی شاعرات اور نثر نگار خواتین کے ملے جلے تذکرے ہیں مثلاً مشاہیر نسواں(۱۹۰۲ء)،تذکرہ جمیل (۱۹۲۹ء)،خواتین عہد عثمانی(۱۹۳۶ء)،خیابان نسواں(۱۹۳۸ء)،خواتین دکن(۱۹۴۰ء)حیدر آباد کی نسوانی دنیا(۱۹۴۴ء)وغیرہ۔

محققین کے مطابق شاعرات کے طبع ہونے والے تذکروں میں جس تذکرے کو زمانی اعتبار سے تقدم حاصل ہے وہ فصیح الدین رنج میرٹھی کا تذکرہ بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) ہے اور اردو شاعرات کے طبع ہونے والے تذکروں میں پہلا تذکرہ ہے۔ لیکن اس تذکرے سے پہلے بھی دو تذکروں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں جو بہارستان ناز سے تقریباً سولہ سال پہلے لکھے گئے۔ ان میں سے ایک کریم الدین کا تذکرہ تذکرۃ النساء اور دوسرا محترمہ خدیجۃ النساء کا اذکار خواتین(۱۸۴۷ء) ہے۔ جہاں تک کریم الدین کے تذکرۃ النساء کا تعلق ہے۔اس تذکرے سے متعلق معلومات محدود ہیں اور یہ تعین کرنا بھی مشکل ہے کہ وہ مطبوع ہوا بھی ہے یا نہیں۔تاہم اتنا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔چونکہ اس کا ذکر طبقات الشعرا (۱۸۴۷ء) کے حصہ چہارم میں کیا گیا ہے اور طبقات الشعرا (۱۸۴۷ء) کا سال تصنیف ۱۸۴۷ء ہے اس لیے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ طبقات الشعرا (۱۸۴۷ء) سے پہلے اس تذکرے کی تکمیل ہو چکی تھی۔کیوں کہ کریم الدین نے طبقات الشعرا (۱۸۴۷ء) کے حصہ چہارم میں اس تذکرے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> یہ ایک تذکرہ عورتوں کا میں نے لکھا اس میں یہ التزام میں نے کیا ہے کہ جو عورت نامور کسی فن کی پائی یا آنکہ ملکہ کہلائی یا آنکہ اس نے سلطنت متعلقہ کی عرب میں یا فارس میں یا ہندوستان میں یورپ میں تمام ایشیا کسی جائے یا افریقہ میں ہوئی، میں نے حتی المقدور کوشش نہیں چھوڑی۔اس میں فقط عورتوں کا ہی تذکرہ ہے کسی مرد کا حال نہیں ہے۔اب تک وہ معرض تالیف میں ہے تیار نہیں ہوا، اردو زبان میں لکھا ہے[۱۳]

درج بالا شواہد سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ کریم الدین نے تذکرۃ النساء کے نام سے ایک تذکرہ ترتیب تو دیا ہے لیکن وہ کبھی شائع ہوا ہے یا نہیں، کے بارے میں خاطر خواہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں، جس کی وجہ سے اس تذکرے کا وجود مشتبہ ہے اور دوسرا اس تذکرے کو باقاعدہ شاعرات کے تذکرے کی فہرست میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ مؤلف کے درج بالا بیان سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ صرف شاعرات کا

تذکرہ نہیں تھا بلکہ اس میں شاعرہ و غیر شاعرہ ہر طبقے کی خواتین کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔اس لیے ہم اس تذکرے کو شاعرات کے تذکرے کی فہرست سے خارج از بحث قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک دوسرے تذکرے اذکار خواتین (۱۸۴۷ء) کا تعلق ہے، اس تذکرے کے بارے میں مکمل طور پر جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ موجود ہے۔اس لیے اسے اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔اس تذکرے کا سال تصنیف ۱۸۴۷ء ہے اور اس کی مؤلف بھی ایک خاتون ہیں [۶۴]۔ جمیل احمد بریلوی نے اپنے تذکرے تذکرہ شاعرات اردو (۱۹۴۴ء) میں اس تذکرے اور اس کے مؤلف کے بارے معلومات فراہم کی ہیں۔

ذیل میں ان شاعرات کے تذکروں کا زمانی ترتیب سے تعارف پیش کیا جائے گا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انیسویں صدی میں شاعرات کے کم و بیش کتنے تذکرے لکھے گئے ہیں اور ان کی پیش کش کا انداز کیا ہے؟

اذکار خواتین (۱۸۴۷ء):

اذکار خواتین (۱۸۴۷ء) کو زمانی اعتبار سے شاعرات کے تذکروں میں لکھا جانے والا پہلا تذکرہ قرار دیا جا سکتا۔ کیوں کہ جمیل احمد بریلوی نے اپنے تذکرے کے حواشی میں اس تذکرے کے بارے بہت سی معلو مات سے آگاہ کیا ہے اور تذکرے میں جگہ جگہ اس تذکرے سے اخذ و استفادہ کے بعد حوالے دیے ہیں ۔ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی اپنی کتاب اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ (۱۸۶۸ء) میں اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔تاہم انھوں نے تمام معلومات جمیل احمد بریلوی کے تذکرے سے اخذ کی ہیں۔ جمیل احمد بریلوی نے اپنے تذکرے کے حواشی میں اس تذکرے کے سنہ تالیف، اس کے مؤلف کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ اپنے تذکرے کے حواشی میں اس تذکرے کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تذکرہ شمیم سخن اور تذکرۃ الخواتین میں بیگم کا صرف پہلا، دوسرا اور تیسرا شعر درج ہیں۔ چوتھا شعر اور مقطع ایک قدیم تذکرے میں ملے ہیں جو شکستہ اور کرم خوردہ حالت میں کتب خانہ یاور یہ گوپامئو میں دستیاب ہوا ہے۔ یہ تذکرہ محترمہ خدیجۃ النسا کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا نام اذکار خواتین ہے اور اس کا سنہ تصنیف ۱۲۶۳ھ بمطابق ۱۸۴۷ء ہے۔ یہ چند صفحوں کا ایک مختصر سا تذکرہ ہے جس میں ۳۷ شاعرات کا اجمالی تذکرہ ہے، آخر میں بطور تتمہ خدیجۃ النسا کے صاحبزادے جناب مفتی حسن نے اپنی والدہ ماجدہ کے حالات لکھے ہیں۔ [۶۵]

آگے چل کر اس تذکرے کے بارے میں مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تذکرہ اذکار خواتین نہایت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ حالات دو چار جملوں سے زیادہ نہیں ہیں زیادہ تر شاعر خواتین کے ایک ایک دو شعر پیش کیے گئے ہیں۔ [۶۶]

درج بالا یہ تمام شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ تذکرہ ۱۸۴۷ء میں لکھا گیا ہے اور اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اردو شاعرات کا یہ تذکرہ بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) سے کئی سال پہلے مرتب ہوتا ہے۔ لیکن یہ تذکرہ محققین کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اس کی مؤلف بھی باذوق اور تعلیم یافتہ خاتون تھی اور اس کا تعلق بھی صاحبان علم و تصانیف کے خاندان سے تھا[۶۷]۔ تذکرے کے حواشی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ اردو زبان میں ہے اور اس میں ان شاعرات کے ذکر کو شامل کیا گیا ہے جو اردو میں شعر کہتی ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے تذکرے میں جگہ جگہ شاعرات کی ذیل میں سوانحی معلومات کے علاوہ نمونۂ کلام میں بھی مزید اردو اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

درج بالا تمام باتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ شاعرات کا یہ تذکرہ اردو شاعرات کے مرتب ہونے والے تذکرے بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) سے بہت پہلے ترتیب دیا گیا ہے اور یہ شاعرات کا پہلا تذکرہ ہے۔ اردو شاعرات کے مرتب ہونے والے تذکروں میں کہیں بھی اس تذکرے کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ حتیٰ کہ شاعرات کے پہلے تذکرے بہارستان ناز کا مؤلف بھی اس تذکرے کے وجود سے بے خبر ہے اور اپنے تذکرے کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ''کہ اس سے پہلے شاعرات کا کوئی تذکرہ نہیں ملا، سوائے اس کے کہ چند ایک شعرا کے تذکروں میں شاعرات کا ذکر مل جاتا ہے؛ لیکن شاعرات کا کوئی علاحدہ سے تذکرہ مرتب نہیں ہوا۔ اس لیے طبیعت اس طرف مائل ہوئی کہ شاعرات کے کلام کو یک جا کیا جائے''[۶۸]۔ اردو تذکروں پر کام کرنے والے محققین کا بھی یہ خیال ہے کہ اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) ہے کیوں کہ اس سے پہلے شاعرات کے کسی تذکرے کے شواہد نہیں ملتے۔ فارسی میں اگرچہ شاعرات کے کچھ تذکرے موجود تھے لیکن اردو میں شاعرات کے کسی تذکرے کی نشان دہی نہیں ہوئی تھی۔

بہارستان ناز (۱۸۶۴ء):

شاعرات کے تذکروں کے حوالے رنج میرٹھی کا نام معروف ہے۔ رنج کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ انھوں نے اردو زبان و ادب میں شاعرات کے تذکرے کی ضرورت کو محسوس کیا اور شاعرات کے کلام کو جمع کر کے اس کی تدوین کی اور اسے اردو دنیا سے متعارف کروایا۔

یہ اردو اور فارسی زبان کی شاعرات کا ملا جلا تذکرہ ہے۔ تذکرہ اردو زبان میں ہے۔ یہ پہلی دفعہ جو ۱۸۶۴ء میں بااہتمام محمد وجاہت علی خان کے ہاں میرٹھ سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ مصنف کی زندگی میں تین بار شائع ہوا۔ پہلی بار ۱۸۶۴ء اور آخری اشاعت ۱۸۸۳ء میں عمل میں آئی۔[۶۹] پہلی دونوں اشاعتیں بقول مصنف اغلاط سے

پر تھی، اس لیے تذکرے کو دوبارہ نظر ثانی کر کے چھاپنے کی حتی المقدور سعی کی گئی۔ پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں صفحات کی تعداد اور شاعرات کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ پہلے ایڈیشن میں صفحات کی تعداد ۷۶ تھی اور شاعرات کی تعداد بھی سو سے کم تھی۔ تیسری اور آخری اشاعت میں صفحات کی تعداد ۱۱۴ کر دی گئی اور شاعرات کی تعداد بھی بڑھا کر ۱۷۴ کر دی گئی اور اب یہ تذکرہ ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مجموعی طور پر اس تذکرے میں شاعرات کی تعداد ۱۷۴ ہے۔ آخری اشاعت کی ترتیب بھی موٴلف نے بقلم خود کی تھی۔ آخری اشاعت میں تذکرے کا آغاز حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ''سبب تالیف اول، وجۂ نظر ثانی، حکام کی مہربانی، باعث انطباع مرثیہ ثالث'' جیسے عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور شروع کے چودہ صفحات کے دیباچے میں یہ ساری کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ صفحہ چودہ اور پندرہ میں شاعرات کی فہرست ہے۔ صفحہ ۱۷ سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور حروف تہجی کی ترتیب سے شاعرات کا ذکر آتا ہے۔ تذکرے کی پہلی شاعرہ اختر ہے اور آخری شاعرہ یاسمین پر تذکرے کا متن ختم ہوتا ہے۔ تذکرے میں ۱۷۴ شاعرات کا اندراج کیا گیا ہے جس میں چھیالیس شاعرات فارسی زبان کی ہیں۔ ایک سو پچیس شاعرات اردو زبان کی اور تین شاعرات اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی ہیں۔

اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کے اندراج کے لیے کوئی علیحدہ سے ترتیب نہیں رکھی۔ حروف تہجی کی ترتیب کی مدد سے شاعرات کا اندراج کیا گیا ہے۔ بہارستان ناز میں مصنف نے اس بات کی کوئی تخصیص نہیں کی کہ تذکرے میں کون سی شاعرات کو شامل تذکرہ کیا جائے اور کون سی شاعرات کو شامل نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس تذکرے کے مشمولات میں زیادہ تر شاعرات کا تعلق طوائفوں سے ہے۔ اس تذکرے میں کچھ شریف زادیوں کا ذکر بھی موجود ہے اور بڑے بڑے شریف اور متمدن گھرانوں کی خواتین بھی شامل ہیں جو شعر کہتی تھی۔ شاعرات کے ضمن میں طوائفوں کا ذکر صرف اس تذکرے میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے بعد مرتب ہونے والے تذکرے بھی ان کے ذکر سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس عہد میں طوائفوں کو اہم مقام حاصل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا۔

تذکرے کے شروع میں مصنف تذکرہ کا چودہ صفحات پر مشتمل دیباچہ ہے۔ جس میں مصنف نے علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ہند کی عورتوں کی تعلیمی حالات پر اظہار افسوس کیا ہے۔ انھوں نے نہ صرف عورتوں کی تعلیم پر زور دیا بلکہ تعلیم نسواں کی ضرورت، اہمیت وافادیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تذکرے کے دیباچے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رنج اہل ہند کی توجہ تعلیم نسواں کی جانب مبذول کرانا چاہتے تھے کیونکہ اس دیباچے میں تعلیم نسواں سے متعلق مباحث موجود ہیں۔ ان مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ گویا انھوں

نے نہ صرف ہندوستان میں تعلیم نسواں کی ضرورت پر زور دیا بلکہ ہندوستان میں تعلیم نسواں کا پہلا لائحہ عمل بھی تجویز کیا ہے۔

اس تذکرے سے اس کے زمانۂ تالیف پر روشنی نہیں پڑتی، نہ ہی مصنف نے تذکرے کے دیباچے میں اس کے زمانۂ تالیف کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے کہ یہ تذکرہ انھوں نے کب لکھنا شروع کیا ہے۔ البتہ اس کی اولین اشاعت کو دیکھ اس تذکرے کے مرتب خلیل الرحمان داؤدی نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ ۱۸۶۴ء کے آس پاس تالیف ہوا ہے۔[۶]

دیباچے میں مصنف نے تذکرے کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے اپنے معاشی نامساعد حالات کا شکوہ بھی کیا ہے۔ وہ تذکرے کی وجہ تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مصیبت کے اس دور میں بھی تصنیف وتالیف کا شوق دامن گیر ہوا۔ فکر اور تفکر میں بھی کمال حاصل ہوا تو طبیعت تذکرۃ الشعرا کے لکھنے کی طرف مائل ہوئی۔ اسی زمانے میں مخفی کا کلام بھی ان کی نظروں سے گزرا اور اسے دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ شاعرات کے تذکرے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے بہت سی کتابوں اور تذکروں کا مطالعہ کیا۔ کتابوں اور تذکرے کے مطالعے کے بعد چوں کہ شاعرات کا کوئی تذکرہ ان کی نظروں سے نہیں گزرا تو انھوں نے یہ سوچا کہ شاعرات کا تذکرہ ترتیب دینا چاہیے۔[۱] بعض دوستوں اور احباب کے حد سے زیادہ اصرار پر وہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ شاعرات کے کلام کو تلاش کے بعد یک جا کیا جائے۔ جب انھوں نے مختلف ذرائع سے شاعرات کے کلام کو یکجا کر لیا تو شاعرات کی فہرست حروف تہجی کی ترتیب سے بنائی۔ ترتیب و تالیف کے بعد اس تذکرے کا نام بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) رکھا[۲]۔

یہ تذکرہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس تذکرے میں مصنف نے بہت سی شاعرات کو گم نامی سے بچا لیا اور یہ قدیم شاعرات کے حالات و واقعات اور نمونۂ کلام کے لحاظ سے ایک اہم ماخذ ہے۔ لسانی اعتبار سے یہ تذکرہ اپنے عہد کی عکاسی کرتا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے شاعرات کے بارے میں انھوں نے اپنے تاثرات کا بے باکانہ اظہار کیا ہے' جن سے ان کی اعلیٰ تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ تراجم اور منتخبات کلام دونوں میں توازن ملتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی مصنف نے بعض شاعرات کی ذیل میں ان کے تراجم چٹخارے لے لے کر بیان کیے ہیں۔

تذکرۃ النسائے نادری (۱۸۸۴ء):

یہ تذکرہ پہلے دو حصوں گلشن ناز اور چمن انداز پر مشتمل تھا۔ گلشن ناز اور چمن انداز علاحدہ علاحدہ بھی شائع ہوئے۔ بعد میں نادر نے ان دونوں حصوں کو ملا کر تذکرۃ النسائے نادری کے نام سے شائع کیا۔

الف: گلشن ناز(۱۸۷۶ء):

نادر نے فارسی شاعرات کا پہلا تذکرہ گلشن ناز (۱۸۷۶ء) ترتیب دیا۔ جو ۱۸۷۶ء کو مطبع فوق کاشی دہلی سے منشی انبے پرشاد کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ جس میں کم و بیش ۵۳ شاعرات کو شامل کیا گیا۔

ب: چمن انداز(۱۸۷۸ء):

گلشن ناز کے دو سال بعد ۱۸۷۸ میں دوسرا تذکرہ چمن انداز (۱۸۷۸ء) شائع ہوا۔ چمن انداز اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ چمن انداز کے ساتھ گلشن ناز کا تکملہ بھی شامل کر دیا گیا۔ اس تکملے میں آٹھ فارسی شاعرات کا اضافہ کیا گیا۔ چمن انداز میں اردو شاعرات کی تعداد ۱۴۴ کے قریب ہے۔ اس میں شاعرات کے سوانحی حالات اور ان کے نمونۂ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ چمن انداز میں صفحات کی تعداد ۹۶ کے قریب ہے اور یہ بھی مطبع فوق کاشی دہلی سے شائع ہوا۔

۱۸۸۳ء میں درگاہ پرشاد نادر نے چمن انداز کا ضمیمہ ترتیب دیا اور ۱۸۸۳ء میں گلشن ناز، تکملہ گلشن ناز، چمن انداز اور ضمیمہ چمن انداز کو یک جا کر کے ترتیب دیا اور اس کو تذکرۃ النساء (۱۸۸۴ء) کے عنوان کے تحت مطبع اکمل المطابع دہلی سے شائع کروایا۔ یہ تذکرے کی پہلی اور آخری مکمل اشاعت تھی۔ تذکرے میں شاعرات کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا گیا ہے اور اس تذکرے میں موجود شاعرات کی اکثریت طوائفوں سے تعلق رکھتی ہے۔ بہت کم شاعرات ایسی ہیں جن کا تعلق علمی، شریف اور پردہ نشین خاندان سے ہے۔

جہاں تک اس تذکرے کے نام کا تعلق ہے تو بقول رفاقت علی شاہد نادر دہلوی نے گلشن ناز اور چمن انداز میں پانچ مقامات پر اس کا نام تذکرۃ النساے نادری ہی درج کیا ہے، جس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تذکرے کا اصل اور پورا نام تذکرۃ النساے نادری ہی ہے۔ تذکرے کی صرف پہلی اور آخری مکمل اشاعت کے سرورق پر تذکرے کا نام تذکرۃ النساء درج ہے۔ تذکرۃ النساء اور تذکرۃ النساے نادری میں بظاہر تفاوت نہیں ہے اور ان میں کوئی اصلی اور معنوی بعد بھی نہیں ہے، اس لیے تذکرۃ النساے نادری تذکرے کا اصل اور مستعمل نام ہے [۳]۔ اس کا تاریخی نام مرأت خیالی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے گشن ناز کے سبب تالیف میں یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ تذکرہ چار برس کی محنت کے بعد تیار ہوا۔ پہلے اس کا نام غیرت باز رکھا بعد میں اس کا نام مرأت خیالی تجویز کیا۔ مرأت خیالی اس کا تاریخی نام ہے۔ جس سے تذکرے کا سال تکمیل کا پتہ چلتا ہے۔ گویا اس تذکرے کی تکمیل ۱۸۷۵ میں ہوئی [۴]۔

تذکرۃ النسائے نادری (۱۸۸۴ء) میں متعدد تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جن میں دیباچہ مصنف، مقدمہ مصنف، گلشن ناز، قطعات و تقریضات تاریخ، تکملہ گلشن ناز، چمن انداز، قطعات تاریخ طبع

چمن انداز ،چمن انداز کا ضمیمہ، عرائضہ بہ خدمت جناب محمد فصیح الدین رنج، رقعہ محتشم بھوپالی، قطعات تاریخ و تقریظات تذکرہ، تاریخ گوئی کا بیان اور فہارس، غلط نامہ اور اشتہارات وغیرہ شامل ہیں۔

تذکرے کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے نادر لکھتے ہیں کہ رنج میرٹھی نے شاعر عورتوں کا تذکرہ بعنوان بہارستا ن ناز (۱۸۶۴ء) شائع کیا، پھر چار سال کے بعد اس کی ترمیم کرکے اسے دوبارہ شائع کروایا۔ انھوں نے دونوں اشاعتوں کو بنظر غائر دیکھا اور اس کا تقابل دیگر تذکروں سے کیا۔ رنج کے بیانات اور تذکرہ نویسوں کے بیانات میں کافی اختلاف نظر آیا تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ایک مختصر سا رسالہ تحریر کریں 'جو پانچ دس شاعرات ان تذکروں میں موجود نہیں ہیں، ان کے پاس ان کا کلام موجود ہے، قید کتابت میں آجائیں اور شاعروں میں شمار کی جائیں۔ چار سال کی محنت کے بعد ان کا یہ رسالہ تیار ہوا۔ پہلے موصوف نے اس کا تاریخی نام غیرت باز ناز رکھا تھا اور بعد میں اس کا نام مرأت خیالی رکھا گویا اس کی تکمیل ۱۸۷۵ء میں ہوئی[45]۔ درج بالا سطور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو خود تذکرہ لکھنے کا خیال دل میں اس لیے آیا کہ وہ دوسرے تذکرہ نگاروں کی غلطیوں کی نشان دہی کر کے اور کچھ نئی شاعرات کے حالات و کلام سے اپنے تذکرے کو دوسرے تذکروں کی نسبت اہم ثابت کریں۔ تذکرے کے سبب تالیف سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تذکرے کا آغاز مصنف نے دانستہ طور پر نہیں کیا بلکہ تذکرے کی تالیف کی کوشش ان کے رد عمل کا نتیجہ ہے۔ تذکر ۃ النساے نادری کے لکھنے کا سبب رنج میرٹھی کا تذکرہ بہارستان ناز بنا۔ کیوں کہ نادر کے تذکرہ نگاری کے حوالے سے میرٹھی اور محتشم بھوپالی سے معرکے بھی ہوئے۔ تذکرہ نساےنادری میں بھی رنج میرٹھی کے نام ایک عرائضہ موجود ہے جس میں نادر نے رنج میرٹھی کے تذکرے کی خامیاں گنوائی ہیں۔ یہ تمام شواہد اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ تذکرۃ النساے نادری بہارستان ناز کے رد عمل کے طور پر سامنے آیا۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نادر بعد میں بھی اس تذکرے کے مواد میں ضمیموں اور تکملوں کے ذریعے اضافہ کرتے رہے۔

تذکرۃ النساے نادری(۱۸۸۴ء) کے شروع میں مصنف کا دیباچہ ہے۔ یہ دیباچہ اصل میں گلشن ناز کا حصہ تھا۔ گلشن ناز میں اس کے مشمولات پر زیادہ عنوانات قائم نہیں کیے گئے تھے بعد ازاں اس دیباچے کے تمام مباحث پر علاحدہ علاحدہ عنوانات قائم کرکے اسے تذکرۃ النساے نادری(۱۸۸۴ء) میں شامل کیا گیا۔ اس دیباچے میں مختلف قسم کے تمہیدی مباحث ملتے ہیں۔ اس کے شروع میں مصنف نے گلشن ناز اور چمن انداز کو تذکرۃ النساے نادری میں ضم کرنے کا جواز بتاتے ہوئے علم کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور تعلیم نسواں کو وقت کی اہم ضرورت خیال کیا ہے۔ تعلیم نسواں کی ضرورت واہمیت کے لیے انھوں نے احادیث مبارکہ کا حوالہ دیا ہے کہ تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ وہ تعلیم کو عورتوں کے لیے بھی اتنی

ہی ضروری خیال کرتے ہیں جتنی مردوں کے لیے ہے گویا انھوں نے اہل ہند کو تعلیم نسواں کی طرف اپنی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ دیباچے میں " تذکرے کے ماخذات جن جن کتابوں سے انھوں نے استفادہ کیا ہے، عورت کی شعر گوئی کا جواز، سبب تالیف تذکرہ اور اس کتاب میں جس جس زبان کی شاعرات کو شامل کیا ہے"، جیسے عنوانات قائم کیے ہیں۔

دیباچے کے بعد مصنف تذکرہ کا مقدمہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ بھی اصل میں گلشن ناز کا حصہ ہے۔ بعد میں اس کو تذکرۃ النساے نادری میں شامل کیا گیا ہے۔ مقدمے میں مصنف نے سب سے پہلے شعر کی فضیلت، اس کے لغوی و اصلاحی معانی، عروض و قوافی پر مختصر تمہید کے بعد عربی زبان کی چند شاعرہ عورتوں کا حال بیان کرنے کے بعد ہندوستان کی قدیم مسلمان اور ہندو عورتوں کا حال بیان کرنے کے بعد تعلیم نسواں زمانہ حال، چند کلمات کے عنوان سے اس بات کا یہ جواز پیش کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں حکمرانوں کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس ملک پر غلبے سے پہلے بڑی بڑی زبردست عالمہ اور فاضلہ عورتیں گزری ہیں۔ اب بھی انگریزوں کی وجہ سے ہندوستان میں جگہ جگہ مدارس زنانہ کھل گئے ہیں اور ایسے عہد دولت میں بھی اگر کوئی اپنی عارضی جہالت نہ چھوڑے تو مجبوری ہے[۴۷]۔ مصنف کے ان بیانات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے مسلمان حکمرانوں کے خلاف متعصبانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور بلا تحقیق کیا ہے۔ اس کے بعد گلشن ناز کا متن شروع ہوتا ہے جو فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے۔ گلشن ناز میں بغیر کسی تمہید کے تذکرہ شروع ہو جاتا ہے اور اس میں فارسی کی ۵۳ شاعرات ہیں۔ البتہ اس کو تذکرۃ النسائے نادری میں شامل کرتے وقت ایک شاعرہ دلآرام کا اضافہ کیا گیا ہے۔ گلشن ناز کی پہلی شاعرہ آتون اور آخری شاعرہ لاآور ہے۔ اس کے بعد گلشن ناز کا تکملہ شروع ہوتا ہے۔ گلشن ناز کے تکملے میں شاعرات کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے اور اس تکملہ کا آغاز مختصر دیباچے سے ہوتا ہے پھر اس تکملے کی پہلی شاعرہ بانو بیگم سے آغاز ہوتا ہے اور لاا علم شاعرہ کے متن پر ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرأت خیالی کا تیسرا حصہ چمن انداز شروع ہوتا ہے جو اردو شاعرات کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس میں سب سے پہلے چمن انداز کا مقدمہ شروع ہوتا ہے جس میں اہل ہند کو تعلیم نسواں کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے بعد متن تذکرہ کا آغاز ہوتا ہے۔ تذکرے کی پہلی شاعرہ آرائش سے تذکرے کا آغاز ہوتا ہے اور تذکرے کی آخری شاعرہ لاا علم پر تذکرہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اس کے بعد چمن انداز کا ضمیمہ شروع ہوتا ہے۔ مختصر دیباچے کے بعد شاعرات کے تراجم شروع ہوتے ہیں۔ ضمیمے کی پہلی شاعرہ ادا سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور اس کی آخری شاعرہ ہنر پر ضمیمے کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک عریضہ شامل ہے جو انھوں نے رنج میرٹھی کے نام لکھا جس میں مصنف تذکرہ نے رنج میرٹھی کے تذکرے کی

خامیاں گنوائی ہیں۔اس کے علاوہ اس تذکرے میں محتشم بھوپالی کے نام ایک رقعہ بھی موجود ہے جو رنج میر ٹھی نے محتشم بھوپالی کو لکھا تھا لیکن یہ بعد کا اضافہ ہے“۔ اس کے بعد قطعات وتاریخ تذکرہ ہیں جو تذکرے کے مکمل ہونے پر موصول ہوئے اور آخر میں تذکرہ ہذا میں شاعرات کی مشروح فہارس کو شامل کیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں مصنف نے اردو اور فارسی شاعرات کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر کے شاعرات کا اندراج بلحاظ حروف تہجی کیا ہے۔ جبکہ بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) فارسی اور اردو شاعرات کا مل جلا تذکرہ ہے،اس میں یہ تخصیص موجود نہیں ہے۔دوسرے اس تذکرے میں اندراجات کی تعداد بھی زیادہ ہے جن میں ۱۴۳ اردو کی شاعرات اور ۵۳ فارسی کی شاعرات ہیں۔یہ تعداد تقریباً دو سو کے قریب ہے۔

تحقیقی حوالے سے اس تذکرے میں تذکرہ بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) کی نسبت زیادہ تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔مصنف نے جن ذرائع سے استفادہ کیا ہے، ان کے بارے میں مزید تحقیق کر کے معلومات کا اندراج کیا ہے۔انتخاب کلام کے حوالے سے بھی اس تذکرے میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔شاعرات کے سوانحی حالات مثلاً تاریخ پیدائش،وفات،ملک وملت،مذہب کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

لسانی اور سوانحی لحاظ سے یہ تذکرہ معاصر حالات وواقعات کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے جس میں نادر نے علم وفن کے بعض پہلوؤں پر اپنی وسعت معلومات اور وسیع النظری کا ثبوت پیش کیا ہے۔مثلاً نادر کے اس تذکرے میں فن تاریخ گوئی سے متعلق ایک جامع اور وقیع بحث ملتی ہے۔تذکرے میں اگرچہ شاعرات اور ان کے منتخبات کلام مختصر اور غیر متوازن ہی سہی لیکن پھر بھی تاریخی اعتبار سے اس کی اہمیت کسی بھی طور کم نہیں ہے کیوں کہ یہ تحقیقی لحاظ سے اپنے عہد کی شاعرات کی معلومات کا واحد ماخذ ہے۔

شمیم سخن(۱۸۸۲ء):

عبدالحہ صفا بدایونی نے تذکرہ شمیم سخن ۱۸۸۲ء میں ترتیب دیا۔تذکرہ شمیم سخن کے پہلے دو حصے شعرا کے حالات وواقعات اور ان کے نمونۂ کلام پر مشتمل تھے اور تیسرا حصہ شاعرات کے تراجم پر مشتمل تھا۔صفا نے یہ تذکرہ ۷۳۔۱۸۷۲ء میں تالیف کیا لیکن اس تذکرے کا تیسرا حصہ جو شاعرات کے تراجم پر مشتمل ہے، علاحدہ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا۔اس حصے کی دوسری اشاعت ۱۸۹۱ء میں منشی نول کشور پریس سے شائع ہوئی۔۱۸۹۱ء کے اکثر نسخے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

تذکرے میں حروف تہجی کی ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے۔ضخامت کے لحاظ سے اس کے صفحات کی تعداد ۵۲ ہے۔اس کے پہلے حصے میں ۱۰۲ بازاری شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں ۹۴ باعصمت وپردہ نشین شاعرات کا ذکر ہے اس تذکرے کی مجموعی شاعرات کی تعداد ۱۵۹ کے قریب ہے۔

صفحہ سات سے تذکرہ کے متن کا آغاز ہوتا ہے۔ تذکرے میں مذکور فصل اول کی بازاری عورت کی پہلی شاعرہ اچپل ؔ ہے اور صفحہ ۲۶ پر فصل اول کی آخری شاعرہ یاسمین ؔ ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۶ ہی سے فصل دوم پردہ نشین عورت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ فصل دوم کی پہلی شاعرہ اختر ہے اور آخری شاعرہ یاسمین پر تذکرہ کا متن صفحہ ۳۶ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد تذکرے کا اختتام ہوتا ہے اور آخر میں مختلف شعرا کے قطعات و تاریخ و تقریظیں درج ہیں۔ جو مختلف لوگوں نے نظم و نثر دونوں صورتوں میں اس تذکرے پر لکھی ہیں۔ ان تقریظوں سے تذکرے کے بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ ان تقریظوں سے اس تذکرے کے سال تالیف و تصنیف کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ ان سے اس تذکرے کا سال تصنیف ۱۲۸۹ھ ہجری نکلتا ہے۔ یہ تقریظیں صفحہ ۳۷ سے شروع ہو کر ۵۲ پر ختم ہوتی ہیں۔ گویا یہ سولہ صفحات تقریظوں اور قطعات کے لیے مخصوص ہیں۔

یہ تذکرہ صرف ریختہ گو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے اردو شاعرات کے دونوں تذکروں میں فارسی اور اردو شاعرات دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ لیکن اس تذکرے میں صرف اردو شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف کا پہلے یہ خیال تھا کہ تذکرے کو صرف زندہ شاعرات تک محدود کیا جائے گا لیکن مصنف نے بعد میں پھر خود ہی ختم کر دی۔ تذکرے میں زندہ اور وفات پا جانے والی سب شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔

تذکرے کے شروع میں مصنف نے چار صفحوں کا دیباچہ تحریر کیا ہے۔ دیباچے میں تعلیم نسواں سے متعلق دل چسپ مباحث موجود ہیں۔ دیباچے میں حمد و ثنا کے بعد علم کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے تعلیم نسواں کی ضرورت و اہمیت اور افادیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تعلیم ایک ایسی چیز ہے جو عورتوں کو ہر طرح سے مہذب بنا سکتی ہے [۷۸]۔ اگر عورتیں ان پڑھ ہوں گی تو پورا معاشرہ ان پڑھ ہو گا اور مہذب معاشرے میں شمار نہیں ہو گا۔ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیمی حالت کی پستی پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے ملک کو مہذب اور شائستہ اقوام میں دیکھنا چاہتے ہیں تو عورتوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ضروری ہو گا ہے [۷۹]۔ گویا وہ اہل ہند کی توجہ تعلیم نسواں کی جانب مبذول کروانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی عورتوں کے نصاب تعلیم اور تعلیم میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے نسخے بھی بتاتے ہیں۔ آخر میں وہ تذکرے کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تذکرہ دو فصلوں میں منقسم ہے۔ ان شاعرات کو علاحدہ علاحدہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ

> ہم نے اس حصے کو دو فصلوں میں منقسم کر دیا ہے فصل اول میں عورت بازاری کا ذکر کیا ہے اور فصل دوم میں عورت پردہ نشین و باعفت و عصمت کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہم کو شرم آئی کہ ہم مثل دیگر تذکرہ نویسوں کے عورات بازاری و پردہ نشین کو ایک طرح پر بلا امتیاز یاد کریں۔ [۸۰]

آخر میں اپنے ملک کے مردوں اور عورتوں کے حق میں تہذیب یافتہ ہونے اور ان کے ناقص خیالات کو دور کرنے اور اپنے تذکرے کو حسد کی نظر سے بچانے کی دعا کی ہے۔

تذکرہ بہت مختصر اور مجمل ہے۔ شاعرات کے حالات حد درجہ مختصر ہیں۔ بعض شاعرات کا مصنف نے صرف نام اور تخلص لکھا۔ البتہ بعض شاعرات کے بارے میں ان کے نام، تخلص اور سکونت کا کسی حد تک اہتمام ضرور ملتا ہے۔ انتخابات کلام کے نمونے بھی مختصر ہیں اور بعض جگہ صرف ایک ایک شعر کا اندراج کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ باقی تذکروں کی نسبت اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس تذکرے میں مصنف نے ایک جدت اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ بازاری اور پردہ نشینوں کے علاحدہ علاحدہ طبقات قائم کیے ہیں۔ اس طرح کی طبقاتی تقسیم اس سے پہلے شاعرات کے کسی تذکرے میں نظر نہیں آتی۔ باقی تذکرہ نگاروں نے بازاری اور پردہ نشینوں کو علاحدہ سے نہیں لکھا۔ تمام شاعرات کا ذکر یک جا طور پر کر دیا ہے۔ لیکن شمیم سخن اپنی نوعیت کا پہلا تذکرہ ہے جس میں مصنف نے اپنے تذکرے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے اس میں کوئی خاص تنقید کے نمونے نہیں ملتے۔ البتہ مصنف نے بعض جگہوں پر شاعرات کے حالات و کلام پر ایک آدھ جملہ چست کر دیا ہے، جس سے مصنف تذکرہ کے تنقیدی شعور کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ تحقیقی حوالوں سے بھی اس تذکرے میں تحقیق کا کوئی اہتمام نہیں ملتا۔ مصنف نے شاعرات کی تاریخ پیدائش، وفات کے تعین میں بھی کوئی قابل ذکر تحقیق پیش نہیں کی۔ شاعرات کے ذیل میں بھی جو معلومات درج کی ہیں، وہ دوسرے تذکروں سے ماخوذ ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ شاعرات کی تعداد کے اندراج، حالات اور نمونۂ کلام میں بھی کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کرتا۔ اس تذکرے میں کسی نئی شاعرات کے اندراج کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ جن شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے ، وہ تمام شاعرات پہلے تذکروں میں بھی موجود ہیں۔ شاعرات کے بارے میں زیادہ تر معلومات دوسرے تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ مصنف تذکرہ نے بعض معلومات کو بغیر کسی ترمیم کے بعینہ نقل کر دیا ہے ۔ تذکرہ نگار نے شروع میں فہرست نہیں دی جس سے مطلوبہ شاعرات کو ڈھونڈنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے باقی تذکروں کی نسبت اس کا انداز بیان سنجیدہ اور ادیبانہ ہے۔

تذکرہ نگار نے تذکرے کے ماخذات کے بارے میں بھی کسی قسم کی معلومات کی نشان دہی نہیں کی کہ انھوں نے یہ معلومات کہاں سے اور کن کن ذرائع سے حاصل کی ہیں۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا کی معلومات کا دار مدار تذکرہ بہارستان ناز اور درگاہ پرشاد نادر کا تذکرہ چمن انداز ہیں۔ البتہ بعض جگہوں پر درگاہ پرشاد نادر کے تذکرے چمن انداز سے اخذ و استفادے کا ذکر کیا ہے۔

تذکرۃ النسا(۱۸۸۲ء):

تذکرے کے مؤلف محمد علی خان ندرت ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۸۲ء میں مدراس سے شائع ہوا۔ تذکرے میں ۷۴ کے قریب اردو اور فارسی کی شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے دیے گئے ہیں اور اسے الف بائی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔

تذکرے کے مصنف کے بقول یہ تذکرہ انھوں نے دوستوں کے اصرار پر ترتیب دیا۔ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے تذکرے میں رنگین و نازک خیال شاعرات کے مختصر حالات زندگی اور ان کے نمونۂ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔

ماہ درخشاں(۱۸۸۳ء):

ماہ درخشاں(۱۸۸۳ء) اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اور ابوالقاسم محتشم کا تالیف کردہ ہے۔ یہ تذکرہ پہلی دفعہ ۱۸۸۳ء میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔ تذکرے کو حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے اور اس تذکرے میں ۱۴۸ شاعرات کا ذکر شامل ہے۔

تذکرے کی پہلی شاعرہ اخترؔ سے اس تذکرے کا آغاز ہوتا ہے اور یاسمنؔ کے حالات و کلام پر یہ تذکرہ اختتام کو پہنچتا ہے۔ صفحہ پانچ سے تذکرے کے متن کا آغاز ہوتا ہے اور ۴۷ پر اس کے متن کا اختتام ہوتا ہے۔ ۴۷ سے اس تذکرے کے قطعات اور تقریظیں شروع ہوتی ہیں، جو مختلف لوگوں نے اس تذکرے سے متعلق لکھی ہیں۔ یہ قطعات ۸۱ پر ختم ہوتی ہیں اور آخر میں ماہ درخشاں کا ضمیمہ شروع ہوتا ہے۔ اس ضمیمے میں سکندر جہاں بیگم کی بہت سی غزلیات منتخب کر کے درج کی گئی ہیں۔ یہ ضمیمہ ۸۲ صفحے سے شروع ہوتا ہے اور ۸۹ صفحے پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کے بعد تذکرہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر خالی صفحے کے بعد سولہ صفحے پر ایک ضمیمہ ہے جو اختر تاباں سے تعلق رکھتا ہے اور آخر میں ماہ درخشاں کا صحت نامہ درج ہے۔

اس کے سبب تالیف کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ جب تذکرہ طور کلیم(۱۸۸۰ء) مؤلفہ سید نورالحسن اور بزم سخن(۱۸۸۰ء) مؤلفہ علی حسن خان جب تالیف ہو کر بھوپال پہنچے اور نواب صدیق حسین خان نے انھیں تقسیم فرمایا تو مؤلف کو بھی ہر دو نسخے ملے۔ ان کو دیکھنے کے بعد ان کو تالیف کا شوق پیدا ہوا کہ وہ خود ان تذکروں کی طرز پر شاعرات اردو و فارسی کا تذکرہ ترتیب دیں، اسی دوران انھیں نواب شاہجہاں سے تذکرے کی ترتیب کا حکم ملا۔ انھوں نے پہلے شاعرات فارسی کا تذکرہ مرتب کیا، جس کا نام اختر تاباں رکھا اور اسے نواب شاہجہاں بیگم کی خدمت میں پیش کیا جسے موصوفہ نے پسند فرمایا اور مطبع شاہجہانی سے اس کی طباعت کے فرمان جاری کیے۔ یہ تذکرہ

فارسی زبان میں ہے اور فارسی شاعرات سے متعلق ہے۔ یہ تذکرہ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی ابوالحسن محترم کی ترغیب سے لکھا اور اسے مطبع شاہجہانی سے (۱۸۸۲ء) میں شائع کیا۔ اس تذکرے کی تالیف کے ایک سال بعد انھوں نے دوسرا تذکرہ ماہ درخشاں (۱۸۸۳ء) کے نام سے لکھا۔ جب مؤلف نے یہ قدر افزائی دیکھی تو شاعرات اردو کا تذکرہ ماہ درخشاں (۱۸۸۳ء) کے نام سے ترتیب دیا[۸۱]۔

تذکرے کی زبان فارسی ہے۔ شاعرات کی سوانح کے لحاظ سے یہ ایک مختصر تذکرہ ہے۔ حالات و کلام دونوں میں توازن نہیں ہے۔ اکثر شاعرات وہی ہیں جو اس سے پہلے تذکروں میں مذکور ہیں۔ اس تذکرے سے نئ شاعرات کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوتی۔

حدیقہ عشرت (۱۸۹۳ء):

انیسویں صدی کے آخر میں درگاہ پرشاد قہر سندیلوی کا تذکرہ حدیقہ عشرت (۱۸۹۳ء) منظر عام پر آیا۔ اور یہ تذکرہ پہلی بار سندیلہ ۱۸۹۳ء میں اور دوسری بار لکھنؤ سے ۱۸۹۸ء میں منظر عام پر آیا۔

کل صفحات کی تعداد ۷۲ ہے اور اس میں تقریباً ۹۷ کے قریب شاعرات کا اندراج کیا گیا ہے جن میں محض اردو کی تقریباً ایک درجن کے قریباً شاعرات ہیں۔ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور اسے بہ لحاظ حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔

پہلے چار صفحات پر تذکرے کا دیباچہ ہے اور آخری چھ صفحات میں نظم کی صورت میں چند لوگوں نے اس تذکرے کی تاریخ و تالیف تصنیف پر قطعات لکھے ہیں۔ ان قطعات سے اس تذکرے کی تصنیف و تالیف کے بارے میں بہت سے معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ تذکرے کی پہلی فارسی زبان کی شاعرہ آقائیؔ سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور آخری اردو زبان کی شاعرہ یاسمنؔ پر تذکرہ کا اختتام ہوتا ہے۔

تذکرے کے دیباچے میں مصنف نے تذکرہ لکھنے کی وجہ تالیف یہ بیان کی ہے کہ میں عرصہ دراز سے شعرا کا مطالعہ کرتا رہا اور اس مطالعے کے دوران شاعرات کے کلام سے لطف اندوز ہوا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ کیوں نہ شاعرات کا مختصر تذکرہ لکھا جائے، انہوں نے شاعرات کا تذکرہ حدیقہ عشرت (۱۸۹۳ء) کے نام سے ترتیب دیا۔[۸۲]

یہ اردو اور فارسی زبان کی شاعرات کا ملا جلا تذکرہ ہے۔ حالات و کلام دونوں اعتبار سے مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ شاعرات کے حالات و کلام دونوں میں توازن نہیں ہے۔ شاعرات کے سوانحی حالات کسی جگہ دو تین صفحوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور بعض شاعرات کی ذیل میں صرف چند باتیں درج تذکرہ کی ہیں، اسی طرح منتخبات کلام میں کہیں کہیں ایک ایک دو شعروں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں تحقیق کا عنصر نظر نہیں آتا۔ شاعرات کے سنین پیدائش اور وفات کا تعین نہیں ملتا۔ البتہ شاعرات کی سکونت، وطن اور عہد کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ تنقیدی اعتبار سے اس میں تنقید نہ ہونے کے برابر ہے۔ تذکرے میں کہیں سے تذکرے کے ماخذات کے بارے میں علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے معلومات کہاں سے حاصل کی ہیں اور ان کے معلومات کے ذرائع کیا ہیں۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاعرات کے بارے میں زیادہ تر معلومات اپنے سے بیش تر لکھے جانے والے تذکروں سے اخذ کی ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام میں مزید کوئی اضافہ نہیں کرتا ہے اور اس تذکرے سے کسی نئی شاعرہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ اکثر شاعرات وہی ہیں جو اس سے پہلے تذکروں میں مذکور ہیں۔

نشاط افزا (۱۸۹۸ء):

انیسویں صدی کے آخر میں بابو مول چندا کا اردو شاعرات کا تذکرہ نشاط افزا الموسوم بہ اسم تاریخی کلام مستورات ماہ جبین (۱۸۹۸ء) منظر عام پر آتا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۹۸ء میں مطبع افتخار دہلی سے شائع ہوا۔

ضخامت کے لحاظ سے یہ تذکرہ ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۶۹ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کا اندراج ملتا ہے۔ مصنف نے اس تذکرے کو غزلوں کی ردیف کو مد نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ اس میں صرف غزل گو شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔

تذکرے کے شروع میں آٹھ صفحات کا دیباچہ ہے۔ اس دیباچے میں مختلف علمی بحثیں ملتی ہیں۔ شروع میں مصنف نے اردو بحور واوزان کا جائزہ لیتے ہوئے اصطلاحات نظم پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ علم موسیقی کی ابتدائی تاریخ، ارتقا اور اس کے راگوں سے متعلق قیمتی معلومات سے نوازا ہے۔ صفحہ ۹ سے تذکرہ کا متن شروع ہوتا ہے اور ۵۴ پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں چند صفحات پر مشتمل نشاط افزا (۱۸۹۸ء) کا ضمیمہ شروع ہوتا ہے جن میں "ٹھمریاں وادھا" کا عنوان قائم کر کے کچھ شاعرات کا نام، تخلص اور ٹھمریوں" کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مختلف لوگوں نے اس تذکرے پر قطعات لکھے ہیں۔ آخر میں ان شاعرات کی فہرست کو شامل کیا گیا جو تذکرے میں شامل ہیں۔ تذکرے کی پہلی شاعرہ شریف النسا ہے اور آخری شاعرہ عارفہ کاملہ ہیں۔

تذکرے کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ مجھے جس جگہ سے بھی شاعرہ عورتوں کی غزلیں دستیاب ہوئیں، میں انھیں ایک بیاض میں جمع کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چند برسوں کے اندر کافی ذخیرہ جمع ہو گیا تو صاحبان ہم عصر نے مجھے انھیں چھپوانے پر مجبور کیا اور کہا کہ اگر ان شاعرہ عورتوں کا کلام طبع کرادو تو ہر خاص وعام کے لیے مفید

ہو گا اور تمہارا نام بھی بہ قول شخصے قائم رہے گا۔ للذاان اصحاب ذی شان کے اصرار پر میں غزلوں کو تفریح طبع کے واسطے ردیف وار جمع کیا اور اس کا نام نشاط افزا الموسوم بہ اسم تاریخی کلام مستورات ماہ جبین رکھا[۸۳]۔

تذکرہ اردو زبان میں ہے۔ منتخبات کلام اور سوانحی اعتبار سے حد درجہ مختصر ہے۔ تذکرے میں شاعرات کے نام اور تخلص کے علاوہ اور کسی بھی قسم کی معلومات کا اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ شاعرات کی جائے قیام، وطن اور مذہب کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ شاعرات کے کلام کے اندراج میں بھی شاعرات کی صرف ایک ایک غزل کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے میں باعصمت خواتین اور طوائفیں دونوں شامل ہیں۔ البتہ مصنف نے جو طوائفیں شامل کی ہیں، ان کی نام کے سامنے یہ نشان دہی کر دی ہے کہ یہ طوائفیں ہیں۔

تنقیدی اعتبار سے اس تذکرے میں تنقید کے کوئی نمونے نہیں ملتے۔ شاعرات کے کلام اور ان کے بارے میں مصنف نے کہیں بھی اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا جس سے مصنف کے تنقیدی شعور کے بارے میں پتہ چلتا ہو۔ تحقیقی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں تحقیق کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ البتہ شاعرات کی جائے قیام اور شاعرات کے انتخابات کلام کے بارے میں مصنف نے تحقیق کر کے معلومات کو درج کیا گیا ہے۔ تذکرے کے مطالعے سے کہیں سے بھی ماخذات کی نشان دہی نہیں ہوتی کہ مصنف نے معلومات کہاں سے حاصل کی ہیں اور ان کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں۔ بہ حثییت مجموعی اس تذکرے میں کچھ نئی شاعرات کی نشان دہی ہوتی ہیں جو اس سے پہلے کسی تذکرے میں موجود نہیں ہیں۔ یہ تذکرہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس تذکرے میں مصنف نے تذکرے کی ترتیب کے لیے ردیف وار غزلوں کی ترتیب کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ طریقہ کار اس سے پہلے کسی تذکرے میں موجود نہیں ہے۔

ارباب نشاط (س،ن):

اسے باقاعدہ طور پر شاعرات کی تذکروں میں تو شمار نہیں کیا جا سکتا البتہ اسے اردو شاعرات سے متعلق اہم ماخذ کی حیثیت ضرور حاصل ہے کیوں کہ اس میں درج معلومات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مصنف نے ان شاعرات کو اپنے تذکرے میں ضمیمے کے طور پر شامل کیا تھا۔ نہ اس تذکرے کے سنہ اشاعت کے بارے میں کہیں سے پتہ چلتا ہے اور نہ مصنف کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجہول الحال مصنف نے اپنے تذکرے میں ضمیمے کے طور پر ان شاعرات کو شامل کیا ہے اور اس کے شروع میں لکھتے ہیں:

> بہ طور ضمیمہ کتاب ان بعض خوش تقریر اور خوش باش عورتوں کا کچھ حال لکھا جاتا ہے جو فی زمانہ اس ملک میں کثرت سے موجود ہیں اگر یہ ارباب نشاط سے نہ ہوتی تو ان کو اصل کتاب کے ضمن میں جگہ ملتیں[۸۴]۔

تذکرے میں درج معلومات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ انیسویں صدی کے آخر میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ مختصر سا تذکرے کا ضمیمہ ہے جو ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں شاعرات کی تعداد ۱۳۰ کے قریب ہے۔ اس میں مصنف نے صرف ان شاعرات کو شامل تذکرہ کیا ہے جو طوائفوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس میں باعصمت اور طبقۂ امرا سے تعلق رکھنے والی شاعرات کا اندراج نہیں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس تذکرے کے ابتدائیے میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے۔

حالات اور کلام دونوں اعتبار سے یہ مختصر تذکرہ ہے اور اس میں صرف طوائفیں شامل ہیں۔ شاعرات کے حالات زندگی بھی ایک دو سطروں سے زیادہ نہیں ہیں۔ کلام کے نمونے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ شاعرات کے ایک ایک دو دو شعر پیش کیے گئے ہیں۔ البتہ اس تذکرے میں شاعرات کے وطن، نام، تخلص اور ان کے عہد کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

تنقیدی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں تنقیدی کا عنصر کہیں نظر نہیں آتا اور نہ مصنف نے شاعرات اور ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ البتہ شاعرات کے حالات اور انتخابات کلام میں توازن ملتا ہے۔ تحقیقی حوالے سے مصنف نے باقی تذکروں کی نسبت شاعرات کے عہد کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے کہ کون سی شاعرات کس عہد سے تعلق رکھتی تھی اور اس کا یہ کلام کب شائع ہوا اور کہاں چھپا۔

تذکرے میں مصنف نے جن جن ماخذات سے استفادہ کیا ہے، ان کا اندراج قوسین میں کر دیا ہے کہ یہ معلومات انھوں نے کہاں سے اخذ کی ہیں۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں کے علاوہ اس تذکرے کی ترتیب کے لیے جن ماخذات کا استعمال کیا ہے۔ وہ بیش تر گلدستوں، شعرا کے تذکروں اور شاعرات کے تذکروں شمیم سخن، بہارستان ناز اور تذکرۃ النساء سے اخذ کی ہیں۔

یہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں لکھے جانے والے تذکرے ہیں۔ حالات، واقعات اور تغیرات کے پیش نظر بیسویں صدی میں بھی شاعرات کی تذکرہ نویسی کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی سلسلے کی سب سے پہلی کڑی میں جو تذکرہ سامنے آتا ہے وہ مولوی محمد عباس کا تذکرہ مشاہیر نسواں ہے۔

مشاہیر نسواں (۱۹۰۲):

مشاہیر نسواں بیسویں صدی میں شائع ہونے والا پہلا تذکرہ ہے۔ اس تذکرہ کے مصنف مولوی محمد عباس ہیں۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۲ء میں مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور سے شائع ہوا۔

یہ اردو کا ضخیم تذکرہ ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۶۵۶ ہے اور اسے حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ شروع کے چند صفحات میں مقدمہ ہے۔ اس کے بعد سات آٹھ صفحات پر مشتمل مصنف تذکرہ کا دیباچہ ہے۔

صفحہ ۱۳ سے تذکرے کا متن فارسی کی شاعرہ آتون سے ہوتا ہے اور صفحہ ۵۹۰ پر تذکرے کا متن ختم ہوتا ہے۔ تذکرے کے آخر میں مشاہیر نسواں کا تتمہ ہے۔ یہ تتمہ صفحہ ۵۹۱ سے شروع ہو کر ۶۵۶ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ شاعرات کے اندراجات کی تعداد بھی باقی تذکروں کی نسبت زیادہ ہے۔ تذکرے میں درج فارسی، عربی، انگریزی شاعرات کے حالات کا اندراج اردو زبان میں کیا گیا ہے اور ان کے کلام کے نمونے کا اندراج بدستور عربی، فارسی زبان میں ہی ہے۔ مصنف نے ان کے اردو تراجم نہیں کیے۔

یہ تذکرہ صرف اردو اور فارسی کی شاعرات تک محدود نہیں ہے اور نہ اس تذکرے میں صرف شاعرات کا ذکر شامل ہے بلکہ اس میں مصنف نے عربی، فارسی، انگریزی اور دنیا بھر کے مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی خواتین کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔

مصنف نے شروع میں اس کے عہد تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ تذکرہ انھوں نے برسوں کی محنت کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ وہ مزید اس تذکرے کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرقہ نسواں کی تعلیم و اصلاحات کے متعلق جو کوششیں ہو رہی ہیں، انھوں نے مجبور کر دیا کہ عورتیں جو کچھ کر چکی ہیں اور کر سکتی ہیں، اس کی قدیم اور جدید مثالیں پبلک میں پیش کی جائیں۔[۸۵]

دیباچے میں مختلف موضوعات پر علمی و ادبی بحثیں ملتی ہیں جن میں سب سے اہم بحث عورتوں کی تعلیمی پستی، عورتوں کے معاشرتی فرائض منصبی، عورتوں کی تعلیمی اصلاحات اور عورتوں کی تعلیم کی ضرورت و اہمیت پر بڑی مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ خاص طور پر تعلیم نسواں کے بارے میں ہندوستان کے مسلمانوں پر کڑی تنقید کی ہے اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ مسلمانو تم اس فرض سے غافل ہو۔ اگر اپنے گھر اور معاشرے کو مہذب بنانا چاہتے ہو تو خدارا اپنی مستورات کو زیور تعلیم سے آراستہ کرو۔ وہ عورتوں کی تعلیمی اصلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جن حدود و قیود کا تعین کیا ہے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے عورتوں کی تعلیم کے لیے اصلاحات کی جائیں۔ اس ضمن میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے پردے کے حوالے سے جو حدود و قیود قائم کی ہیں، ہمارے بڑے بڑے ملکی مصلح قوم اس دباؤ کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر سے اس فحش و فجور کو پھر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ یورپ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے عورتیں ننگی تھی، اسلام نے ہی ان کو باوقار زندگی بخشی۔ آج پھر سے عورتیں ننگی ہیں۔ یہ جدیدیت نہیں ہے بلکہ قدامت پرستی ہے۔ عورت کو آزادی ضرور دینی چاہیے لیکن بے پردگی نہیں[۸۶]۔

درج بالا سطور میں انیسویں صدی کی عورتوں کی تعلیمی پستی اور ہندوستان کے نظام معاشرت اور تمدنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا بھرپور نقشہ کھنچا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں اپنے عہد کے حالات و واقعات پر بڑی سنجیدگی سے روشنی ڈالتی ہیں۔

اردو شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام دونوں مختصر ہیں۔ البتہ مصنف نے اردو شاعرات کے زمانے، عہد اور حالات و واقعات پر اضافی معلومات فراہم کی ہیں۔ بعض شاعرات کے ذیل میں مصنف نے ایسی معلومات درج تذکرہ کی ہیں جو کہیں اور سے دست یاب نہیں ہوتیں۔ اگرچہ اس تذکرے میں اردو زبان کی شاعرات کی تعداد زیادہ نہیں ہے لیکن پھر بھی اردو زبان کی بہت سی نئی شاعرات کو اس تذکرے میں شامل کیا گیا ہے جو اس سے پہلے تذکروں میں مذکور نہیں ہیں۔

تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے میں کہیں بھی مصنف نے شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان کے کلام کے بارے میں اپنی کوئی رائے دی ہے۔ چاہے وہ اردو کی شاعرات ہوں یا عربی و فارسی یا دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین پر کہیں ایک آدھ جملہ بھی تحریر نہیں کیا جو ان کے تنقیدی شعور کے اجاگر کرتا ہو۔ البتہ مصنف نے شاعرات کی سوانح میں بہت سے ایسے واقعات کا اندراج کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے اہم ہیں اور جن سے اپنے عہد کے تمدنی مزاج کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ چوں کہ اس تذکرے کا دائرۂ کار صرف ہندوستان تک محدود نہیں۔ بلکہ اس میں ایشیا، یورپ اور دنیا بھر کی خواتین شامل کیا گیا، اس لیے اس میں بعض حالات ایسے بیان ہوئے ہیں جو نہ صرف ہندوستان کے نظام معاشرت اور تمدنی زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے پردہ اٹھاتے ہیں بلکہ دینا بھر کے معاشرتی، اور تمدنی زندگی کے مختلف مظاہر کے بہت سے پہلوؤں کی گرہ کشائی بھی کرتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اس تذکرے کی اہمیت مسلم ہے، جو اس تذکرے کو دوسرے تذکرے سے ممتاز کرتے ہیں اور مصنف کے تاریخی شعور کی گرہ کشائی کرتے ہیں۔

تحقیقی اعتبار سے یہ تذکرہ یوں اہم ہے کہ اس تذکرے میں مصنف نے اگرچہ شاعرات کے سن پیدائش اور وفات کا تعین نہیں کیا لیکن شاعرات کے بارے میں معلومات کا اندراج مزید تحقیق کے بعد درج کیا ہے۔ حالات و واقعات کا اندراج بھی مستند کتابوں سے اخذ کر کے صحت کے ساتھ کیا ہے۔ تذکرے کے شروع میں مصنف نے جن جن کتابوں، رسالوں اور تذکروں سے معلومات لی ہیں، ان ماخذات کی فہرست شروع میں مقدمے میں بھی پیش کر دی ہے۔ اور تذکرے کے اندر جگہ جگہ قوسین میں ان کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

تذکرے میں حسن ترتیب کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ شاعرات کا اندراج اگرچہ الف بائی ترتیب سے کیا گیا ہے لیکن تذکرے کے شروع میں فہرست نہ ہونے کی وجہ سے مطلوبہ شاعرات کو ڈھونڈنے میں مشکلات کا سامنا

کرنا پڑتا ہے۔اس کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے اندراج کے ذیل میں بھی مصنف تذکرہ نے یہ التزام نہیں برتا کہ وہ ہر زبان کی شاعرات اور دیگر خواتین کی ترتیب و اندراجات کا کوئی علاحدہ علاحدہ طریقہ کار اختیار کرتے، جس سے مطلوبہ شاعرہ تک رسائی آسانی سے ہو جاتی۔اگر مصنف اس تذکرے کی ترتیب کے لیے اردو، فارسی، عربی اور دیگر خواتین کی ترتیب کا کوئی مخصوص اور علاحدہ علاحدہ طریقہ کار اختیار کرتے تو یقیناً اس سے بہتر نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے اور دل چسپی کا باعث بھی بنتے۔

بہ حثیت مجموعی یہ تذکرہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں نہ صرف متنوع زبانوں کی خواتین کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور ادبی سرمایے کے ارتقا کا بخوبی علم ہوتا ہے بلکہ ہندوستان اور ایشیا سمیت دنیا بھر کے ادبی، معاشرتی اور تمدنی مظاہر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔مزید برآں مصنف کی وسیع النظری اور وسعت مطالعہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حور و مقصورات (۱۹۰۷ء):

اس تذکرے کی مؤلف سید النسا ہیں۔ یہ تذکرہ مطبع العلوم علی گڑھ میں چھپا۔ عربی، فارسی اور اردو کی شاعرات کے حالات اور ان کا نمونۂ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔تذکرے کو حروف تہجی کی ترتیب سے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔اس میں زیادہ تر شاعرات عربی اور فارسی کی ہیں۔اردو کی ایک دو شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔

چمن لالہ زار (۱۹۱۶):

چمن لالہ زار المعروف بہ یادگار بہار چند اردو غزل گو شاعرات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔یہ تذکرہ نہیں بلکہ انتخاب ہے جس میں منتخب شاعرات کے کلام کو جمع کیا گیا ہے۔یہ ۱۹۲۹ء میں باہتمام محمد صادق پروپرائٹر صادق پریس لکھنؤ میں چھپا۔ اس تالیف کے بارے میں اور کسی قسم کی معلومات دست یاب نہیں ہوتیں۔شروع کے سرورق پر اس کا نام اور جہاں سے چھپا اس کے مطبع کا نام اور جس کی فرمائش پر یہ چھپا اس کا اندراج ہے۔

یہ تذکرہ صرف سولہ صفحات پر مشتمل ہے صفحہ دو سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے۔بسم اللہ سے تذکرے کا آغاز ہوتا ہے۔شروع کے صفحے میں محمد کاظم صاحب آزاد جن کی فرمائش پر یہ شائع ہوا ان کی غزل درج ہے۔تذکرے میں شاعرات کا نام، عرف اور تخلص کا اندراج کیا گیا ہے، اس کے علاوہ شاعرات کے ذیل میں اور کسی قسم کی اضافی معلومات شامل نہیں ہے۔البتہ شاعرات کے انتخاب کلام کی دو دو تین تین غزلوں کا اندراج کیا گیا ہے یہ صرف لکھنؤ کی چند شاعرات تک محدود ہے۔

تذکرۃ الخواتین (۱۹۲۷):

مولانا عبدالباری آسی کا تالیف کردہ تذکرہ ہے جو ۱۹۲۷ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ اس تذکرے میں تقریباً تین سو زائد شاعرات کا ذکر ہے۔ یہ تذکرہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ اردو گو شاعرات پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں فارسی گو شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے اس تذکرے کے صفحات کی تعداد ۲۸۸ کے قریب ہے۔

حصہ اول میں تقریباً ۲۰۸ کے قریب شاعرات کا اندراج بہ لحاظ حروف تہجی ترتیب دیا ہے۔ حصہ اول کی پہلی شاعرہ اچپلؔ سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۱۸۰ پر یاسمینؔ پر ختم ہوتا ہے حصہ دوم میں فارسی کی ۹۵ شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس حصے میں ان شاعرات کو شامل کیا گیا ہے جو ہندوستان اور ہندوستان سے باہر یا تو فارسی میں شعر کہتی تھی یا اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ اس کا متن صفحہ ۱۸۰ سے فارسی میں شعر کہنے والی آرامؔ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۲۸۸ پر وزیر النساؔ کے کلام پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

تذکرے کے شروع میں سات صفحات پر مشتمل مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے۔ مقدمے میں علمی و ادبی بحثیں موجود ہیں۔ تذکرے میں مصنف نے تذکرے کی سبب تالیف پر روشنی ڈالی ہے لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ یہ تذکرہ انھوں نے کب لکھنا شروع کیا اور اس کو کتنے عرصے میں مکمل کیا۔ تذکرے کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " عورتوں کی صلاحیتوں کو ہمیشہ ہر شعبے میں پس پشت ڈال دیا جاتا ہے حتی کہ آج تک جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ہیں، ان میں زیادہ تر حصہ مردوں کے کلام پر مشتمل ہے اور خواتین کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ دراصل ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ خواتین کی تخلیقی صلاحیتوں کو اگر دیکھا جائے تو صنف نازک کے پر اثر جذبات، صاف و شفاف خیالات، زبان و بیان کی دل کشی، نرم و گداز لب و لہجہ میں فطری اور خلقی دل کشی مردوں سے زیادہ ہے۔ یہ تمام باتیں شاعری کی خوبیوں کی جان ہیں اور طبقۂ نسواں میں اعلیٰ درجے پر موجود ہیں۔ بہر حال یہ سب قدرتی مواد موجود ہے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان کے کلام کو جمع نہ کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اس سے پہلے جتنے بھی تذکرے لکھے گئے وہ سب جوہر تنقید سے عاری ہیں۔ لکھتے ہیں کہ تذکروں میں تنقید کی کمی پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے یہ ایسی کمی ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہے۔ بجز اس کے کہ ایسے تذکرے لکھے جائیں جن میں نقد و بحث ہو۔"[۸۷]

یہ مقدمہ بعض مندرجات کے لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں بہت سے ایسے مباحث اور نظریات موجود ہیں۔ جو بعد میں نظریات کی صورت میں منظر عام پر آئے مثلاً اس تذکرے کے دیباچے میں مصنف نے بین السطور ایک تنقیدی نظریے کے بارے میں اظہار کیا ہے جو بعد میں ۱۹۶۶ میں بین التونیت کے تحت منظر عام پر آیا[۸۸]۔ اس کے علاوہ مصنف نے اس مقدمے میں اس تذکرے کی ترتیب کے اصولوں کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس

تذکرے کو مرتب کرتے وقت کن کن اصولوں کو مد نظر رکھا جائے گا۔ مثلاً طوائفوں اور پردہ نشینوں کو الگ الگ کرنے کے بجائے ایک ہی ترتیب حروفِ تہجی کے مطابق لکھا ہے البتہ طوائفوں کے آگے (ط) کا نشان لگا کر انھیں نمایاں کر دیا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس سے مجبور ہیں کہ جس صنف میں ایک عالی خاندان شریف مستورہ، عفت نشین یا ایک نوجوان دوشیزہ جبین والا ودمان کا ذکر ہو وہیں ایک حسین بازاری بھی ہو مگر کیا کیا جائے۔ پھر اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر ایک طوائف یا اسی قسم کی شاعرہ کے ساتھ ہی (ط) کا نشان دے دیا گیا ہے [۸۹]۔

یہ اردو اور فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں مصنف نے ایک تخصیص یہ کی ہے کہ مصنف نے اردو اور فارسی شاعرات کو دو الگ الگ حصوں تقسیم کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ باقی تذکروں کی نسبت مصنف نے فارسی شاعرات کے کلام کے ساتھ ان کے کلام کے اردو تراجم بھی کیے ہیں جو متن کی تفہیم میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

یہ تذکرہ اپنی انشا پردازی اور تنقیدی حوالے سے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف نے چٹکلوں اور لطائف و ظرائف سے اپنے اعلیٰ تخلیقی اسلوب کو جس طرح زندہ کیا، ادبی اعتبار سے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ تذکرے میں اکثر شاعرات کے احوال میں دل چسپ حکایات اور واقعات کو بیان کر کے تحریر کو دل چسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تحریر میں چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔ تذکرے میں مصنف نے شاعرات کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کی خوبیوں اور حسن ظاہری کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ شاعرات کے کلام کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے علاوہ بعض جگہوں پر اصلاح سخن کا فریضہ بھی سر انجام دیا ہے۔ تذکرے میں موجود تذکرہ نگار نے ہر شاعرہ پر تبصرہ تو نہیں کیا البتہ کہیں کہیں شاعرات کے کلام اور ان کے فنی اسلوب پر مصنف نے جس طرح رائے زنی کی ہے وہ ان کے اعلیٰ تنقیدی گوشوں کو آشکار کرتی ہے۔ اس طرح کی تنقید کا یہ پہلو اس سے پہلے تذکروں میں کم نظر آتا ہے۔ لسانی اعتبار سے بھی یہ تذکرہ اپنی مخصوص ثقافتی، تہذیبی اور تمدنی مزاج کی صورت حال کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

تذکرے میں بعض مشاعروں کا احوال، ان کی محفل آرائی کا ذکر اور بعض تاریخی واقعات کا احوال بھی ملتا ہے جو تاریخی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

ادبی، تنقیدی اعتبار سے یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے لیکن تحقیقی حوالوں سے اس میں تحقیق کا پاس بالکل نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ مصنف نے شاعرات کی تاریخ پیدائش، وفات، عہد، اساتذہ کا سراغ دینے کی کوشش کی ہے لیکن بعض شاعرات سے متعلق جن واقعات کا اندراج کیا ہے، ان میں اکثر کی صحت مشکوک ہے۔

تذکرے کی تالیف میں مصنف نے جن ماخذات سے استفادہ کیا ہے، تذکرے میں ان ماخذات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ مصنف نے قدیم تذکروں سے مکمل استفادے کے بعد معلومات کا اندراج کیا ہے جو اس تذکرے کی تالیف سے پہلے منصہ شہود پر آ چکے تھے۔ البتہ بعض جگہوں پر سنی سنائی باتوں پر بھی تکیہ کیا ہے۔

تذکرے میں اعتدال اور توازن کی کمی ہے۔ شاعرات کی سوانح اور انتخابات کلام دونوں میں توازن نہیں ہے۔ بعض شاعرات کے ذیل میں صرف ان کے نام اور تخلص پر اکتفا کیا ہے البتہ بعض شاعرات کے حالات کو مناسب اہمیت کے ساتھ شامل کیا ہے۔ انتخاب شعر کے معاملے میں مصنف نے توازن کو برقرار نہیں رکھا یعنی فقط دو شعر اور بعض جگہوں پر دو دو صفحوں پر اشعار کا اندراج ملتا ہے۔

تذکرہ جمیل (۱۹۲۹ء):

تذکرہ جمیل عبدالرزاق بسمل کا تالیف کردہ تذکرہ ہے جو ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ یہ بیسویں صدی کی خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ تذکرے میں نثر نگار خواتین اور شاعرات دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے میں ۵۶ شاعرات اور نثر نگار خواتین کا اندراج ملتا ہے، جن میں بیس شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ دیا گیا ہے۔

اس تذکرے میں حروف تہجی کی ترتیب نظر نہیں آتی اور نہ ہی تذکرے کے مقدمے میں تذکرے کی ترتیب کے طریقہ کار کی وضاحت ملتی ہے۔ انھوں شاعرات اور نثر نگاروں کے اندراج کا کوئی علیحدہ طریقہ اختیار نہیں کیا اور نہ ہی ان کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے بلکہ جیسے جیسے ان کے حالات دست یاب ہوئے ویسے ہی ان کا ذکر بھی کر دیا۔ تذکرہ کے شروع میں فہرست کا اندراج بھی نہیں کیا گیا جس سے مطلوبہ مواد تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ مصنف اگر اس تذکرے کی ترتیب کا کوئی طریقہ کار اختیار کرتے تو اس کے بہتر نتائج نکلتے۔

شروع کے چند صفحات میں مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے جس میں مصنف نے بیسویں صدی میں تعلیم نسواں ہند کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے خواتین ہند کے قلمی کارناموں اور ان کے کمالات کا ایک طرف جائزہ پیش کیا ہے تو دوسری جانب تذکرے کی تالیف میں درپیش مشکلات، چلنجز اور رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے جو انھیں تذکرہ کا مواد حاصل کرنے میں حائل رہیں۔ مثلاً وہ خواتین تخلیق کاروں کی جانب سے اپنے حالات اور کارناموں کی فراہمی نہ کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ خواتین سے مسلسل کوششوں اور درخواستوں کے باوجود انھوں نے حالات تک عنایت نہیں کیے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ " خواتین کے حالات کی فراہمی میں متعدد کوششوں کے باوجود ہم جنسی کا فلسفہ بھی شکستہ ہو گیا اور ان کی امیدیں بھی صدا بہ صحرا ہی ہو کر رہیں۔ ایک خاتون کا فرمودہ کہ خواتین کو بیدار کرنا ٹیڑھی لکیر ہے" سچ ثابت ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اسی قبیل کے ماحول میں اگر دو ڈھائی سال کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ جو پیش کیا جا رہا ہے وہ قابل ستائش نہ سہی۔ لیکن نکوہش بھی نہیں کہلا سکتا، ورنہ ارادہ یہ تھا کہ کوئی پڑھی لکھی خاتون تذکرے سے نہ رہ جائے مگر اس کو کیا کیجیے کہ جو کام اپنے بس میں نہ ہو۔"[۹۰]

تذکرے کے شروع میں معین الدین علی کا اس تذکرے پر مختصر اور جامع تبصرہ نہ صرف تذکرے کی ادبی، سماجی اور تاریخی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اس تذکرے کے ادبی فوائد پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ وہ خواتین کی ادبی خدمات کو سراہاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک صدی سے زائد تعلیم پاتے مردوں میں معدودے چند کے سوا وہ لطافت اور اسلوب بیان پیدا نہ ہو سکا جو تقریباً نصف صدی کے اندر ہی کوششوں سے اس تذکرے میں مذکور خواتین نے حاصل کیا ہے۔ ان خواتین نے سائنٹفک مضامین کو بھی عام فہم زبان میں پیش کیا اور شاعری اور افسانہ نگاری میں بھی عمدہ اور بہترین نگارشات پیش کی ہیں۔ اس تذکرے کو انھوں نے نسوانی اور تحریک آزادیٔ نسواں کے لیے ہونے والی کوششوں ،کا مرقع قرار دیا ہے۔"[91]

یہ تذکرہ اپنے بعض مندرجات کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ خواتین کے سوانحی حالات کے علاوہ ان کے خاندانی پس منظر، تعلیمی سرگرمیوں، ملازمت، مذہب، ملک پر جامع انداز میں معلومات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تذکرے میں خواتین کی تخلیقی نگارشات کے نمائندہ نمونوں کو بھی پیش کیا گیا ہے جو اپنے عہد کے سیاسی، سماجی حالات و واقعات، رجحانات اور تہذیبی زندگی کے دل چسپ مظاہر کی معلومات کا احاطہ کرتے ہیں۔

سوانحی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات اور نثر نگار خواتین کے حالات کا اندراج صحت کے ساتھ کیا ہے۔ مصنف نے شاعرات کے حالات و واقعات کے اندراجات میں تحقیق کے تمام لوازمات کو مد نظر رکھا ہے۔

اس تذکرے میں تنقید کا پہلو نظر نہیں آتا۔ نہ ہی شاعرات کے حالات اور کلام کوئی تبصرہ ملتا ہے اور نہ ہی اپنی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ البتہ انتخاب کلام موزوں اور معتبر ہے۔ مصنف نے شاعرات اور نثر نگار خواتین کی عمدہ اور نمائندہ تخلیقی نگارشات کو منتخب کیا ہے جو ان کی فکری اور فنی پختگی کی آئینہ دار ہیں۔

ماخذات بھی مصنف نے اپنی ذاتی کوششوں سے خواتین سے براہ راست خط و کتابت کر کے حاصل کیے ہیں اور یہ مصنف کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

بحیثیت مجموعی اس تذکرے کی ادبی، تحقیقی اور تاریخی اہمیت مسلم ہے۔ ایک طرف اس تذکرے میں دور حاضر کی نامی گرامی اور نمائندہ خواتین کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے تو دوسری جانب یہ بیداری نسواں کی تحریک کا نقیب بھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ تذکرہ بیسویں صدی میں خواتین کے شعر و ادب میں ان کی خدمات اور ارتقا کا جائزہ بھی پیش کرتا ہے۔ اس تذکرے میں مذکور ان کے فن پاروں سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ اس عہد میں خواتین نے کن کن موضوعات پر قلم اٹھایا اور اپنے ماحول، زمانے اور عہد کو انھوں نے کس طرح دیکھا اور ان کو اپنی تحریروں میں کس طرح پیش کیا۔

خواتین عہد عثمانی (۱۹۳۶):

خواتین عہد عثمانی نصیر الدین ہاشمی کی تالیف کردہ کتاب ہے۔ جو ۱۹۳۶ء میں حیدر آباد دکن اعظم اسٹیم پریس کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب کے علاوہ مصنف کی خواتین پر تین اور کتابیں بھی ہیں جو حیدر آباد دکن کی خواتین سے متعلق ہیں اور جن کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا جائے گا۔ اسی سلسلے کی سب سے پہلی کڑی جو ہمیں نظر آتی ہے وہ خواتین عہد عثمانی ہے

یہ کتاب ضخامت کے لحاظ سے ۱۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کے دو تین صفحات میں کتاب کے مضامین کی فہرست ہے جس میں مصنف نے تقریباً خواتین کے مختلف شعبوں سے متعلق ۶۲ کے قریب مضامین کو شامل کیا ہے۔ مصنف نے ان مضامین کے تحت کسی بھی شعبے میں خواتین کی کارکردگی کو جانچتے ہوئے ان کو ترقی کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ مضامین خواتین کے اسباب بیداری اور علمی بیداری سے شروع ہوتے ہیں اور متنوع شعبوں مثلاً خواتین کی تعلیمی ترقی سے لے کر ان کی شاعری، مصوری، فنون لطیفہ، اداکاری، تصنیف وتالیف، باغبانی اور مختلف شعبوں میں خواتین کی انجمنوں کے علاوہ اجتماعی بیداری اور ملکی اور قومی خدمات پر مشتمل ہیں اور مختلف شعبوں میں ان کی ترقی کے کارناموں کو نمایاں کر رہے ہیں۔ کتاب کے آخر میں چند صفحات پر مشتمل خواتین کے ناموں کا اشاریہ ہے جن کے نام اس کتاب میں شامل ہیں۔ یہ اشاریہ کتاب کے مطالعے میں سہولت فراہم کرتا ہے۔

یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک جدید تالیف ہے جس میں خواتین دکن کی بیداری کے اسباب بتاتے ہوئے ان خواتین کی ہر نوع کی ترقیوں پر مختصر اور جامع انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے کسی بھی شعبے میں ترقی کی ہے۔ اس کتاب میں دور عثمانی میں خواتین کا ارتقاد کھاتے ہوئے پچیس سالہ خواتین کی ترقی کے تذکرے کو دل چسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جنھوں نے علم وفن کے خصوصیات کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ، شاعری، موسیقی، مصوری، اداکاری کے شعبے میں اپنے کمالات کو بام عروج پر پہنچایا۔

مصنف مقدمے میں کتاب کے مندرجات پر روشنی ڈالتے ہوئے عہد عثمانی کی ہمہ گیر ترقیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عہد عثمانی کی ترقیوں کا ذکر آج سے پہلے چند ارباب قلم نے مختلف انداز میں کیا ہے مثلاً محی الدین قادری زور نے عہد عثمانی میں اردو ترقی لکھی۔ عبد القادر سہروردی نے تعلیمی ترقی کو مفصل انداز میں بیان کیا۔ اگرچہ یہ تمام کتابیں ایک علم دوست کی علمی دل چسپی اور سرپرستی کے باعث وجود میں آئیں، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد عثمانی کے اس پچیس سالہ دور حکومت میں قلمرو آصفیہ نے جو کثیر الجہت ترقی کی ہے وہ کسی مستقل تصنیف کی مستحق ہے۔ دوسرا دیگر علمی، تمدنی اور معاشرتی ترقیوں کے لیے خواتین کا احساس بیداری اور ہمہ جہتی ترقی کے لیے ان کا مردوں کے دوش بدوش آنا عہد عثمانی کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ تیسرا وہ اس کتاب کی مزید اہمیت

اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملکہ کے تخت نشینی کے جشن کی تقریب میں یہ کتاب جس میں خواتین کی ہر بیداری کا تبصرہ وذکر کیا گیا ہے، یوسف کی خریداری کے لیے ضعیفہ کا سوت لے جانے کے مصداق ہے [۹۲]۔

بہ حیثیت مجموعی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک کثیر الجہت تصنیف ہے۔ اس کتاب کے ذریعے عہد عثمانی میں خواتین کی ہمہ جہت پہلوؤں کی ترقی کا اندازہ لگایا سکتا ہے۔ دوسرا سرکاری سطح پر خواتین کی ترقی کے لیے جو کوششیں ہوئیں اور انھیں زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھنے کے جو مواقع فراہم کیے گئے وہ بھی اپنی جگہ قابل ستائش ہیں اور ایک ایسے دور میں جب خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے دھکیلا جا رہا تھا۔ خواتین کے شعور کو بیدا کیا اور انھیں اس قابل بنایا کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے ترقی کے زینے طے کریں، خواتین کو بیدار کرنے کے لیے یہ بڑا اور لائق تحسین اقدام تھا اور قلمرو آصفیہ کی جوہر جہتی ترقی کو نمایاں کرتا ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں مصنف نے شاید ہی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ جس پر مواد جمع نہ کیا ہو اور ان پر اپنا تبصرہ نہ کیا ہو۔ یہ تمام باتیں ایک کثیر الجہت مصنف کی علمی، تحقیقی خدمات پر نہ صرف روشنی ڈالتی ہیں بلکہ ان کی وسعت مطالعہ اور متنوع فکری نظریات کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔

شماریاتی لحاظ سے بھی اس کتاب میں زندگی کے ہر شعبے میں شروع سے آخر تک خواتین کی ترقی کا تناسب اور اعداد وشمار کا بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ کسی میں میدان میں خواتین کے آگے بڑھنے کا تناسب شروع میں کیا تھا اور اس کے بڑھنے کی رفتار کیا ہے اور آخر میں اس کے مثبت نتائج کا تناسب کیا رہا۔

طوطیانِ ہند (۱۹۳۶):

تذکرہ کے مؤلف مولانا تمکین کاظمی ہیں۔ یہ تذکرہ انھوں نے ۱۹۲۸ میں ترتیب دینا شروع کیا اور آٹھ سال کے عرصے میں ۱۹۳۶ کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ یہ تذکرہ شائع نہیں ہوا اور تاہنوز غیر مطبوعہ ہے اور ادارہ ادبیات اردو دکن کی لائبریری میں اس تذکرے کا غیر مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔ تذکرہ مخطوطات جلد پنجم مرتبہ قاری محی الدین زور نے اس تذکرے کا مختصر تعارف کروایا ہے۔ اس تذکرے کے بارے میں تذکروں پر کام کرنے والے محققین نے بھی مختصر سی معلومات فراہم کی ہے۔ ان محققین میں ڈاکٹر مجید بیدار اور ڈاکٹر قمر رئیس شامل ہیں۔ لیکن ان کی معلومات کا دارمدار قاری محی الدین زور کی تذکرہ مخطوطات کی فہرست ہی ہے۔ قاری محی الدین زور اس تذکرے کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اردو شاعرات کا تذکرہ ہے اور اس میں اردو زبان کے آغاز سے لے کر عہد حاضر تک خواتین کے تذکرہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس کی ترتیب کے لیے شاعرات کے تخلصوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حروف ابجد کا طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کیا ہے۔ اس تذکرے میں تقریباً ۳۷۵

شاعرات کے احوال اور ان کے نمونہ کلام کا ذکر ہے اور صفحات کی تعداد ۳۷۸ کے قریب ہے۔ محی الدین زور اس تذکرے کے بارے میں مزید معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ تذکرہ خود مولف کا مسودہ ہے۔ ابتدا میں کوئی دیباچہ نہیں ہے۔ اختر کے کلام سے شروع کیا ہے اور متعدد گم نام شاعرات کے کلام کے نمونوں پر ختم کیا ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو شائع کیا جائے۔[۹۳]

محی الدین ڈاکٹر زور صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا تمکین کاظمی نے یہ مسودہ اس تحریر کے ساتھ ادارے کو بطور عطیہ عنایت فرمایا ہے کہ:

> مخطوطات کی جلد چہارم کے بعد ہی جلد پنجم کی ترتیب خدا مبارک کرے۔ میری دلی دعا اور تمنا ہے کہ یہ فہرست بھی سابقہ فہرست کی طرح وقیع ہو۔ میرے پاس جتنی قلمی کتابیں تھی میں نے تین چار سال ہوئے کہ کتب خانہ آصفیہ کو دے دیں۔ اب میرے پاس ایک قلمی نسخہ بھی نہیں ہے۔ چونکہ آپ نے جلد پنجم کی ترتیب کا مژدہ سنایا ہے اس لیے جی چاہنے لگا کہ اس جلد میں میری دی ہوئی کوئی کتاب ہو۔ اپنے مختصر کتب خانے کو ٹٹولا تو ایک قلمی کتاب بھی نہ ملی۔ مجبوراً یہ مسودہ نذر کر رہا ہوں۔ میں نے اردو شعر کہنے والی عورتوں کا تذکرہ ترتیب دینے کے خیال سے آٹھ نو سال تک مواد اکٹھا کیا۔ یہ مواد نہ تو بالکل منتشر ہے اور نہ مسودہ کہلا سکتا ہے۔ البتہ تخلص وار یا اسم وار مرتب ضرور ہے۔ اسے قبول فرمایئے۔ مستقبل میں اس کی اہمیت خاصی بڑھ جائے گی اور آئندہ تحقیق کرنے والے اس سے بڑا کام لے سکیں گے۔
>
> ہدیۂ تنگ دستاں را بہ چشم کم مبیں   از مروت بر سرخوان تہی سرپوش باش
>
> فقط آپ کا
> تمکین کاظمی
> ۲۴ مارچ ۱۹۵۹ء[۹۴]

خیابانِ نسواں (۱۹۳۸):

خواتین عہد عثمانی صاحب موصوف کا ایک دل نشین اور دل چسپ کارنامہ ہے۔ یہ کتاب عصمت بک دہلی سے ۱۹۳۸ء میں منظر عام پر آئی۔ جس میں مصنف نے سرزمین دکن کی ایسی گم شدہ ہستیوں کو منظر عام پر لا کھڑا کیا جن کو اگر کئی صدیاں بھی گزر جاتیں تو ان سے شاید دنیائے ادب لا پتہ اور لا علم رہتی۔ ہاشمی صاحب نے ان کے کارناموں کو دنیائے ادب سے روشناس کروانے میں اہم کردار ادا کر کے تاریخ کے اوراق میں ان کو محفوظ کیا۔

ضخامت کے لحاظ سے اس کے صفحات کی تعداد ۱۲۰ کے قریب ہے اور دیکھنے میں یہ ایک مختصر سی کتاب ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ہاشمی صاحب کے ۱۸ مضامین شامل ہیں جن میں کچھ اس سے پہلے

ملک کے موقر جریدوں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور بعد میں انھیں اور کچھ نئے مضامین شامل کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

کتاب کا پہلا مضمون ایک قدیم خاتون خولہ بنت ازور پر ہے جس میں مصنف نے اس بہادر خاتون کی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔ دوسرے مضمون میں نامور خواتین کے سیاسی و سماجی کارناموں پر بات کرنے کے بعد بیجاپور کی ایک ملکہ کے علمی کارناموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ تین مضامین حیدرآباد اور دکن کی قدیم شاعرات سے متعلق ہیں جن میں مصنف نے ان کے حالات اور کلام کے نمونوں پر تحقیق و دریافت کے بعد ان پر تنقیدی نظر ڈالی ہے "بادہ کہن کے" نام اس مضمون تعلیم نسواں کی تعلیم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور اسی نوعیت کے کئی دوسرے سوالوں سے شروع ہو کر خواتین کی تعلیم کا مذہبی اور تمدنی جواز فراہم کرتا ہے اور تعلیم نسواں کی ضرورت واہمیت اور اس کی تاریخ پر نہایت مدلل انداز میں روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تعلیم نسواں کی ضرورت بہ لحاظ تمدن اور بہ لحاظ مذہب تاریخ کے ساتھ ملزوم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تعلیم نسواں پر تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب حضرت آدم کا وجود عمل میں آیا اور تعلیم کی بارگاہ میں اسے صمدیت حاصل ہوئی اس وقت جنس نازک کو بھی تعلیم جیسی نعمت عظمیٰ میں برابر کا شریک اور حصہ دار ٹھہرایا گیا۔ آدم کے ساتھ حوا کو بھی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد وہ قرآن پاک کی آیات سے بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین والی دعا کی تعلیم ہوئی تو اس میں حضرت حوا کو بھی برابر کا شریک ٹھہرایا گیا۔ اگر صرف مرد کی تعلیم مقصود ہوتی تو صرف واحد مذکر کا صیغۂ استعمال نہ ہوتا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرد کی تعلیم کے ساتھ شریکِ زندگی کو بھی محروم نہ رکھا گیا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر آدم کے بعد کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قدیم متمدن سلطنتیں مصر، بابل، ایران اور ہندوستان میں بھی تعلیم کو نہایت ضروری ولازمی سمجھا گیا۔ قدیم دور سے لے کر موجودہ دور تک پڑھی لکھی خواتین کی کمی نہیں رہی اور تقریباً ہر دور میں تعلیم نسواں کی ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا گیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا گیا۔ چناں چہ تعلیم نسواں کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں پڑھی لکھی خواتین کے نام جلی حروف میں نظر آتے ہیں۔ آخر میں وہ کلام پاک سے مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کی بات کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبی، تمدنی اور معاشرتی لحاظ سے خواتین تعلیم نہ صرف ضروری اور ابدی ہے بلکہ اس کی ضرورت واہمیت سے کسی بھی صورت انکار ممکن نہیں [95]۔ کتاب کے باقی مضامین خواتین کی معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں جن میں " ہندوستان کی عورتیں"، ہمارا لباس، مسلمان خواتین کا لباس، ہماری رسوم شادی میں اصلاح کی ضرورت اور خواتین حیدرآباد کی معاشرت" وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام مضامین خواتین کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی متنوع قسم کے مضامین کا یہ ادبی، اصلاحی اور معاشرتی مجموعہ آپ اپنا جواب ہے۔اس میں مصنف نے سوال بھی خود اٹھائے ہیں اور ان کے جواب نہایت بحث و تمحیص کے بعد مدلل انداز میں پیش کیے ہیں۔ مضامین کا یہ مجموعہ اپنے افکار و خیالات کے لحاظ سے نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ اس سے مصنف کی خواتین کے موضوع سے دل چسپی اور تلاش و تحقیق سے گہری وابستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔علاوہ ازیں یہ مصنف کے متنوع فکری گوشوں اور نظریات کی گرہ کشائی بھی کرتا ہے۔

خواتین دکن کی اردو خدمات (۱۹۴۰):

خواتین دکن کی اردو خدمات بھی نصیر الدین ہاشمی کی تالیف کردہ خواتین دکن کے موضوع پر لکھی جانے والی تیسری تصنیف ہے جو ۱۹۴۰ میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔خواتین دکن میں قلمرو آصفیہ کی اردو شاعری، نثر نگاری، صحافتی مشاغل وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے۔اس کتاب میں صرف مسلمان خواتین ہی شامل نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔یہ کتاب صرف دکن کی خواتین تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں مدراس، بنگلور اور میسور کی خواتین شامل ہیں۔

ضخامت کے لحاظ سے یہ تصنیف ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔شروع کے چند صفحات میں تذکرے کی فہرست ہے جس میں مختلف ادوار کے تحت نظم اور نثر میں نام پیدا کرنے والی خواتین کا اندراج کیا گیا ہے۔ان میں تیرھویں صدی ہجری سے بیسویں تک کی خواتین شامل ہیں۔

کتاب کے دیباچے میں مصنف اس کتاب کے تالیف کیے جانے کا مقصد بتائے ہوئے لکھتے ہیں کہ خواتین سے متعلق میری دو کتابیں خواتین عہد عثمانی اور خیابان نسواں منظر عام پر آچکی ہیں لیکن اب ایسی کتاب پیش کرتا ہوں جو دونوں عنوانات کے تحت آسکتی ہیں۔اگرچہ خواتین عہد عثمانی میں حیدر آباد دکن کی شاعرہ اور نثر نگار خواتین کا تذکرہ ہو چکا ہے لیکن تفصیل اور ان کے نظم اور نثر کے نمونے نہیں دیے گئے۔چوں کہ مدراس میں اردو اور دکن میں اردو میں خواتین کا تذکرہ تقریباً نہیں ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ان کتابوں کی نہج پر خواتین دکن کا تفصیلی تذکرہ مرتب کیا جائے تاکہ آئندہ اردو کی جامع تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے مکمل مواد ایک جگہ دستیاب ہو سکے۔[۹۶] وہ ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ اردو کی ترقی میں خواتین دکن نے جو حصہ لیا اس کا کوئی مفصل تذکرہ ابھی قلم بند نہیں ہوا،اس مختصر سی کتاب کا مقصد یہ ہے کہ بعض ان خواتین دکن کے کارناموں کی وضاحت کی جائے جنھوں نے اردو کی ترقی میں حصہ لیا۔[۹۷] اردو کی ترقی کے لیے دکنی خواتین نے جو خدمت کی ہے، اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ شعرائے اردو کی سرپرستی وغیرہ

۲۔ شعر گوئی

۳۔ نثر نگاری وانشاپردازی

۴۔ خطابت

۵۔ صحافت اور انجمنوں کے ذریعے اردو کی خدمت گزاری وغیرہ۔[۹۸]

انھی عنوانات کو مد نظر رکھتے ہوئے آئندہ صفحات میں خواتین دکن کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ مزید تذکرے میں مصنف خواتین کو شامل کرنے اور نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے انھیں تین اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ جن کے نام اور کلام سے ہم بہ خوبی واقف ہیں ان کا تذکرہ اس کتاب میں کر دیا گیا ہے۔

۲۔ دوسری وہ خواتین جن کے نام سے بہ وجہِ اشاعت مضامین ہم واقف ہیں لیکن ان کے حالات کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں اور باوجود کوشش ہمیں ناکامی ہوئی۔

۳۔ تیسری وہ ہیں جن کو قصداً متروک کیا کہ اگرچہ روزانہ اکثر و بیش تر اخبارات میں ان کے نام سے مضامین شائع ہوتے ہیں مگر ہماری معلومات کی حد تک وہ اس قابل نہیں ہیں کہ مضامین کو ان کی جانب سے منسوب کیا جائے۔ اس لیے ان کو نظر انداز کرنا ہی موزوں سمجھا گیا۔[۹۹]

تذکرے کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے مختلف عنوانات کے تحت نہ صرف خواتین دکن کی اردو ادب کی ترویج و ترقی کا تذکرہ کیا گیا ہے بلکہ ان کے مختصر حالات زندگی اور ان کے نظم و نثر کے نمونوں کا بھی اندراج کیا گیا ہے۔ حالات اور نمونۂ کلام دونوں اعتبار یہ مختصر تصنیف ہے۔ البتہ اس تصنیف سے خواتین کے مجموعوں اور ان کی تصانیف کے بارے میں ضرور پتہ چلتا ہے جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ ادب کی ترقی و ترویج میں دکنی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سوانحی اعتبار سے اس میں خواتین کی سوانح نہ ہونے کے برابر ہے اور نہ ہی شاعرات اور نثر نگاروں کے بارے میں پیدائش اور وفات کے سنین کا خاص اہتمام ملتا ہے اور نہ اور کسی قسم کی اضافی معلومات کو تذکرے میں شامل کیا گیا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے اس کتاب میں مصنف نے شاعرات اور نثر نگار خواتین کی تخلیقی نگارشات پر اپنا تبصرہ بھی کیا ہے اور ان کو نقد نظر کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اپنا نقطۂ نظر بھی پیش کیا ہے جو مصنف کی فکری تہ داری کو بے نقاب کرتا ہے۔

تذکرے میں اعتدال اور توازن کی کمی ہے۔خواتین لکھاریوں کی سوانح اور نمونۂ کلام دونوں میں توازن نہیں ہے کسی کسی جگہ شاعرات کے حالات ایک ایک دو دو صفحوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور کسی جگہ صرف دو تین سطریں لکھی گئی ہیں۔البتہ منتخبات کلام میں مصنف نے خواتین کی معیاری اور نمائندہ نظم و نثر کے نمونے شامل کیے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تصنیف علم و ادب کے میدان میں خواتین دکن سے متعلق ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور دکنی خواتین کے علمی و ادبی کارناموں اور اردو ادب کی ترقی میں ان کی خدمات کو نمایاں کر رہی ہیں۔

حیدرآباد کی نسوانی دنیا(۱۹۴۴):

حیدر آباد کی نسوانی دنیا خواتین پر لکھی جانے والی چوتھی تصنیف ہے جو ۱۹۴۴ء میں ادارہ ادب جدید حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں پانچ مضامین کے تحت طبقۂ نسواں کی ادبی و غیر ادبی سرگرمیوں کا تبصرہ و تذکرہ کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت میں نمایاں ہیں۔

ضخامت کے لحاظ سے اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۸۸ ہے اور بہ قول مصنف اس میں پانچ مطبوعہ اور ایک غیر مطبوعہ مضامین شامل ہیں۔کتاب کے شروع میں تین صفحات پر ان مضامین میں موجود خواتین کی فہرست کا اندراج کیا گیا ہے۔

کتاب کا پیش لفظ صغری ہمایوں کا ترتیب دیا ہوا ہے اور مقدمہ بشیر النسا بشیر نے لکھا ہے دونوں خواتین نے اس کتاب کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصیر الدین ہاشمی کی علمی و تحقیقی خدمات کو سراہا ہے۔کتاب میں صرف مسلم خواتین کے کارناموں کو ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ اس میں غیر مسلم خواتین کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔پہلا غیر مطبوعہ مضمون ''حیدرآباد ۳۳ ستارے'' کے عنوان سے رقم کیا گیا ہے اس مضمون میں تینتیس خواتین دکن کے مختصر حالات اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کو پیش کیا گیا ہے۔

مصنف اس مضمون کے آغاز میں کتاب کی تالیف کا مقصد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج سے بہت پہلے عبد الرزاق بسمل کا تذکرہ جمیل منظر عام آیا اور یہ تذکرہ صرف دکن کی خواتین پر مشتمل نہیں تھا اس لیے انھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ صرف حیدرآباد دکن کی مشاہیر خواتین کے حالات مختصر طور پر پیش کیے جائیں تاکہ ان کے کارنامے کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جائیں جو ان کے لیے رہبری اور رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔اسی لیے انھوں نے ۳۳ خواتین کا تذکرہ لکھا''۔

اس مضمون میں حیدرآباد کی ۳۳ خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت میں معاشرے میں نمایاں اور ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔کوئی اپنی اعلی و ارفع شخصیت کے لحاظ سے کوئی علمی خدمات کے تحت کوئی سوشل اور سماجی کارکردگی کی وجہ سے کوئی اپنی سرکاری ملازمت کے باعث مشہور و معروف ہیں،ان سب

کے حالات اور کارناموں اور معاشرتی اور علمی وادبی حیثیتوں پر تذکرہ و تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا دوسرا مضمون حیدرآباد کی عورتوں سے متعلق ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے عنوانات اور ذیلی عنوانات قائم کرکے خواتین کی کسی بھی شعبے میں کارکردگی کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً ایک طرف ان کو قومیت اور مذہب کے تناظر میں مختلف خانوں میں تقسیم کرکے ان پر بحث کی گئی ہے تو دوسری جانب ان کو مختلف گروہوں مثلاً تہذیب و تمدن میں تقسیم کیا گیا ہے پھر ان کی مزید ذیلی تقسیم کی گئی ہے۔ کہیں ان خواتین کو کارناموں کو کام اور پیشے کے لحاظ سے اور کہیں ان کو اخلاق و عادات و اطوار میں منقسم کرکے ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ مضمون اپنی نوعیت اور تکنیک کے لحاظ سے دل چسپ اور انوکھا ہے جو نہ صرف حیدرآبادی خواتین کے کاموں کے بارے میں تفصیل پیش کرتا ہے بلکہ ان کے تہذیبی اور تمدنی زندگی کی رنگا رنگی اور مختلف مظاہر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ کتاب کا تیسرا مضمون اردو زبان وادب کی ترقی میں خواتین کی خدمات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ ''خواتین دکن کی خدمات'' کے زیر عنوان مضمون میں اصناف شاعری اور نثر نگاری کی خصوصیات کو واضح کرتے ہوئے زبان وادب کی ترقی میں خواتین کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور جس خاتون نے جس صنف میں شہرت حاصل کی ہے، ان کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے مضمون قلمرو آصفی کے جدید ادب نسواں پر مشتمل ہے، اس مضمون میں بھی ادب کو نظم اور نثر میں تقسیم کرکے جدید لکھنے والی خواتین کے حالات اور نمونے پیش کیے گئے ہیں اور ان کی تخلیقی نگارشات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جدید دور میں بھی خواتین جدید ادب کی ترویج و ترقی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کے یہ کارنامے تابناک مستقبل کا پتہ دے رہے ہیں۔ کتاب کا چوتھا مضمون خواتین کے ذرائع معیشت سے متعلق ہے اور آخری مضمون ''ہمارے خاندان کی عورتیں'' کے عنوان سے قائم کیا ہے اور اس میں مصنف اپنے خاندان کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی خاندان کی خواتین کے علم وادب اور مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے کا تذکرہ مختلف حیثیتوں سے کیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی اس کتاب کے مندرجات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت صرف دکن کو حاصل ہے کہ ابتدا سے لے کر اب تک اس علاقے کو خواتین کا علمی وادبی سرمایہ اسے زرخیز بنا رہا ہے۔ چاہے ادب ہو یا زندگی کا کوئی اور شعبۂ خواتین نے ان تمام شعبوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگر شاعری کی بات کی جائے تو یہ امتیاز بھی صرف دکن کو حاصل ہے کہ اردو کی صاحب دیوان شاعرات دکن سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ چاہے ادب کی خدمت گزاری ہو یا کوئی اور شعبہ خواتین دکن کسی اور ملک سے پیچھے نہیں رہی۔ ان کے ہر میدان میں خدمات اور کارنامے لائق تحسین اور قابل قدر ہیں۔ کتاب میں فاضل مصنف کی مختلف موضوعات پر گرفت ان کے وسعت مطالعہ اور فکری تہہ داری کو واضح کرتی ہے۔

تذکرہ شاعرات اردو(۱۹۴۴):

یہ محمد جمیل احمد بریلوی کا تالیف کردہ تذکرہ ہے، جو قومی کتب خانہ بریلی سے ۱۹۴۴ء میں منظر عام پر آیا۔ اس تذکرے میں صرف ان شاعرات کو شامل کیا گیا ہے جو طبقۂ اشرافیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

تذکرے کی ضخامت ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں شاعرات کی تعداد ۲۱۹ کے قریب ہے۔ تذکرے میں ابتدا سے لے کر ۱۹۴۴ء تک تمام قابل ذکر شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ شروع کے چند صفحات میں شاعرات کی فہرست ہے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کے اس تذکرے پر تبصرے ہیں اور پھر مصنف تذکرہ کا دیباچہ اور مبسوط مقدمہ ہے۔ صفحہ ۹۷ سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور شاعرات دہلی کے اسکول کی پہلی شاعرہ اختر ہے۔ آخری شاعرہ ہمایوں بیگم پر تذکرہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ صفحہ ۷۵۷ سے تذکرے کا ضمیمہ شروع ہوتا ہے اور اس ضمیمے میں اپنے عہد کی چند شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے میں مصنف نے چند ایک شاعرات کی تصاویر کو بھی شامل کیا ہے۔ آخر کے چند صفحوں پر تذکرے میں موجود اشخاص کا اشاریہ ہے۔

تذکرے کو مصنف نے چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ مصنف نے ان ادوار کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی ہے۔

۱۔ موجدین

۲۔ شاعرات اردو کا دہلی اسکول

۳۔ شاعرات اردو کا لکھنؤ اسکول

۴۔ دور حاضر

تذکرے کے شروع میں محترم ڈاکٹر عندلیب شادانی اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی کا اس تذکرے پر مختصر اور جامع تبصرہ ملتا ہے۔ وہ عورتوں کی تخلیقی قوتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مرد مرکز معاشرے میں عورتوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملا۔ جس کی وجہ سے عورت کسی بھی شعبے میں اپنا کوئی کارنامہ نمایاں نہ کر سکی'[۱]۔ وہ مزید اس تذکرے کی اہمیت اور خصوصیات کو اجاگر کرتے ہوئے اس تذکرے سے ماقبل لکھے جانے والے اردو شاعرات کے تذکروں کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس سے پہلے لکھے جانے والے تذکرے شاعرات کے حالات اور نمونۂ کلام کے اعتبار سے حد درجہ مختصر ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ان تذکروں کو دیکھ کر ہم کسی بھی شاعرہ کے رجحانات اور میلانات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ خواتین کی جانب سے تغافل ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم شاعرات سلف کے حالات اور کلام سے بالکل تاریکی میں ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے مورخ اور نقاد بھی خواتین کی ادبی خدمات کا اعتراف کرنے میں بے نیاز نظر آتے ہیں'[۲]۔ وہ اس تذکرے کی اشاعت کو واقعتاً تاریخ، تنقید اور اردو ادب

میں ایک قابل قدر اضافہ قرار دیتے ہیں کہ اس سے پہلے شاعر خواتین کے تذکرے تو بہت لکھے گئے لیکن اپنی پیش کش کے اعتبار سے شاعرات اردو جیسا کوئی تذکرہ مرتب نہیں ہوا۔ وہ اسے مصنف کی مساعی جمیلہ کی کوششوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

تذکرے میں مصنف تذکرے کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھیں اس تذکرے کے لکھنے کا خیال اس وقت پیدا ہوا جب وہ اپنی کتاب اردو شاعری کی مختصر تاریخ مرتب کر رہا تھا۔ یہ خیال اتنا دیر پا ثابت ہوا کہ اس خیال کو مٹانے کے بجائے یہ اور زیادہ گہرا ہوتا گیا۔ جب انھوں نے ۱۹۴۰ میں شاعرات ہند کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس کو بے حد پسند کیا گیا پھر ہر طرف سے اس خیال کو پایہ تکمیل تک پہچانے کی تاکید ہونے لگی اور بالآخر انھوں نے اس کار مشکل کو شروع کر ہی دیا"[۱۰۳]۔ تذکرے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تذکرہ انھوں نے کب لکھنا شروع اور کب ختم کیا۔ البتہ تذکرے میں درج بعض شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ تذکرہ انھوں نے ۱۹۴۰ کے بعد لکھنا شروع کیا اور دو تین سال کے عرصے میں اسے مکمل کیا۔

تذکرے میں کوئی بھی طوائف شامل نہیں ہے۔ طوائفوں کو شامل نہ کرنے کی وجہ صاحب تذکرہ نگار نے یہ بتائی ہے کہ عورت فطرتاً شرم وحیا کا مجسمہ ہے اور شاہدان بازاری کے کلام کا زیادہ تر حصہ فحاشی وابتذال پر مشتمل ہے اس لیے ان کا ذکر عفت مآب خواتین کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ شاہدان بازاری کے کلام کو دیکھ کر یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ ان کا کلام ہے یا ان کے مداحوں میں سے کسی نے ان کے نام کر دیا ہے۔ تیسرا شاہدان بازاری کو یہاں شامل نہ کرنے کی یہ ہے کہ ان کو عفت مآب خواتین کے دوش بدوش ایک ہی بزم میں پیش کرنا ان کی توہین ہے"[۱۰۴]۔

تذکرے میں مبسوط اور مفصل مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں مختلف موضوعات پر علمی وادبی مباحث پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ تذکرے کے شروع میں شاعرات کے کلام کی عدم تدوین کی وجوہات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس کے کلام کی تدوین کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس مقدمے میں اردو زبان کے آغاز وارتقا پر مختصر اور جامع انداز میں تبصرہ پیش کرنے کے بعد اردو شاعری کے آغاز وارتقا پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے کہ اردو شاعری کا آغاز کیسے ہوا اور اس کو آگے بڑھانے والوں کن کن شعرا اور کن کن لوگوں اور کس کس علاقے کے لوگوں نے نمایاں حصہ لیا۔

یہ تذکرہ اپنے بعض مندرجات کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف نے اس تذکرے میں شاعرات کے اسکول قائم کر کے اور ان اسکولوں سے وابستہ شاعرات کے کلام کی نمایاں خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ اس ادواری تقسیم نے تذکرے کو تاریخ سے قریب کر دیا ہے۔ اس نوع کی تقسیم اس سے پہلے کسی تذکرے میں موجود نہیں ہے۔

تحقیقی اعتبار سے اس تذکرے میں تحقیق کے تمام لوازمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلومات کا اندراج کیا ہے۔ مصنف نے جگہ جگہ اپنے بیان کی تائید میں محققانہ حواشی دیے ہیں۔ یہ حواشی نہ صرف تذکرے کی تفہیم میں مدد دیتے ہیں بلکہ بہت سے تاریخی حالات، نئے ماخذات اور بہت سی قیمتی معلومات سے آگاہ کرتے ہیں اور مصنف کی وسیع النظری اور علمی ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ شاعرات کے سوانحی حالات میں بھی مصنف نے کافی تحقیق و تلاش کے بعد ان کا اندراج کیا ہے۔ البتہ قدیم شاعرات کے اندراج میں مصنف نے جو معلومات درج کی ہیں وہ دوسرے تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے تھوڑی سی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن دور حاضر کی شاعرات اور ان کے کلام کو پیش کرنے میں انھوں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے بھی یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کے کلام تنقید و تبصرے سے اپنے اعلیٰ تنقیدی شعور کو آشکار کیا ہے۔ مصنف نے نہ صرف شاعرات کے کلام پر تبصرہ کیا ہے بلکہ شاعرات کے کلام کو تنقیدی کی کسوٹی پر پرکھنے کے علاوہ اپنے زمانے اور ماحول میں رکھ کر دیکھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اگرچہ انتخاب کلام میں مصنف نے کوئی معیار قائم نہیں کیا یعنی غزلوں کے علاوہ قصیدہ، رباعی، نظم جہاں سے بھی کوئی شعر دست یاب ہوا تذکرے میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی یہ تذکرہ سوانحی، تنقیدی اور تحقیقی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ دوسرا اس تذکرے میں شاعرات کی ایک بڑی تعداد منظر عام پر آئی ہے جن کا پہلے کہیں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

تذکرہ شاعرات (س۔ن):

اس تذکرے کی مصنف ایک خاتون نسیمہ دہلوی ہیں۔ یہ تذکرہ ناقص الاول ہے۔ شروع کے صفحات کی عدم موجودگی سے اس تذکرے کے سنہ اشاعت اور اس کی دیگر معلومات کا تعین کرنا مشکل ہے کہ یہ تذکرہ کب شائع ہوا؟ کہاں شائع ہوا اور اس تذکرے کے ناشر کون ہیں؟ اس کے علاوہ تذکرے کا زمانہ اور عہد کے بارے میں کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ البتہ تذکرے کی مصنفہ نے اپنے نام کے ساتھ دہلوی اختیار کیا ہے۔ اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ تذکرہ دہلی میں لکھا گیا۔ بعض متنی شواہد اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ یہ بیسویں صدی کی ابتدائی چند دہائیوں میں لکھا گیا ہے۔

تذکرے کے صفحات کی تعداد ۱۵۹ کے قریب ہے۔ ابتدائی دو صفحات میں مصنف تذکرہ کا دیباچہ ہے۔ صفحہ تین سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور ” ایام غدر کی ایک بدنصیب شاعرہ“ کے نام سے ایک عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے تحت تذکرے کی پہلی شاعرہ اختر کے حالات اور اس کا نمونہ کلام پیش کیا گیا ہے۔

تذکرے کے دیباچہ میں مصنفہ نے صنف شاعری میں خواتین کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے فن شاعری کے ضروری لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے مرد اور عورت کے جذبات کا تقابل کرکے عورت کو جذبات کی بادشاہ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ شاعری میں جذبات کا بڑا عمل ڈاخل ہے۔ اس لیے وہ بین السطور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ شعر و ادب میں بھی عورتیں کبھی مردوں سے پیچھے نہیں رہیں لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں شعر و ادب یا کسی بھی شعبے میں بھی عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو مردوں کو حاصل ہے۔ حتٰی کہ مردوں کے دیوان بھی چھپ چکے ہیں اور تذکروں میں بھی ان کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے اور عورتوں کے نہ تو دیوان ہیں اور نہ ہی تذکروں میں ان کو جگہ دی گئی ہے۔ حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو شاعری کے میدان میں عورتوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے اور بعض عورتوں نے ایسی شاعری کی ہے کہ مرد بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔[۱۰۵]

تذکرے میں اردو، فارسی اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی شاعرات کو جمع کیا گیا ہے۔ تذکرے میں ان باعصمت خواتین، طوائفیں اور غیر مسلم شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے اردو میں شعر کہے۔ لیکن مصنفہ نے شاعرات کے اندراج کا کوئی علاحدہ علاحدہ طریقہ کار اختیار نہیں کیا۔ طوائفوں، باعصمت عورتوں اور غیر مسلم شاعرات سب کا ذکر یک جا طور پر کر دیا ہے۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ نے اس تذکرے میں دہلی، لکھنؤ، کلکتہ بنگال، بہار اور رام پور کی شاعرات کو شامل تذکرہ کیا ہے۔

حالات اور نمونۂ کلام کے اعتبار سے یہ تذکرہ اگرچہ مختصر اور مجمل ہے لیکن تنقیدی اعتبار سے یہ تذکرہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس تذکرے سے مصنفہ کے اعلیٰ تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ شاعرات کے کلام پر نپی تلی رائے اور بے لاگ تجزیہ مصنفہ کے اعلیٰ تنقیدی بصیرت کا پتہ دیتا ہے۔ لسانی سطح پر شاعرات کے اشعار کا لسانی تجزیہ مصنفہ کی فکری گہرائی اور ذہنی وسعت کا پتہ دیتے ہیں۔

تحقیقی اعتبار سے اس تذکرے میں تحقیق کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ شاعرات کے سنین پیدائش اور وفات کا تعین بھی نہیں ملتا اور نہ ہی تذکرے میں درج واقعات کو تحقیق و تفتیش کے بعد ان کا اندراج کیا گیا ہے۔ البتہ شاعرات کے نام، تخلص، عہد پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی گئی ہے۔ تذکرے میں بعض تاریخی، سیاسی و سماجی حالات کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو تاریخی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

تذکرے کے ماخذات کے بارے میں بھی کسی قسم کی نشان دہی نہیں ہوتی کہ مصنفہ نے معلومات کہاں سے لی ہیں۔ البتہ بعض شاعرات کے ذیل میں مصنفہ نے اپنی ذاتی کاوشوں سے اور شاعرات سے خط و کتابت کے ذریعے معلومات حاصل کی ہیں۔

زبان و بیان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی اس تذکرے میں مرصع زبان استعمال کی گئی ہے اعلیٰ تشبعات و استعارات کا استعمال کیا گیا ہے۔ لفظوں کی مدد سے شاعرات کا سراپا کھنچا گیا ہے جس سے شاعرات کی چلتی پھرتی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ تذکرے میں دل چسپ لطائف اور مقولوں کے ذریعے مصنفہ نے اپنے اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں سے اپنے اسلوب کو جس طرح زندہ کیا ہے اس کی مثال کسی دوسرے تذکرے میں نہیں ملتی۔

تذکرے میں اعتدال اور توازن کی کمی ہے۔ اگرچہ میں مذکور شاعرات کے حالات و واقعات مفصل ہیں لیکن ان کے انتخاب کلام کے صرف ایک ایک دو دو شعر پیش کیے گئے ہیں۔ تذکرے میں شاعرات کے اندراج کا بھی کوئی طریقہ کار نظر نہیں آتا، شاعرات کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے بھی نہیں کیا گیا۔ مصنفہ نے عجیب و غریب عنوانات قائم کر کے ان کے ذیل میں شاعرات کا ذکر کر دیا، مثلاً شوہر نواز شاعرہ، آزاد شاعرہ، حاتم کے دو نشتر وغیرہ۔ تذکرے کے شروع میں شاعرات کی فہرست بھی موجود نہیں ہے جس سے کسی بھی شاعرہ کو ڈھونڈنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ تنقید اور اسلوب بیان کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ مصنفہ نے تخیل کے زور سے اس تذکرے کو جس طرح مرصع اسلوب سے سجایا ہے اس کی مثال دوسرے تذکروں میں کم کم نظر آتی ہے۔ دوسرا اس سے پہلے جتنے بھی تذکرے معرض وجود میں آئے وہ سب مردوں نے تالیف کیے ہیں (سوائے ایک تذکرے کا جس کے بارے میں معلومات تو فراہم ہوتی ہیں لیکن وہ تذکرہ دست یاب نہیں ہے) لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا تذکرہ ہے جو ایک خاتون کے قلم سے نکلا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورہ مزمل کے علاوہ متعدد جگہوں پر یہ لفظ تذکرہ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔سورہ مزمل آیت نمبر۱۹،سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۳،المدثر،آیت نمبر۵۴، ۴۹،سورہ الدھر آیت نمبر۲۹ بہ حوالہ حنیف نقوی، شعرائے اردو کے تذکرے: نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک(لکھنو:نسیم بک ڈپو،۱۹۷۲)،ص۱۷۔

۲۔ المنجمد :فی اللغتہ والاعلام الطبعہ الرابعہ والعشرون(بیروت،۱۹۸۳)،ص۲۳۶۔

۳۔ پروفیسر فراق ودیگر،لغات ہیرا(سنسکرت،ہندی،فارسی،عربی،ترکی،یونانی الفاظ کا اردو لغت)(آلہ آباد: ساہتیہ کلا بھون،۱۹۶۶)،ص۱۶۲۔

۴۔ فرہنگ عامرہ(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۹)،ص۱۶۲۔

۵۔ فرہنگ آنند راج،جلد اول،ص۶۷۵بحوالہ شعرائے اردو کے تذکرے:نکات الشعرا سے گلشن بےخار تک،ص۱۷:نصیر الغات ترجمہ غیاث اللغات(لکھنو:نول کشور،)ص۹۷۔

۶۔ منصور عالم،بہار میں اردو تذکرہ نگاری(پٹنہ: دی آرٹ پریس،سلطان گنج،۱۹۸۰)،ص۲۔

۷۔ ایضاً،ص۲۔

۸۔ مولوی سید تصدق حسین رضوی،لغات کشوری(لکھنوٴ: مطبع منشی نول کشور،۱۹۲۳)،۸۵۔

۹۔ مبتلا میرٹھی، طبقات سخن مرتبہ نسیم اقتدار علی(لکھنو: نظامی آفسیٹ پریس،۱۹۹۱)،ص۱۸۔

۱۰۔ ایضاً،ص۱۸۔

۱۱۔ ایضاً،ص۱۹۔

۱۲۔ فوربز، ڈنکن،ڈکشنری اردو اینڈ انگریزی(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲)،ص۲۳۸۔

۱۳۔ ڈکشنری آف اردو کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳)، ص۲۳۰۔

۱۴۔ مہذب اللغات،جلد سوم(سرپرستی حکومت،ہند،۱۹۲۹)،ص۲۴۳۔

۱۵۔ وارث سرہندی،قاموس مترادفات(لاہور: اردو سائنس بورڈ،۲۰۰۱)،ص۳۹۱۔

۱۶۔ مولوی نورالحسن نیر،نور اللغات ،جلد دوم(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۱۹۸۹)،

ص۶۸۲۔

۱۷۔ اردو لغت تاریخی اصول پر جلد پنجم(کراچی:اردولغت بورڈ،۱۹۸۳۔

۱۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ،جلدششم(لاہور:دانش گاہ پنجاب،۱۹۸۰)،۱۸۶۔

۱۹۔ منصور عالم،بہار میں اردو تذکرہ نگاری،ص،۷،۶۔

۲۰۔ نسیم اقتدار حسین مرتبہ،طبقات سخن،ص۲۰۔

۲۱۔ سید عبداللہ، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری(لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۶۸)، ص۲۷۔

۲۲۔ حنیف نقوی،اردو شعراے کے تذکرے نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک، ص۱۷۔

۲۳۔ فرمان فتح پوری،اردو شعراکے تذکرے اور تذکرہ نگاری،ص۱۱۔

۲۴۔ عبدالمجید بیدار،دکنی تذکرے (مہاراشٹر:اردواکادمی،۱۹۸۲)،۱۲۔

۲۵۔ حنیف نقوی،اردو شعراے کے تذکرے نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک، ص۲۰۔

۲۶۔ فرمان فتح پوری،اردو شعراکے تذکرے اور تذکرہ نگاری،ص۱۱۔

۲۷۔ مجید بیدار،دکنی تذکرے ۱۴۔

۲۸۔ منصور عالم،بہار میں اردو تذکرہ نگاری،۱۴۔

۲۹۔ نسیم اقتدار حسین مرتبہ،طبقات سخن،ص۱۸۔

۳۰۔ منصور عالم،بہار میں اردو تذکرہ نگاری،۵تا۸۔

۳۱۔ یہ معلومات مجید بیدار کی تصنیف دکنی تذکرے اور منصور عالم کے تصنیف بہار میں اردو تذکرہ نگاری سے اخذ کی گئی ہیں۔دکنی تذکرے،ص۱۹،۱۸؛بہار میں اردو تذکرہ نگاری،ص۱۲،۱۳۔

۳۲۔ شعراے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن،ص۵۱۔

۳۳۔ سید عبداللہ،شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کافن،ص۹۔

۳۴۔ ایضاً،ص۴۵۔

۳۵۔ ایضاً،ص۴۶۔

۳۶۔ فرمان فتح پوری، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص۲۳،۲۲۔

۳۷۔ حنیف نقوی، اردو شعراے کے تذکرے نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک، ص۴۵،۴۳۔

۳۸۔ مجید بیدار، دکنی تذکرے، ص۸۸تا۱۱۸۔

۳۹۔ مجید بیدار، دکنی تذکرے، ص۱۲۲،۱۲۱۔

۴۰۔ حنیف نقوی، شعراے اردو کے تذکرے: نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک، ص۲۷۔

۴۱۔ ایضاً، ص۸۵۔

۴۲۔ ۱۱۷۔

۴۳۔ فرمان فتح پوری، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص۴۵،۴۴۔

۴۴۔ حنیف نقوی، شعراے اردو کے تذکرے: نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک، ص۱۴۷۔

۴۵۔ ایضاً، ص۸۵۔

۴۶۔ سید عبداللہ۔ شعراے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص۱۰۲۔

۴۷۔ محمود الہٰی مرتبہ، نکات الشعرا (اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۴)۔

۴۸۔ بہار میں اردو تذکرہ نگاری میں شعرا کی تعداد ۶۰ کے لگ بھگ ہے۔ رسالہ نگار میں ۵۹ درج ہے، اصل کتاب میں شعرا کی تعداد ۶۲ ہے۔

بہار میں اردو تذکرہ نگاری، ص۳۳؛ نگار، ص۴۴۔ مرزا افضل بیگ قاقشال تحفہ الشعرا، مرتبہ حفیظ قتیل (حیدر آباد دکن: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۶۱)۔

۴۹۔ اس تذکرے میں کل ۶۲ شعرا کا احوال ملتا ہے۔ جن میں بعض اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ بعض صرف فارسی گو ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے سال نامہ نگار میں اسے اردو زبان کا تذکرہ قرار دیا ہے۔ جب کہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔

مرزا افضل بیگ قاقشال تحفہ الشعرا، مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل (حیدر آباد دکن: ادارۂ ادبیات اردو، ۱۹۶۱)۔

۵۰۔ نگار کے مصنف کے مطابق اس تذکرے میں موجود شعرا کی تعداد ۱۱۸ ہے۔ اصل تذکرے میں شعرا کی

تعداد ۱۲۸ کے قریب ہے۔

قائم چاند پوری، مخزن نکات ، مرتبہ ڈاکٹر اقتدار حسین (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۵)۔

۵۱۔ انصار اللہ، جامع التذکرہ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶)، ص ۱۴۔

۵۲۔ سال نامہ نگار میں شعرا کی تعداد ۲۹۶ ہے۔ اصل تذکرے میں شعرا کی تعداد ۳۰۴ کے قریب ہے۔ میر حسن، تذکرہ شعرائے اردو (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، 1985)؛ نگار، ص ۶۳۔

۵۳۔ طبقات سخن، مرتبہ نسیم اقتدار جہاں، ص ۳۴۳۔

۵۴۔ اصل تذکرے میں اس کا سنہ تالیف ۱۸۰۷ء ہے۔ اردو تذکروں پر کام کرنے والے محققین نے اس کا سن تالیف ۱۸۱۲ء لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔

۵۵۔ سالنامہ نگار میں اس تذکرے کو اردو زبان میں لکھا گیا تذکرہ بتایا گیا ہے، جبکہ یہ فارسی زبان میں لکھا گیا تذکرہ ہے۔

۵۶۔ فہرست درج ذیل کتابوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ حنیف نقوی، شعرائے اردو کے تذکرے: عربی زبان میں تذکرہ نگاری کا ارتقا اورادبیات ایران۔

۵۷۔ یہ اردو زبان میں لکھا گیا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ فارسی زبان میں لکھا گیا تذکرہ ہے۔

۵۸۔ اس تذکرے کی زبان بھی اردو ہے، فارسی زبان میں نہیں لکھا گیا۔

۵۹۔ اس تذکرے کا ذکر تذکروں پر کام کرنے والے محققین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

۶۰۔ نگار کے مصنف نے نگار کی فہرست میں اس کا سال تصنیف ۱۸۰۷ لکھا ہے اور آگے اس تذکرے کی تفصیل میں اس کا سن تصنیف ۱۸۱۲ لکھ دیا ہے۔ اصل تذکرے کا سنہ تالیف ۱۸۰۷ء ہے۔

۶۱۔ اصل تذکرے میں شعرا کی تعداد ۱۲۳ کے قریب ہے جبکہ بہار میں اردو تذکرہ نگاری کے مصنف نے شعرا کی تعداد ۱۲۵ لکھی ہے۔ بہار میں اردو تذکرہ نگاری، ص ۴۳۔

۶۲۔ سید عبداللہ، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۲۔

۶۳۔ گارساں دتاسی، رسالہ تذکرات مرتبہ تنویر احمد علوی، ترجمہ ذکاء اللہ (دہلی: س، ن)، ص ۱۲۰۔

۶۴۔ جمیل احمد بریلوی، تذکرہ شاعرات اردو (بریلی: قومی کتب خانہ، ۱۹۴۴)، ص ۱۵۱۔

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۶۸۔ فصیح الدین رنج میرٹھی،بہارستان ناز مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی(لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴)، ص ۴۴۔

۶۹۔ ایضاً، ۴۱۔

۷۰۔ ایضاً، ۴۲۔

۷۱۔ ایضاً، ۴۲۔

۷۲۔ ایضاً، ۴۲۔

۷۳۔ درگاہ پرشاد نادر دہلوی،تذکرۃ النسائے نادری مرتبہ رفاقت علی شاہد(لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۱۔

۷۴۔ درگاہ پرشاد نادر،تذکرۃ النسائے نادری(دہلی: اکمل المطابع، ۱۸۸۴)، ص ۶۔

۷۵۔ ایضاً، ص ۷۔

۷۶۔ ایضاً، ص ۸۔

۷۷۔ درگاہ پرشاد نادر دہلوی،تذکرۃ النسائے نادری مرتبہ رفاقت علی شاہد(لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۸۔

۷۸۔ مولوی عبدالحیٔ،تذکرہ شمیم سخن(لکھنو: منشی نول کشور، ۱۸۹۱)، ص ۸۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۸۔

۸۰۔ ایضاً، ص ۸۔

۸۱۔ ابوالقاسم محتشم،ماہ درخشاں(بھوپال: مطبع شاہجہانی، ۱۸۸۳)، ص ۲۔

۸۲۔ درگاہ پرشاد قہر سندیلوی،حدیقہ عشرت(لکھنو: مطبع دبدبہ احمدی، ۱۸۹۸)، ص ۳۔

۸۳۔ بابو مول چند احقر،نشاط افزا(دہلی: مطبع افتخار، ۱۸۹۸)، ص ۲۔

۸۴۔ ارباب نشاط، س،ن، ص ۲۔

۸۵۔ مولوی محمد عباس، مشاہیر نسواں(لاہور: کارخانہ پیسہ اخبار، ۱۹۰۲)، ص ۵۔

۸۶۔ ایضاً، ص ۸، ۷، ۶۔

۸۷۔ عبدالباری آسی،تذکرۃ الخواتین(لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۹۲۷)، ص ۶، ۵، ۴۔

۸۸۔ ایضاً، ص ۶۔

۸۹۔ ایضاً، ص ۷۔

۹۰۔ عبدالرزاق بسمل، تذکرہ جمیل(دکن: مطبوعہ شمس پریس،۱۹۲۹)،ص،ب،ج۔

۹۱۔ ایضاً،ص،ب،ج۔

۹۲۔ نصیرالدین ہاشمی،خواتین عہد عثمانی(دکن: عظیم اسٹیم پریس،۱۹۳۶)،ص۲،۱۔

۹۳۔ سید محی الدین قادری زور، تذکرۂ مخطوطات۔جلد پنجم(نئی دہلی: ترقی اردو بیورو،۱۹۸۴ء)،ص۱۷۶۔

۹۴۔ ایضاً،۱۷۶۔

۹۵۔ نصیرالدین ہاشمی،خیابان نسواں(دہلی: محبوب المطابع،۱۹۳۸)،۳۶تا۷۳۔

۹۶۔ نصیرالدین ہاشمی،خواتین دکن کی اردو خدمات(حیدرآباد: رزاقی مشین پریس،۱۹۴۰)،ص۱۳ تا۱۸۔

۹۷۔ ایضاً،ص۱۸۔

۹۸۔ ایضاً،ص۱۸۔

۹۹۔ ایضاً،ص۱۹۔

۱۰۰۔ نصیرالدین ہاشمی،حیدر آباد کی نسوانی دنیا(حیدرآباد: ادارۂ ادب جدید،۱۹۴۴)،ص۱۳،۱۲۔

۱۰۱۔ تذکرہ شاعرات،ص۲۸تا۳۱۔

۱۰۲۔ ایضاً،ص۳۱۔

۱۰۳۔ ایضاً،ص۲۹۔

۱۰۴۔ ایضاً،ص۳۰۔

۱۰۵۔ نسیمہ دہلوی،شاعرات کا تذکرہ،س،ن،ص۲۔

باب دوم:

اردو میں تذکرہ نویسی کے مطالعے کی روایت

باب دوم:

اردو میں تذکرہ نویسی کے مطالعے کی روایت

زیر نظر باب اردو میں تذکرہ نویسی کے مطالعے پر مشتمل ہے۔ اس میں اردو شاعرات کے تذکروں پر ہونے والے تحقیقی کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ شاعرات کے تذکروں پر تحقیقی کام کی نوعیت کو جانچنے کے لیے انھیں درج ذیل زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ تذکروں کے بارے میں لکھی گئی کتب۔

۲۔ تذکروں کے بارے میں لکھے گئے تحقیقی مقالات۔

۳۔ شاعرات کے تذکرے جو تحقیق وتدوین کے بعد دوبارہ شائع کیے گئے۔

۴۔ مختلف تذکروں کے دیباچے اور پیش لفظ جن میں شاعرات کی تذکرہ نویسی کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا۔

۵۔ متفرق کتب،تذکرے یا مقالے جن میں براہ راست تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی لیکن ان کتب اور مقالوں میں بہت سی شاعرات کی سوانحی معلومات اوران کی علمی وادبی خدمات کا تحقیق و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیاہے۔

اگرچہ شعرا کے تذکروں پر تحقیقی و تنقیدی دونوں طرح سے کام ہوا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے شاعرات کے تذکروں کو کسی نے درخور اعتنانہ سمجھااوران تذکروں پر کسی حوالے سے کوئی خاطر خواہ کام سامنے نہیں آیا۔ شعرا کے تذکروں کو محققین نے طویل اور مبسوط مقدموں اوران کے متن کو صحت کے ساتھ مرتب کرکے شائع کیا گیالیکن شاعرات کے تذکروں پر کسی بھی نوعیت کی کوئی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔ شاعرات کے یہ تذکرے ایک دفعہ چھپے اور دوسری دفعہ کبھی بھی منظر عام پر نہیں آئے اگرچہ چند ایک محققین نے شاعرات کے ان تذکروں کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے لیکن ان میں بھی ان تذکروں کے بارے میں صرف چند سطریں تحریریں کی گئی ہیں۔ اگرچہ شاعرات کے ان تذکروں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن اپنی نوعیت، پیش کش کے اعتبار سے یہ تذکرے بہت اہمیت کے حامل

ہیں۔ شاعرات کے تذکروں پر تحقیقی کام کی نوعیت کو جانچنے کے لیے زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

ا۔ تذکروں کے بارے میں لکھی گئی کتب

رسالہ تذکرات (س،ن):

رسالہ تذکرات کے مصنف مشہور و معروف مستشرق گارسیں دتاسی ہیں۔ یہ رسالہ انھوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا۔ اس رسالے کے عہد تالیف و اشاعت کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوتیں کہ یہ رسالہ کب شائع ہوا۔ دتاسی نے اس کے متن میں اپنی تاریخ اشاعت ثانی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

رسالہ تذکرات دراصل میں گارساں دتاسی کا پانچواں خطبہ ہے۔[1] مولوی عبدالحق کے بہ قول دتاسی نے اسے "ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصانیف" کے نام سے اسے الگ کتابی صورت میں بھی شائع کیا تھا۔ جسے مولوی عبدالحق نے گارساں دتاسی کے ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء کے خطبے میں شامل کر دیا تھا۔ اس کی تلخیص محفوظ الحق نے اگست اور ستمبر ۱۹۲۲ کے معارف میں پیش کی تھی۔ بعد ازاں ڈاکٹر ریاض الحسن نے اس کی مکمل فہرست شائع کی۔ گارسیں دتاسی کی یہ تالیف" ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصانیف" ریاض الحسن کے بہ قول تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اردو اور ہندی تذکروں، مجموعوں اور انتخابات کی تفصیلات تھیں۔ دوسرے حصے میں پہلے حصے کی تالیفات و تصنیفات کے مؤلفین و مصنفین کا تذکرہ تھا۔ تیسرے حصے میں ان کتابوں اور تصانیف کا ذکر تھا، جن کا سراغ دوسرے تذکروں میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض الحسن کو گارساں دتاسی کی یہ کتاب رومایونی وسٹی کے شعبۂ مشرقیہ کے کتب خانے میں ملی تھی۔ اس کے حصہ اول کا ترجمہ جس کا تعلق اردو شعرا کے تذکروں سے تھا، انھوں نے شائع کر دیا ہے۔ تذکروں سے متعلق گارساں دتاسی کے رسالے کا اولین ترجمہ مولوی ذکا اللہ نے کیا تھا۔ جس کا ثبوت گارسیں دتاسی کے درج بالا خطبے سے بھی ہوتا ہے[2]۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

> "مختصر احوال مصنفین ہندی کے تذکروں کا" اس کا دوسرا نام" رسالہ در باب تذکروں کا" ہے۔
> مؤلف اس کے ذکا اللہ دہلوی ہیں۔ یہ رسالہ ھذا کے پہلے ایڈیشن کا محض ترجمہ ہے اور کچھ نہیں۔"[3]

مولوی ذکا اللہ کا ترجمہ براہ راست نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی کسی نے اسے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جسے ذکا اللہ نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ رسالہ تذکرات کے دیباچے میں مولوی ذکا اللہ لکھتے ہیں:

> اس کتاب میں ہندی اور اردو تذکروں کا ذکر ہے اور ان کے مصنفین کا حال بہت تحقیق و تدقیق سے لکھا ہے۔ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں تھی۔ ایک صاحب کمال نے اس کے مضامین دل نشین کو ملاحظہ

فرما کر انگریزی زبان میں ترجمہ کیا کیوں کہ کتاب قابل اس کے تھی کہ ہندوستانی بھی اس سے مستفید ہوں اور اس کے مطالب عالی سے محروم نہ ہوں۔[۴]

رسالہ تذکرات کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔اس کے سرورق غائب ہونے کی وجہ سے اس کے سال اشاعت کے بارے میں پتہ تو نہیں چلتا لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکااللہ کا ترجمہ خزینتہ العلوم مؤلفہ درگاہ پرشاد نادر (۱۸۷۹ء) سے قبل شائع ہو چکا تھا۔[۵]

رسالہ تذکرات کا ترجمہ جو منشی ذکاءاللہ نے کیا تھا عرصے سے ناپید تھا، جسے بعد میں ڈاکٹر تنویر علوی نے مقدمے کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں دلی سے دوبارہ شائع کر دیا ہے۔اس میں گارساں دتاسی نے تقریباً ساٹھ کے قریب تذکروں اور کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ ساری کتابیں تذکروں کے ذیل میں نہیں آتیں۔ اس فہرست میں تذکروں کے ساتھ گلدستے، اشعار کے مجموعے، بیاضیں اور ہندی سے متعلق متعدد کتابوں کا ذکر شامل ہے۔ اس میں بہت سی ایسے تذکروں کے نام بھی شامل ہیں جن کا ہونے کے بارے میں اب تک کوئی شواہد دستیاب نہیں ہوئے۔

اس رسالے میں شاعرات کے تذکروں کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ تفصیل کے ساتھ کسی تذکرے پر تبصرہ نہیں کیا گیا۔البتہ اس میں مصنف نے وہ ساری معلومات دی ہیں جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تذکرہ کس نے لکھا؟ کب لکھا گیا؟ کب شائع ہوا؟ کہاں سے شائع ہوا؟ اس کا زمانہ تالیف کیا ہے ؟ کس زبان میں لکھا گیا؟ اس کی نوعیت کیا ہے ؟ اور اس کے سبب تالیف پر روشنی پڑتی ہے۔ان تذکروں میں درگاہ پرشاد نادر دہلوی کے تذکرے گلشن ناز ، چمن انداز کا علاحدہ علاحدہ تعارف کروایا گیا اور مجموعی طور پر بھی اس تذکرے کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ یہ تذکرہ مرآت خیالی کے نام سے منشی دیبی ۱۸۷۸ء میں پہلی دفعہ شائع ہوا۔اس کے علاوہ شمیم سخن حصہ دوم، بہارستان ناز ، اخترتاباں، ماہ درخشاں کے علاوہ کریم الدین کے ایک تذکرے تذکرۃ النسا کا ذکر کیا ہے جو اس نے عورتوں سے متعلق لکھا ہے، اس کے بارے میں صرف جزوی معلومات ہی ملتی ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ کبھی شائع بھی ہوا یا نہیں۔

بحیثیت مجموعی اس رسالے سے اردو تذکروں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔تذکروں کے حوالے سے اسے بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ان تذکروں میں کچھ تذکرے ایسے ہیں جو ایک دفعہ چھپے اور دوسری دفعہ کبھی بھی منظر عام پر نہیں آئے اور ہنوز گوشہ گم نامی میں ہیں۔

شعر الہند (۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء):

شعر الہند مولوی عبد السلام ندوی کی تصنیف ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد جون ۱۹۲۵ء میں اور دوسری جلد ۱۹۲۶ء میں مطبع اعظم گڑھ کے تحت شائع ہوئی۔ شعر الہند کی پہلی جلد ۴۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ چار ابواب پر مشتمل ہے اور ان چار ابواب میں شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ پہلا باب اردو شاعری کا آغاز، قدما کا پہلا دور، قدما کا دوسرا دور، میر و مرزا، قدما کا تیسرا دور، مصحفی و انشا، تلامذہ شعرائے قدما، متبعین شعرائے قدیم۔

۲۔ دوسرا باب متوسطین کا پہلا دور، اردو شاعری کے دو مختلف اسکول، شیخ ناسخ اور خواجہ آتش، اساتذہ دہلی، متوسطین کا دوسرا دور، تلامذہ مومن و غالب۔

۳۔ تیسرا باب متاخرین کا پہلا دور، داغ، میر، متاخرین کا دوسرا دور۔

۴۔ چوتھا باب دور جدید۔

کتاب کے آغاز میں ایک دیباچہ ہے اس میں مصنف نے مسلمانوں کا تنزل کے اسباب اور اردو شاعری کے انتقاء کا حال بیان کیا ہے اور افسوس کیا ہے کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی جو اردو شاعری کے ان تمام انقلابات و تغیرات کو نمایاں کرتی۔

دیباچے کے بعد ایک مقدمہ ہے جس میں قدیم تذکروں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس میں ان تذکروں کی حیثیت اور کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس فہرست میں بہت سے ایسے تذکرے بھی موجود ہیں، جن کے وجود کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا اور کچھ تذکروں کے مصنفین کے ناموں کی اغلاط ہیں اور کسی جگہ تذکرے کا نام غلط لکھا گیا ہے۔

شعر الہند جلد دوم میں اردو کی اصناف سخن کا تاریخی اور ادبی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں فن تنقید پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اس جلد کو درج ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ باب اول میں اردو شاعری کی اقسام کا جائزہ، تاریخی حیثیت سے غزل، ریختی، واسوخت، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، ڈراما، مذہبی شاعری، صوفیانہ شاعری، اخلاقی شاعری، فلسفیانہ، مرثیہ، ہجو، مثنوی، سہرا، وصف،

تشبیہ و استعارہ، اجزائے شعر قافیہ، ردیف، وزن، محسنات، شعر، صنائع و بدائع شاعری۔

۲۔ باب دوم میں شاعری کی اقسام پر تبصرہ ادبی حیثیت سے جیسے غزل خمریات، قصیدہ، فخریہ۔

۳۔ تیسرا باب ملکی سرمایہ ہندوؤں کا تعلق اردو شاعری کے ساتھ، مربیان سخن اور خاتمہ اردو شاعری کا درجے، پر مشتمل ہے۔

جہاں تک اردو شاعرات کے تذکروں کا تعلق ہے تو شعر الہند جلد اول کے دیباچے میں شمیم سخن،بہارستان ناز، ماہ درخشاں اور کریم الدین کے تذکرۃ النساء کا ذکر کیا گیا ہے۔ان تذکروں کے بارے میں مصنف نے کوئی معلومات تو فراہم نہیں کی ہیں۔البتہ ایک دو جملوں میں ان پر تنقید کی ہے کہ یہ تذکرے ہر لحاظ سے نامکمل ہیں اور یہ کسی بھی شاعر کے بارے میں مکمل طور پر معلومات فراہم نہیں کرتے اور ان میں ہمارے کام کی باتیں بہت کم ملتی ہیں۔

شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن (۱۹۵۲):

اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر سید عبداللہ ہیں۔یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔دوسری دفعہ یہ کتاب نظر ثانی کے بعد ۱۹۶۸ء میں منظر عام پر آئی۔اس میں پچیس اردو تذکروں پر بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کو موضوع کے اعتبار سے طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر طبقے کے نمایاں رجحانات اور خصوصیات کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ واضح کیا ہے اور کتاب کے آخر میں فن تذکرہ نویسی کے عنوان سے تذکرہ نویسی اور سیرت نگاری کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس جائزے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بعض محققین اردو کے قدیم تذکروں کے معیار اور اقدار کو اپنے معیار اور اقدار کی روشنی میں پرکھتے ہیں اور ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ان کو چاہیے کہ کسی بھی فن کا جائزہ لینے کے لیے اس کے زمانے اور عہد کے پیمانوں اور معیار کے مطابق ان کے معائب اور محاسن کو پرکھیں۔

کتاب کے متن میں جن تذکروں پر تفصیلی بحث موجود ہے ان میں میر تقی میر کے تذکرے نکات الشعرا کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔بہ قول مصنف نکات الشعرا کو اردو تذکرہ نگاری میں اولیت کا شرف حاصل ہے اور یہ تذکرہ نگاری کے ایک پورے دبستان کی بنیاد رکھتا ہے۔اس دبستان میں میر کے مقلد اور معترض دونوں شامل ہیں[۶]۔بعد ازاں انھوں نے تذکرہ نگاری نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے ان کے خصائص کے مطابق تذکرہ نگاری کو دو بڑے طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

طبقہ اول: میں وہ قدیم طرز کے ان تذکروں پر بحث کرتے ہیں جنھوں نے دبستان میر یعنی میر تقی میر کی تذکرہ نگاری کی خصوصیات کی پیروی کی ہے۔واقعات میں اختصار اور اصلاح سخن ان تذکروں کے نمایاں اوصاف ہیں۔اس کے علاوہ دبستان میر کے رد عمل کے خلاف بھی کچھ تذکرے منظر عام پر آئے اور یہ رد عمل میر تقی میر کی اختصار پسندی کے خلاف ہے۔اس رد عمل کے حامل تذکروہ نگاروں نے اختصار پسندی کے بجائے طوالت کو مد نظر رکھا۔عیار الشعرا اس طرز کا بڑا نمائندہ ہے۔

طبقہ ثانی: میں جدید اثرات کے حامل تذکروں کو جگہ دی گئی ہے جن میں سوانح کا رنگ غالب ہے۔ان میں صرف منتخب شعرا کے مفصل حالات زندگی ملتے ہیں اور واقعات کی تاریخوں کا تعین بھی کیا گیا ہے۔اس طبقے کے حامل تذکروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں سوانح کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے ارتقا کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔اس طبقے کا اہم تذکرہ آب حیات ہے جس نے تذکرہ نویسی میں ادبی تاریخ کا رنگ پیدا کیا ہے اس کے بعد بیش تر تذکرہ نویسوں نے اس معاملے میں آزاد کی پیروی کی۔

مصنف نے ان تمام تذکروں کا تجزیہ کرنے کے بعد آب حیات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور آب حیات پر ہونے والے بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے تذکروں پر اعتراضات کرنے والے قدیم اور جدید معترضین کے اعتراضات کو تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں رقم کیا ہے اور ان اعتراضات کے معیار کو معلوم کرنے کے لیے انھوں نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔قدیم اور جدید۔

قدیم اعتراضات وہ ہیں جو پرانے تذکرہ نویسوں نے اپنے حریف تذکرہ نگاروں پر کیے اور جدید وہ ہیں جو اس زمانے کے نقادوں سے ہو رہے ہیں۔آخر میں مصنف نے فن تذکرہ نویسی کے اصولوں کی روشنی میں تنقید کے قدیم اور جدید معیار میں توازن قائم رکھتے ہوئے ان تذکروں کی خوبیوں اور خامیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے

جہاں تک اس کتاب میں شاعرات کے تذکروں کا تعلق ہے۔اس کتاب میں ان تذکروں پر علاحدہ سے کوئی تبصرہ و تجزیہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ طبقہ ثانی میں جدید اثرات کے تحت لکھے جانے والے تذکروں کی خصوصیات اور ان کے معائب پر بحث کرتے ہوئے اردو شاعرات کے صرف تین تذکروں کا ضمنی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔شاعرات کے ان تذکروں کا کوئی علاحدہ سے عنوان قائم نہیں کیا گیا بلکہ بین السطور ان کا ذکر سر سری طور پر کر دیا گیا ہے۔شاعرات کے ان تذکروں کے نام، مصنف کے نام اور سنہ اشاعت کے علاوہ ان کے بارے میں کسی بھی قسم کی اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عورتوں کے حالات اور کلام کو یکجا کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے اور شاعرات کے ان تذکروں میں شمیم سخن (حصہ دوم) کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔بہ حیثیت مجموعی اس تصنیف میں تذکروں سے متعلق نہایت عالمانہ اور وقیع بحثیں ملتی ہیں۔اردو شعرا کے تذکروں کی ابتدا سے لے کر آب حیات تک تقریباً پچیس کے قریب تذکروں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے لیکن اس سب باتوں کے باوجود اردو شاعرات کے تذکروں کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔

تذکروں پر تحقیقی کام کے سلسلے ان کی یہ کتاب اس لیے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں پہلی بار تذکرہ نگاری کے فن اور اردو شعرا کے ابتدائی تذکروں کی اہمیت پر مدلل انداز میں بحث کی گئی ہے اور اردو تذکرہ نگاری کے عہد کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نگار (۱۹۶۴):

نگار کے مؤلف ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہیں۔ مصنف کی یہ کاوش ۱۹۶۴ء میں تذکروں کا تذکرہ نمبر کی صورت میں منصہ شہود پر آئی۔ نگار کے اس سالنامے میں ۵۴ اردو اور فارسی زبان میں لکھے گئے تذکروں کا زمانی اعتبار سے تعارف کروایا گیا ہے، جن میں کچھ مطبوعہ تھے اور کچھ غیر مطبوعہ۔

اس سال نامے کے شروع میں مصنف کا طویل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں مصنف نے تذکرہ نگاری کی روایت، فارسی اور اردو میں تذکرہ نگاری کا ارتقا اور ان کے فکر و فن کے بارے میں مختلف سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فارسی میں تذکرہ نگاری کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے دلائل اور براہین کی روشنی میں عوفی کے تذکرے لب الا لباب کو پہلا تذکرہ قرار دیا ہے۔ بعد ازاں فارسی تذکروں کی نوعیت و اہمیت پر بحث کرنے کے بعد تذکرہ نگاری کے محرکات، تذکروں کے ادوار، ان کی قسمیں، تعداد، ظاہری و معنوی حیثیت، محاسن و معائب، تنقیدی و سوانحی اہمیت اور تاریخی اور ادبی نوعیت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

اس کا متن نکات الشعرا سے شروع ہوتا ہے اور تذکرہ بے جگر پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے شروع میں تذکروں کی فہرست ہے۔ جس میں زمانی اعتبار سے اس کتاب میں شامل تذکروں کی فہرست کا اندراج کیا گیا ہے اور سال نامے کے آخر میں قدیم فارسی شعرا کے تذکروں اور قدیم فارسی شعرا کے بعض دوسرے مآخذ کے بارے میں ایک فہرست کی صورت میں تعارف کروایا گیا ہے۔ اس سالنامے میں ۵۴ تذکروں میں تین تذکرے ایسے ہیں جو شاعرات سے متعلق ہیں۔ ان تینوں تذکروں میں بہارستان ناز، شمیم سخن اور چمن انداز کو شامل کیا گیا ہے۔ مصنف نے ان تینوں تذکروں کے عہد تالیف، خصوصیات اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی اس سال نامے نے اردو دنیا کو پہلی دفعہ تذکروں کی اتنی بڑی تعداد سے متعارف کرا دیا۔ اس کے منظر عام پر آنے سے شعرا کے تذکروں کے بارے میں ان کی تعداد کا علم ہوا کہ آج تک کتنے تذکرے لکھے گئے؟ کب لکھے گئے؟ کہاں کہاں لکھے گئے؟ اور ان کی نوعیت کیا تھی۔ اہل ارباب نظر اور محققین کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ دوسرا یہ تذکروں کا تذکرہ نمبر اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں مصنف نے شعرا اور شاعرات کی جو فہرست ترتیب دی ہے۔ اس میں نام، تخلص اور تذکرے کے صفحات جن پر جس جس شاعر کا ذکر ہے، کا اندراج کیا

گیا ہے، جس سے کسی بھی مطلوبہ شاعر تک پہنچنے میں آسانی فراہم ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کسی خاص شخص کے حالات وکلام کے لیے کن کن تذکروں میں ان کا ذکر موجود ہے۔آخر میں تذکروں اور مآخذ کی فہرستیں شامل کر کے ان کو مزید مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری(۱۹۷۲):

کتاب کے مصنف فرمان فتح پوری ہیں۔یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۷۲ء میں مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔بعد ازاں اپنی نوعیت، مقبولیت، اہمیت اور غیر معمولی پذیرائی کی بدولت دوسری دفعہ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

اردو تذکروں کے مفصل تعارف اور اپنے موضوع پر اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی جامع تصنیف ہے۔ہر چند کہ اس کتاب میں وہ سارا مواد شامل کیا گیا ہے جو تذکروں کے تذکرہ نمبر میں شامل کیا گیا تھا۔لیکن یہ کتاب کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے تذکروں کا تذکرہ نمبر سے مختلف ہے۔مواد کے اعتبار سے بھی اس میں تذکروں کے مصنفین کے حالات زندگی اور ان کے تذکروں پر تفصیل سے بات کی گئی ہے۔دوسرا اس میں تذکروں کی تعداد کو مزید بڑھا دیا گیا ہے۔مجموعی طور پر اس میں تذکروں کی تعداد ۶۷ ہے۔

کتاب کے مقدمے میں بھی مصنف کی فکری بحثیں موجود ہیں۔اس میں اردو تذکرہ نگاری، اس کے آغاز وارتقا اور تاریخی وادبی اہمیت کا موجودہ دور کی تحقیق وتنقید کی روشنی میں جائزہ لیا گیا۔تذکروں کے تبصرے میں بھی مصنف نے مؤلف تذکرہ کے حالات زندگی، تذکرے کا سال تصنیف وطباعت، ان کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے علاوہ ان تذکروں کے نقائص اور محاسن پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔جہاں کہیں مصنف کو ضرورت پڑی، انھوں نے دوسرے تذکروں سے مقابلہ وموازنہ کر کے ہر تذکرے کی خصوصیات اور ان کے مآخذ کی نشان دہی کی۔اردو شعرا کے ہر تذکرے پر انفرادی طور پر تبصرے کیے گئے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی خاص تذکرے کا مصنف کون ہے اور کہاں، کن حالات میں، اور کس زبان میں لکھا گیا ہے۔اردو شعرا کے ان تذکروں پر تبصرہ کرنے کے بعد کتاب کے آخر میں ان تذکروں کی فہرست کو زمانی عتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں ''فرہنگ سخنوران'' کے نام سے حروف تہجی کی ترتیب سے ایک فہرست بنائی گئی ہے۔جس میں یہ نشان دہی کر دی گئی ہے کہ کسی خاص شاعر کا ذکر نکات الشعرا سے لے کر آب حیات تک کن کن تذکروں میں آیا۔اس طرح یہ کتاب نکات الشعرا سے لے کر آب حیات کے تذکروں پر محیط ہے۔تذکروں کے مفصل تبصرے سے آگے بڑھ کر یہ فہرست اردو تذکروں کی تاریخ اور شعرائے اردو کی فرہنگ بن گئی ہے۔فرہنگ میں ہر شاعر کے تخلص اور نام

کے سامنے تذکروں کے نام کے وہ نمبر شمار دیے گئے ہیں، جو فہرست مضامین میں شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں اشخاص کا اشاریہ بھی موجود ہے جس سے مطلوبہ شخص تک پہنچنے میں سہولت فراہم کرتا ہے۔

اس میں اردو شاعرات کے تین تذکروں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان تذکروں میں بہارستان ناز، شمیم سخن اور چمن انداز شامل ہیں۔ شاعرات کے ان تذکروں پر مصنف نے بنیادی معلومات کا احاطہ کیا ہے کہ یہ تذکرہ کب لکھا، کس کی فرمائش پر لکھا گیا۔ سبب تالیف کیا ہے، کس سنہ میں تالیف ہوا، کہاں چھپا، کب چھپا اور کتنی بار شائع ہوا، کتنے صفحات پر مشتمل ہے اور ان تذکروں کی کیا خاصیت ہے۔ ان سب امور پر مختصراً بحث کی گئی ہے۔

الغرض مصنف نے اردو شاعرات کے ان تذکروں کا جتنا تفصیل سے تعارف کروایا ہے، اس سے پہلے یا بعد میں کسی اور کتاب میں ان تذکروں کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔ ساتھ ہی مصنف نے ان شاعرات کا ایک دوسرے تذکرے سے مقابلہ و موازنہ کرنے کے بعد ان کی خصوصیات اور معنوی حیثیت کو واضح کیا ہے اور ان کے نمونے بھی دیے ہیں۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک طرف اردو تذکروں کے گم نام، مطبوعہ اور قلمی نسخوں کا جس قدر تفصیل کے ساتھ تعارف ۷۸۵ صفحات کی اس کتاب میں کیا گیا۔ تذکروں پر اتنی تفصیل سے اس سے پہلے کبھی بھی بات نہیں کی گئی اور تذکرہ نگاری کی تاریخ اور ہر تذکرے پر انفرادی طور پر تبصرہ و تجزیہ اور ان کے معائب و محاسن پر گفتگو کی گئی ہے جس میں تمام ضروری معلومات جمع ہو گئی ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب تذکروں پر کام کرنے والے محققین کے لیے بنیادی ماخذ کا کام دے گا اور یہ تذکروں کا سرسری تذکرہ ہی نہیں بلکہ اسے اردو شعرا کے تذکروں کی ایک منضبط تاریخ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

شعرائے اردو کے تذکرے نکات الشعرا سے گلشن بے خار تک (۱۹۷۲ء):

ڈاکٹر حنیف نقوی کی تحریر کردہ کتاب ہے جو ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اصل میں یہ مصنف کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے۔ جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس میں نکات الشعرا سے لے کر گلشن بے خار تک تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکروں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں تذکرے کے معنی و مفاہیم کے علاوہ تذکرہ نگاری کے فن پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ بعد ازاں تذکروں کی گروہی تقسیم، تذکرہ نگاری کے محرکات، تذکروں کے فروغ کے اسباب، اور ان کی ادبی، تاریخی، تنقیدی اور عمرانی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد عربی میں تذکرہ نگاری کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے اردو اور فارسی میں تذکرہ نگاری کی تاریخ، ارتقا اور عہد بہ عہد ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اردو میں تذکرہ نگاری کا تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف نے مختلف ابواب کے تحت نکات الشعرا سے لے کر گلشن بے خار تک تمام مطبوعہ اور

غیر مطبوعہ تذکروں کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا ہے۔ اس مقالے کا آخری باب اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس باب میں بہ طور خلاصہ وہ تمام باتیں دہرادی گئی ہیں جن پر اس سے پچھلے ابواب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں سابقہ ابواب کی تلخیص کے بجائے ان ادبی، تہذیبی مقاصد کا ذکر بھی کیا گیا، جو تذکرے کے مطالعے میں مدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ باب تمام ابواب کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کا نچوڑ ہے جس سے تذکروں کی حقیقی اور نمایاں قدر و قیمت واضح ہو جاتی ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ اردو شاعرات کے کسی تذکرے کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا لیکن اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس میں شاعرات کے دو تذکروں کا ذکر ضمنی طور پر کیا گیا ہے جن میں بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری شامل ہیں۔

بہار میں اردو تذکرہ نگاری (۱۹۸۰ء):

بہار میں اردو تذکرہ نگاری ڈاکٹر منصور عالم کی تصنیف ہے۔ یہ منصور عالم کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۰ میں دی آرٹ پریس سلطان گنج پٹنہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کو صرف بہار میں لکھے جانے والے تذکروں تک محدود کیا گیا ہے۔ گو کہ اس میں مختلف ابواب کے تحت اردو تذکرہ نگاری کا فن، خصوصیات، اردو تذکروں کا ارتقائی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں زیادہ توجہ بہار کی اردو تذکرہ نگاری تک ہی محدود ہے۔ اس میں فارسی زبان میں لکھے گئے تذکروں کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس میں مصنف نے بہار میں اردو تذکرہ نگاری کی اردو زبان کی ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک لکھے جانے والے تذکروں کی تاریخ کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں فن تذکرہ نویسی پر بحث کرتے ہوئے تذکرے کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تذکرے کی خصوصیات، اجزائے ترکیبی، تذکروں سے مماثل دیگر اصناف کا جائزہ، تذکرہ نگاری کے فروغ کے اسباب اور تذکروں کی اہمیت و افادیت پر تنقیدی نقطہ نظر سے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ باب دوم میں اردو تذکرہ نگاری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس باب میں مصنف نے اردو شعرا کے تذکروں کو لسانی اعتبار سے تقسیم کرکے اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ آب حیات کے بعد بھی شعرا کے حالات اور کلام کو یک جا کرنے کی جو کوششیں ہوئیں، ان پر بھی سرسری تبصرہ کیا گیا ہے۔ آخر میں کچھ ایسے تذکروں کی فہرست مرتب کی ہے، جن کا وجود مشتبہ ہے یا جن کا نام تو کتابوں میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود ثابت نہیں ہے۔ باب سوم میں بہار کے تذکرہ نگار اور ان کے تذکروں کو زیر بحث لایا ہے۔ اس باب میں مصنف نے بہار میں تذکرہ نگار اور ان کے تذکروں کا تعارف کرنے کے علاوہ ان کو تین ادوار میں تقسیم کرکے ان کا تجزیہ کیا ہے۔ پہلا دور عہد قدیم ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک ہے۔ دوسرے متوسط دور میں ۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کے تذکروں کا تعارف و تجزیہ کیا گیا ہے۔ تیسرا دور عہد حاضر میں تقسیم ہند کے بعد کے تذکروں کو موضوع بحث بناتا

ہے۔ باب چہارم میں چند منتخب تذکروں کا تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔اور اس میں بہار کی تذکرہ نگاری کی خصوصیات کو اجاگر کرتے ہوئے مستقبل میں بہار میں تذکرہ نگاری کے رجحانات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں شاعرات کے صرف ایک تذکرے کا ذکر موجود ہے۔ یہ تذکرہ تقسیم ہند کے بعد پٹنہ سے منظر عام پر آیا۔اس کے مصنف فصیح الدین بلخی ہیں۔تذکرے کا نام تذکرہ نسوان ہند ہے۔اور یہ ۱۹۵۶ء میں پٹنہ سے شائع ہوا۔اس کتاب میں مصنف نے اس تذکرے کے مصنف اور اس تذکرے کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔تذکرے میں مصنف کے حالات زندگی کے علاوہ ان کی علمی وادبی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی دیگر تصانیف کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔تذکرہ شعراے بہار اور تذکرہ نسوان ہند کے علاوہ ان کی کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جن میں تاریخ مگدھ،انشاد شاد،دستور سخن، آثار بلخیہ، تحریک وہابیہ اور مقالات فصیح وغیرہ شامل ہیں۔ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ بلخی نے اس تذکرے کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔تذکرہ نسوان ہند پر بھی مصنف کا مختصر اور جامع تبصرہ موجود ہے۔ جس سے اس تذکرے کے سبب تالیف، زمانہ تالیف،اور اس تذکرے میں شامل دیگر تمام مشمولات پر روشنی پڑتی ہے۔ مصنف نے اس تذکرے کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ تو نہیں لیا لیکن اس تذکرے پر تبصرے سے اس کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

دکنی تذکرے(۱۹۸۵):

دکنی تذکرے مجید بیدار کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۸۵ء میں نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدر آباد سے شائع ہوئی۔اصل میں یہ کتاب مجید بیدار کا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔اس میں صرف دکن میں لکھے جانے والے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکروں کو تحقیق و تنقید کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر مجید بیدار نے اس میں تحفتہ الشعرا اور گلشن گفتار سے لے کر عالمگیری اور آصفی دور تک تمام تذکروں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔کتاب کو متعدد ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب تذکرہ نگاری کے فن سے متعلق ہے۔اس باب میں تذکرے کے معانی و مفاہیم کو واضح کرنے کے بعد تذکرہ نگاری کے فن پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تذکرہ تصنیف سے زیادہ تالیف کی حیثیت رکھتا ہے۔اس باب کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے دوسروں کی معلومات کو کشید کرنے کے بجائے ادبی مسائل پر غور وخوض کرکے نتائج اخذ کیے ہیں۔باب دوم میں تذکرہ نگاری کے عنوان سے تذکروں سے مماثل دیگر اصناف مثلاً روزنامچہ، سوانح حیات، سفر نامہ، یاداشت اور خودنوشت، ملفوظات اور سرگزشت وغیرہ کی ادبی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے تذکرے کی ادبی اور تاریخی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ باب سوم میں تذکروں کی گروہی تقسیم کی گئی ہے۔اان

تذکروں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر دیکھنے کے لیے تذکروں کی درجہ بندی مختلف قواعد وضوابط کے تحت کی ہے اور ان تذکروں کو مختلف اصطلاحات کے تحت مثلاً مذہبی تذکرے، سماجی تذکرے، انسائیکلو پیڈیائی تذکرے، صنفی تذکرے اور آئینی تذکرے کے تحت ان کی درجہ بندی کر کے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں عالمگیری اور آصفی دور میں لکھے جانے والے تذکروں کی تاریخی اور ادبی اہمیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور ہر تذکرے کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی منفرد خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے۔ پانچواں باب میں غیر مطبوعہ دکنی تذکروں کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں مختلف موضوعات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے ذخیرۂ معلومات پر مصنف نے جس انداز سے روشنی ڈالی ہے، اس سے مصنف کی اعلیٰ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ باب ششم دکنی تذکروں کی امتیازی خصوصیات سے متعلق ہے۔ اس میں دکنی تذکروں کے معائب ومحاسن پر مختلف عنوانات کے تحت تبصرہ و تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس سے نہ صرف دکنی تذکروں کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کی منفرد خصوصیات کا بھی علم ہوتا ہے۔

باب ہفتم میں دکنی تذکروں کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے ان تذکروں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں تذکروں کے محاسن، مؤرخانہ شعور، انتخاب کا معیار اور لسانی مزاج کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ان تذکروں کے محاسن اور معائب کا تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں غیر مطبوعہ شاعرات کے ایک تذکرے طوطیان ہند کے بارے میں بنیادی معلومات سے آگاہ کیا گیا ہے اور یہ تذکرہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کے لائبریری میں موجود ہے۔ اس تذکرے کے مصنف تمکین کاظمی ہیں اور یہ تذکرہ ۱۹۳۶ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کتاب میں مصنف نے اس تذکرے کے سبب تالیف، عہد تالیف اور مصنف کے بارے میں بھی مختصر اور جامع معلومات کا احاطہ کیا ہے۔

اردو تذکرہ نگاری: ۱۸۳۵ کے بعد (۱۹۹۸ء):

اردو تذکرہ نگاری ۱۸۳۵ءکے بعد ڈاکٹر نیاز سلطان پوری کی تصنیف ہے۔ یہ مصنف کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جسے بعد میں کتابی شکل میں پہلی دفعہ ۱۹۹۸ء میں شائع کروایا گیا۔ اس کتاب میں صفحات کی تعداد ۴۳۵ کے قریب ہے۔ مصنف اس کتاب کی تالیف پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تذکرہ گلشن بے خار کی تالیف تک کے تذکروں کا جائزہ لیا جاچکا ہے لیکن اس کے بعد جو تذکرے لکھے گئے ان کا جائزہ لیا جائے۔ اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے پی ایچ۔ ڈی کے لیے موضوع منتخب کیا تاکہ گلشن بے خار کے بعد تالیف ہونے والے تمام تذکروں کا جائزہ کتابی صورت میں پیش کیا جاسکے۔ اس کتاب میں مصنف نے ۱۸۳۵ء کے بعد اردو تذکروں کی روایت کے تسلسل اور اس میں تنقیدی رجحانات اور اس عہد کے پیمانوں کی شناخت کی بھرپور سعی کی ہے۔ یہ مقالہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تذکرے کے معانی و مفاہیم پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی

ہے۔دوسرے باب اردو تذکرہ نویسی کی ابتدائی تاریخ کو مرتب کیا گیا ہے۔اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو میں تذکرہ نویسی کا آغاز فارسی کے زیر اثر ہوااور فارسی نے براہ راست عربی تذکرہ نگاروں کے اثرات کو قبول کیا۔اس کے علاوہ اس باب میں اردو تذکرہ نگاری کا ایک خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس میں اردو کے اولین تذکرے نکات الشعرا سے گلشن بے خار کی تالیف کے درمیان عرصے تک کے اہم منتخب تذکروں کا مختصر الفاظ میں تعارف پیش کیا گیا ہے۔تیسرے باب میں گلشن بے خار کی تالیف کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے درمیانی عرصے میں لکھے جانے والے تذکروں کا جائزہ لیا گیا ہے اور عہد بہ عہد تذکروں میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔چوتھا باب جنگ آزادی کے بعد لکھے جانے والے تذکروں کے ذکر پر مشتمل ہے۔اس باب میں اردو کے چند تذکروں مثلاًسخن شعرا، آب بقا، تذکرہ نادر، تذکرۃ الشعرا اور خم خانہ جاوید جیسے مشہور زمانہ تذکروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔پانچواں باب مقامی شعرا کے تذکروں کے لیے مخصوص ہے۔اس میں ہندوستان میں لکھے جانے والے تذکروں کا مطالعہ و تجزیہ کیا گیا ہے۔جن میں قصیدہ نگاران اترپردیش، تذکرہ شعرائے ہریانہ، سخن وران بنارس، تذکرہ شعرائے جے پور، تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ، وغیرہ شامل ہیں۔کتاب کا چھٹا باب خاندانی و قومی شعرا کے تذکروں کے تجزیے پر مشتمل ہے۔جن میں اردو کے مسیحی شعرا، گلستان تیموری، پٹھان شاعرات کے تذکرہ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔کتاب کا ساتواں باب میں ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔جو تذکرہ نہ ہوتے ہوئے بھی شعرا کے حالات پر مشتمل ہیں۔ان تذکروں میں آب حیات، انتخاب دواوین، تذکرہ کاملان پور وغیرہ شامل ہیں۔آٹھویں باب میں ان تذکروں کا جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے صرف معاصرین کے حالات لکھے۔ان تذکروں میں مرزا قادر بخش صابر اور مالک رام کے تذکرے شامل ہیں۔نویں باب میں ان تذکروں کا عہد بہ عہد اختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا گیا ہے جو ترجمہ ہوئے یا جن کی تلخیص کی گئی اور جو مرتب و مدون ہوئے۔دسویں باب میں تذکرہ نویسی کے موجودہ رجحانات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔کتاب کے گیارہواں باب میں نہایت اختصار کے ساتھ اس پورے مطالعے کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس تصنیف میں بھی شعرا کے تذکروں کے ساتھ شاعرات کے تذکروں کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔اس میں اردو شاعرات کے ابتدا سے موجودہ دور تک لکھے جانے والے تذکروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔شاعرات کے ان تذکروں میں بہارستان ناز،تذکرہ ماہ درخشاں، تذکرۃ الخواتین،طوطیان ہند، تذکرہ شاعرات اردو، تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ،تذکرہ پٹھان شاعرات شامل ہیں۔مصنف ان شاعرات کے بعض تذکروں کے مندرجات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور کچھ تذکروں کا اختصار کے ساتھ جائزہ

پیش کیا ہے۔ کتاب میں ان تذکروں کے بارے میں جو معلومات شامل کی گئی ہیں، وہ بنیادی نوعیت کی ہیں۔ البتہ مصنف نے ان تذکروں کے مصنفین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اردو شاعرات کا اولین تذکرہ نگار فصیح الدین رنج میرٹھی (۱۹۹۹):

اس کتاب کے مصنف راحت ابرار ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں بھارت آفیسٹ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ مصنف کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے۔ اس مقالے کی بنیاد پر اودھ یونی ورسٹی نے مصنف کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ بعد میں اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر ابوالقلام قاسمی کا پیش لفظ ہے۔ اس میں انھوں نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا ہے اور مصنف کی تنقیدی و تحقیقی کاوش کو سراہا ہے۔ کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں رنج کے حالات زندگی اور ان کی تصنیفی زندگی پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ باب دوم میں رنج میرٹھی کی شاعرانہ ادبی روایات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ باب سوم میں رنج کی غزل گوئی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں رنج میرٹھی کی قصیدہ نگاری اور ان کی نعت گوئی اور قطعہ نگاری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ باب پنجم میں رنج میرٹھی کی تذکرہ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں رنج میرٹھی کے تذکرے بہارستان ناز کے مندرجات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے رنج میرٹھی کی تذکرہ نگاری پر بحث کرنے سے قبل اردو شاعرات کے تذکروں کا سرسری تعارف پیش کیا ہے اور شعرا کے تذکروں کو موضوع بحث بنایا ہے جنھوں نے اپنے تذکروں میں شاعرات کے ذکر کو شامل کیا ہے۔ اس باب میں مصنف نے بہارستان ناز کے عہد کے پس منظر کے علاوہ اس کے عہد تالیف، سبب تالیف، اور اس کے تینوں ایڈیشنوں طباعت و اشاعت کے علاوہ اس کے اسلوب نگارش پر سر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اس تذکرے کے تنقیدی عناصر کی بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ رنج نے شاعرات کے کلام کے انتخاب میں بھی بالغ نظری اور بلند نگاہی کو ثبوت فراہم کیا ہے اور وہاں شاعرات کے حالات اور کلام پر بھی اپنے اعلیٰ تنقیدی اسلوب کو جس طرح زندہ کیا، اس طرح کی مثال بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ اگر ان کو ان تذکرہ نگاروں کی صف میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا جنھوں نے اردو میں ادبی تنقید کی داغ بیل ڈالی۔ رنج کی تذکرہ نگاری پر بحث کرتے ہوئے ان کے تذکرے کو اعلیٰ تحقیقی کاوشوں کا ثمر قرار دیا ہے۔ باب ششم میں بہارستان ناز کے متن کی تدوین کی گئی ہے۔ آخر میں ماخذات کی فہرست کو مرتب کیا گیا ہے جس سے اس مقالے کے لیے استفادہ کیا گیا ہے۔

بھوپال میں اردو تحقیق وتنقید کا ارتقاء (۲۰۰۸ء):

انیس سلطانہ کی تالیف کردہ کتاب ہے جو ۲۰۰۹ء میں فاس کمپیوٹرانکس بھوپال سے شائع ہوئی۔ یہ مصنفہ کا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ وہ اس کتاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ بھوپال کی علمی وادبی خدمات پر بہت سے تحقیقی مقالات سپرد قلم کیے گئے۔ تحقیقی مقالات سے بھوپال میں ایک خاص قسم کا تحقیقی و تنقیدی رجحان عام ہوا۔ جہاں تک ''بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید'' کا تعلق ہے، ۱۹۲۹ء میں حسنات صدیقی نے'' بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید کے ارتقاء'' کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھا تو انھوں نے بھوپال میں اردو کے کثیر تعداد میں موجود سرمایے کو دیکھتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ حسنات صدیقی کے کام کو آگے بڑھایا جائے کہ اس مقالے اور موجودہ دور کے درمیان تقریباً ربع صدی کا فرق پیدا ہو چکا تھا۔ اس درمیان بہت سی نئی چیزیں سامنے آئیں اور بہت سے پرانے ادبی کاوشوں کی بازیافت ہوئی۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر انھوں نے'' بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید کے ارتقاء'' کو موضوع بناتے ہوئے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے اسے منتخب کیا جس پر انھیں ۱۹۹۵ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔[۸]

کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کا پہلا باب تذکروں سے متعلق ہے۔ اس باب میں بھوپال میں لکھے گئے تذکروں کو اردو تحقیق و تنقید کا نقش اول قرار دیتے ہوئے ان پر بات کی گئی ہے۔ بعد ازاں اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ان تذکروں پر بالخصوص نظر ڈالی جائے، جن میں مذکور بیش تر شعرا ذولسانین ہیں۔ شمع انجمن، صبح گلشن اور نگارستان سخن کا اسی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا اور ان تذکروں میں بھوپال کے علاوہ برصغیر کے ذولسانین شعرا کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دوسرا باب'' بھوپال میں تحقیق و تنقید انضمام سے قبل'' کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اس میں نواب سلطان جہاں کے عہد میں ہونے والی علمی وادبی تبدیلیوں اور ادبی سرگرمیوں نے تحقیق اور تنقید میں جو نئے گوشے منور کیے، ان کا احاطہ کیا گیا ہے۔ تیسرے باب'' بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید اور اہم محققین و ناقد (انظمام ریاست تاحال)'' کو مختلف عنوانات میں تقسیم کرکے محققین، ناقدین اور ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر جو مقالے لکھے گئے ہیں، ان پر تبصرہ کیا گیا ہے اور محققین اور ناقدین کے تحقیقی و تنقیدی کارناموں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

چوتھے باب میں ادبی رسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جو بھوپال میں شائع ہوئے۔ اس میں نہ صرف ان پر تبصرہ کیا گیا ہے بلکہ ان کے تحقیقی و تنقیدی معیار کو جانچنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ آخر میں مجموعی جائزے میں ان تمام باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے جو ان ابواب کے تحت پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

جہاں تک اس میں شاعرات کے تذکروں کا تعلق ہے تو اس میں بھوپال میں لکھے جانے والے شاعرات کے دو تذکرے زیر بحث آئے ہیں۔ان میں اختر تاباں جو فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے اور فارسی زبان میں ہے۔دوسرا ماہ درخشاں اردو شاعرات کا تذکرہ ہے اور فارسی زبان میں ہے۔اس میں ان تذکروں کے مصنف کا تعارف اور ان کے مندرجات پر تحقیق و تنقیدی کی روشنی میں تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو تذکرہ نگاری ۱۸۳۵ کے بعد (۲۰۱۱ء):

اردو تذکرہ نگاری ۱۸۳۵ءکے بعد ڈاکٹر رئیس احمد کی تصنیف ہے۔جو ۲۰۱۱ء میں ایچ۔ایس آفیسٹ دہلی سے شائع ہوئی۔اس کتاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی تذکروں کی تحقیق پر متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں۔جن میں فرمان فتح پوری اور حنیف نقوی نے تذکراتی ادب کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا۔لیکن بیش تر ناقدین ادب نے ان تذکروں کا مطالعہ کیا جو انیسویں صدی کے اواخر اور بالخصوص آب حیات تک مرتب ہوئے۔اگر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو تذکرہ نگاری کے انداز و نہج میں تبدیلی کریم الدین کے تذکرے کے بعد آئی۔گلشن بے خار کے بعد بھی متعدد تذکرے منظر عام پر آئے،انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس کے کئی اسباب ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔لیکن اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ۱۸۳۵ءکے بعد جو تذکرے مرتب اور شائع ہوئے،ان کا مطالعہ اور محاکمہ لازمی ہے۔اسی خیال کے پیش نظر انھوں نے زیر نظر موضوع کا انتخاب کیا[9]۔اس کتاب کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔باب اول میں تذکرے کے معنی و مفہوم ، غرض و غایت،تذکرے کی ادبی اہمیت اور اس کی فنی حیثیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔باب دوم میں اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور اس تاریخ کا جائزہ مصف نے پانچ ابواب کے تحت کیا ہے۔اس طرح باب اول میں ابتدا سے ۱۸۳۵ءتک لکھے گئے اردو شعرا کے تذکروں کے اجمالی جائزے پر مشتمل ہے۔اس باب کے مطالعے سے تذکروں کی تصنیف کے پس پردہ ان محرکات اور عوامل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اس عہد تک لکھے گئے تذکروں میں موجود رہے۔باب دوم ۱۸۳۵ءکے بعد ۱۸۵۷ءتک کے تذکروں کا مطالعہ و تجزیہ کیا گیا ہے۔باب سوم میں ۱۸۵۸ءسے ۱۹۰۰ءتک تذکروں کے تجزیے پر مشتمل ہے۔باب چہارم میں ۱۹۰۰ءسے ۱۹۴۷ءتک کے تذکروں کو زیر بحث لا گیا ہے۔باب پنجم میں ۱۹۴۸ءسے ۱۹۹۱ءتک مرتب اور شائع ہونے والے شعرائے اردو کے نمائندہ تذکروں کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔آخر میں مجموعی طور پر ۱۸۳۵ءسے لے کر ۱۹۹۱ءتک شائع ہونے والے تذکروں کے فنی لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ادبی امتیازات اور خصائص کا اجمالاً جائزہ لیا گیا ہے اور ان سب تذکروں کا انفرادی طور پر ادبی محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔کتاب کے آخر میں مصنف نے جن ماخذات سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی فہرست شامل کی گئی ہے۔اس

کے شروع میں اس کتاب کے بارے میں تقریظیں ہیں، جو نہ صرف کتاب کی اہمیت وافادیت کو دوچند کرتی ہیں بلکہ مصنف کی تحقیقی خدمات پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

جہاں تک اس میں شاعرات کے تذکروں کا تعلق ہے تو اس میں اردو کے چند تذکروں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ شاعرات کے ان تذکروں کے بارے میں معلومات بنیادی نوعیت کی حامل ہیں البتہ اس میں انفرادی طور پر ہر شاعرات کے تذکرے کے زمانہ تالیف، سبب تالیف اور ان کے مصنفین کے بارے میں مختصر اور جامع معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہر تذکرے کی نمایاں خصوصیت اور ان کی ادبی اہمیت اور تاریخی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۲۔ تذکروں کے بارے میں لکھے گئے تحقیقی مقالات

ایک گم شدہ تذکرہ(۱۹۶۵ء):

یہ مضمون سید امجد الطاف کا ہے۔ جو فنون کے شمارے مئی، جون ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے مولوی عبدالحیٔ صفا کے تذکرے کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شمیم سخن اردو کا ایک اہم تذکرہ ہے۔ جسے بہت کم لوگوں نے درخور اعتنا سمجھا ہے۔ بعد ازاں اس مضمون میں انھوں نے فرمان فتح پوری کی اس تذکرے کے بارے میں ایک اہم غلطی کی نشان دہی کی ہے۔ اس مضمون میں صفا کے تذکرے شمیم سخن حصہ دوم جو شاعرات سے متعلق ہے، کے بارے میں مختصر تعارف کروایا ہے۔

مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام تذکروں کی تدوین(۲۰۰۹ء):

یہ مضمون ڈاکٹر فریحہ نگہت کا مضمون ہے۔ مصنفہ کا یہ مضمون دریافت کے آٹھویں شمارے میں موجود ہے۔ جو جنوری ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مصنفہ نے تدوین کی اہمیت وافادیت پر بات کرنے کے بعد مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام جو تذکرے مدون ہوئے ان کا تعارف کراویا ہے۔ مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام شعرا کے تذکروں کی تدوین کے علاوہ ایک شاعرات کا تذکرہ بھی ترتیب دیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے شاعرات کے اس تذکرے کے مؤلف اور اس کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ تذکرہ بہارستان ناز ہے اور اس کے مرتب خلیل الرحمان داؤدی ہیں اور یہ ۱۹۴۶ء میں مرتب ہو کر منظر عام پر آیا۔

اردو تذکروں میں شاعرات(۲۰۱۴ء):

محمد عمران تبسم کا مضمون ہے۔ جو حرف نمود میں ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں ان شعرا کے تذکروں کا مختصر ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے اپنے تذکروں میں شاعرات کے ذکر کو شامل کیا۔ اس کے علاوہ چند ایک اردو شاعرات کے تذکروں کا تعارف پیش بھی کیا جنھوں نے شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کو محفوظ کیا۔ ان

تذکروں کا تعارف کروانے کے علاوہ مصنف نے بیسویں صدی کی چند ایک تصانیف پر روشنی ڈالی ہے، جو شاعرات سے متعلق ہیں۔

تذکرہ شمیم سخن (حصہ دوم)۔ایک مطالعہ (۲۰۱۷ء):

یہ مضمون ڈاکٹر محمد ارشد اویسی اور ڈاکٹر شمیم ظفر کا تحریر کردہ ہے جو ۲۰۱۷ء میں جنرل آف ریسرچ کے شمارہ نمبر ۳۲ میں شائع ہوا۔اس مضمون میں مقالہ نگاران نے شمیم سخن (حصہ دوم) جو شاعرات کے تراجم پر مشتمل ہے، کا تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اپنے معاصر شاعرات اردو کے تذکرہ نگاروں کی نسبت صفانے شاعرات کے کلام کے حسن و قبح کی تلاش کے بجائے محض ان کے حسن و جمال کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ ان کے فن پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔تاہم انھوں نے شاعرات کے احوال اور ان کے نمونہ کلام میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کیا بلکہ شاعرات کے ذیل میں زیادہ تر معلومات بہارستان ناز اور چمن انداز سے اخذ شدہ ہیں۔آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صفانے اس تذکرے میں تنقید شعر کی طرف توجہ نہ دے کر اس کو مرتبے سے گرایا ہے۔اگر وہ اس ضمن میں پہلو تہی نہ کرتے تو زبان کی سلاست، شاعرات کے حسن و جمال کے بیان سے گریز اور اختصار کے باوصف ان کا مقام ہم عصر تذکروں سے بلند ہو سکتا تھا۔

اردو ادب کی ابتدائی شاعرات۔ایک بازدید (۲۰۲۰):

اردو ادب کی ابتدائی شاعرات ڈاکٹر ریحانہ کوثر کا مضمون ہے۔جو الماس ۲۰۲۰ء کے تئیسویں شمارے میں شائع ہوا۔اس مضمون میں شعری ادب میں خواتین کے کردار کے ارتقا کو موضوع بناتے ہوئے انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو شاعرات کے تذکروں کا مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد اردو کی چند ایک ابتدائی شاعرات کے حالات اور ان کی شاعری کی خوبیوں اور خامیوں پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔بعد ازاں بیسویں صدی میں جن شاعرات نے اردو کے شعری ادب میں اضافہ کیا،ان کے ناموں کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ شاعرات کے تذکرے جو تحقیق و تدوین کے بعد دوبارہ شائع کیے گئے:

بہارستان ناز مرتبہ خلیل الرحمن دوادی (۱۹۶۸ء):

ان مقالات کے علاوہ شاعرات کے دو تذکرے تحقیقی مقدموں کے ساتھ بھی منظر عام پر آئے۔اس سلسلے کی پہلی کڑی بہارستان ناز ہے جو ۱۹۶۴ء میں مجلس ترقی ادب سے مرتب ہو کر شائع ہوا۔اس تذکرے کو ڈاکٹر خلیل الرحمن داؤدی نے مرتب کیا۔یہ تذکرہ ایک دفعہ چھپا تو سہی لیکن عرصے سے نایاب تھا۔اس تذکرے کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسے دوبارہ ترتیب دے کر شائع کیا گیا۔تذکرے کے متن کو انھوں نے بہارستان ناز کے

تینوں نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے صحت کے ساتھ مرتب کیا جو مصنف کی زندگی ہی میں شائع ہوئے تھے۔ جہاں کہیں انھیں ضرورت پڑی، اپنے بیان کی وضاحت کے لیے حواشی بھی لکھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس میں ایک طویل اور مبسوط مقدمہ بھی شامل کیا ہے، جس میں رنج کے حالات زندگی اور ان کی تصنیفی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان کی شخصیت کے بہت سے مخفی گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ مرتب نے بہارستان ناز کے مندرجات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے اور اس تذکرے کی اہمیت اجاگر کرنے کے علاوہ اس کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

تذکرۃ النساے نادری مرتبہ رفاقت علی شاہد: (۲۰۱۶)

اسی نوع کی دوسری کوشش تذکرۃ النساے نادری کی صورت میں ۲۰۱۶ میں منظر عام پر آئی۔ یہ تذکرہ بھی ایک دفعہ چھپا اور دوسری مرتبہ شائع نہیں ہوا۔ چونکہ عرصے سے نایاب تھا، اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ڈاکٹر رفاقت علی شاہد نے اس کو تحقیقی مقدمے اور محققانہ حواشی اور ضمیموں کے ساتھ مرتب کر کے ۲۰۱۶ میں سنگ میل پبلی کیشنز سے شائع کیا۔ تذکرے کو مرتب کرنے کے لیے انھوں نے اس پہلے شائع شدہ نسخوں کو مد نظر رکھا اور چار نسخے مرتب کے پیش نظر رہے۔ اس تذکرے کی تدوین کے لیے انھوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا، اس کی وضاحت مقدمے کے آخر میں کر دی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے محققانہ حواشی بھی لکھے ہیں جو تذکرے کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور مصنف کے تحقیقی رخ کو نمایاں کر رہے ہیں۔ مقدمے میں انھوں نے مصنف کے حالات زندگی اور ان کی تصنیفات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بعد ازاں انھوں نے تذکرے کی اہمیت اور ادب میں اس کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بتانے کی بھی کوشش کی ہے کہ یہ کئی معاصر شاعرات کے حالات و کلام کا واحد اور مستند ماخذ ہے۔

۴۔ مختلف تذکروں کے دیباچے اور پیش لفظ پیش۔۔۔

تذکرہ نسوانِ ہند (۱۹۵۶):

اس کے مصنف فصیح الدین رنج میرٹھی ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۹۵۶ء میں پٹنہ سے منظر عام پر آیا۔ یہ غیر منقسم ہندوستان کی مختلف شعبہ جات کی خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس تذکرے میں ۴۹۶ شاعرات، منصفات، کاملات، شہیرات اور مقدسات کے حالات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں ۲۸۶ شاعرات، ۵۴ منصفات اور ذی علم خواتین اور ۱۶ کاملات جنھوں نے کسی خاص فن میں کمال حاصل کیا۔ ۱۰۱ شہیرات جنھوں نے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے یا کسی ذاتی وصف کے سبب شہرت حاصل کی اور ۴۱ مقدسات یعنی وہ

خواتین ہیں جن کو مذہبی تقدس کے سبب شہرت و عظمت حاصل ہے۔ خواتین کے ان پانچوں طبقوں کے لحاظ سے کتاب کے پانچ حصے کیے گئے ہیں اور ہر حصے کے صفحات کا اندراج بھی الگ الگ ہے۔

حصہ اول: حصہ اول میں شاعرات اور ان کے تذکرے کو شامل کیا گیا ہے اور بہ قول مصنف ان میں بہت سی شاعرات ایسی ہیں جو صاحب دیوان ہیں۔[10]

حصہ دوم: حصہ دوم منصفات میں ذی علم خواتین کے تذکرے ہیں جنھوں نے قدیم زمانے میں بھی مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا سکہ بٹھایا۔

حصہ سوم: حصہ سوم میں ان عورتوں کے حالات اور کارناموں کو جمع کیا گیا ہے جنھوں نے کسی خاص فن میں نام پید اکیا۔ خصوصاً فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ حصہ بہت دل آویز ہے۔

حصہ چہارم: حصہ چہارم شہیرات میں ان خواتین کے تذکرے کو شامل کیا گیا ہے جنہوں نے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی کارناموں یا کسی خاص واقعہ زندگی کے سبب شہرت حاصل کی۔ یہ حصہ ہر مذاق کے اشخاص کے لیے دلچسپ ہے۔

حصہ پنجم: حصہ پنجم مقدسات میں ان خواتین کے تذکرے ہیں جن کو مذہبی تقدس کے سبب خاصی شہرت و عظمت حاصل ہے۔

تذکرہ نسوان ہند شمسی پریس پٹنہ سے شائع ہوا۔ اس کا سال طباعت ۱۹۵۶ء ہے۔ مصنف کے تحریر کردہ مقدمے میں ۴ جولائی ۱۹۵۶ء کی تاریخ درج [11] ہے۔ لیکن مقدمے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب دراصل پچیس سال سے مرتب ہو رہی تھی جس کی وضاحت مصنف نے کتاب کے مقدمے میں کر دی ہے۔ کتاب کے سال طباعت اور عرض مصنف کو اگر ذہن میں رکھ کر فیصلہ صادر کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ تذکرہ نسوان ہند کی تالیف کا آغاز ۱۹۳۰ء ہی میں ہو گیا تھا۔

مؤلف کے دیباچے کو پڑھنے کے بعد مزید یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مشاہیر ہندوستان کا ایک تذکرہ مرتب کرنا چاہتے تھے جس کا ذکر بہ قول مصنف انھوں نے تاریخ مگدھ کے مقدمے میں بھی کیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے مطالعہ تحقیق بھی کی اور کافی مواد بھی جمع کر لیا۔ ان کے پاس تقریباً قدیم زمانے سے لے کر دور حاضر تک ایک ہزار اشخاص کے حالات جمع ہو گئے جن میں پانچ سو خواتین تھیں۔[12] یہ خواتین تذکرہ نسوان ہند کے نام سے منظر عام پر آئیں اگر مرد مشاہیر کے حالات شاید تلف ہو گئے۔

تذکرہ نسوان ہند کی زبان اردو ہے اور اس میں صرف شاعرات ہی کو شامل تذکرہ نہیں کیا گیا بلکہ معاشرے کے مختلف طبقوں کی معروف خواتین کے تذکرے کو بھی شامل کیا گیا۔ مصنف نے ان کی ترتیب اس انداز

سے رکھی ہے۔ سب سے پہلے شاعرات کا حالات اور ان کے نمونہ کلام کو یک جا کیا گیا پھر منصفات، کاملات، شہیرات اور مقدسات کے حالات اور ان کے کارناموں کو شامل تذکرہ کیا ہے۔ مصنف نے ان خواتین کا اندراج حروف تہجی کی ترتیب سے نہیں کیا بلکہ انہیں عمر و عہد کے لحاظ سے ان کا ذکر شامل کیا ہے۔اس ترتیب سے ان کی بزرگی پوری طرح نمایاں ہوتی ہے۔

اس تذکرے میں مصنف نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کیا ہے اور اس میں قدیم دور سے لے موجودہ دور تک کی شاعرات کو شامل کیا ہے اور یہ تذکرہ تقریباً ۲۵۶ شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ سوانح کے لحاظ سے مصنف شاعرات کے حالات کا اندراج کافی تحقیق و تلاش کے بعد کیا ہے۔تذکرے سے شاعرات کے تاریخ، پیدائش، مذہب، وطن کے بارے میں باقی تذکروں کی نسبت اضافی معلومات کو پیش کیا گیا ہے۔ البتہ قدیم دور کی شاعرات کے نام، تخلص کے علاوہ ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہیں ملتیں اور نہ ہی سنین میں اور نہ ہی ان کے نمونۂ کلام میں کوئی بہتری لائی گئی ہے۔ بعض شاعرات کے حالات دو دو سطروں میں بیان کے گئے ہیں اور ان کے نمونہ کلام کا بھی صرف ایک ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔

اس تذکرے کی تنقیدی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ شاعرات کے حالات اور کلام پر مصنف کا کوئی تنقیدی نقطۂ نظر سامنے نہیں آتا اور نہ ہی مصنف نے ان کے کلام پر تبصرہ ورائے کا اظہار کیا ہے۔ کتاب میں شامل دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے مختلف مشاغل علمی ادبی، سیاسی، سماجی، مذہبی کمالات پر بھی مختصر اور جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے مختصر حالات کے علاوہ ان کی شہرت اور عظمت کا باعث بننے والے کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور ان پر ہلکے پھلکے انداز میں تبصرہ بھی کیا ہے۔ البتہ ان میں خواتین کے نمونوں کو شامل نہیں کیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی اس تذکرے میں اعتدال و توازن کی کمی ہے۔ مصنف نے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حالات اور نمونۂ کلام دونوں کے اندراج میں توازن کو قائم نہیں رکھا۔ بعض خواتین کے حالات چاہے وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتی ہو کا اندراج دو دو سطروں میں کیا گیا ہے جس سے اس کے نام اور جاے قیام کے علاوہ کسی بھی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ منتخبات کلام بھی مناسب اور موزوں نہیں ہیں۔

کتاب کے دیباچے میں اردو شاعرات کی تذکرہ نویسی کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا اور اردو کے چند ایک تذکروں کے بارے میں جزوی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو تذکرہ نسوان ہند سے پہلے منظر عام پر آچکے تھے۔

شاعرات پاکستان (۱۹۶۱ء):

شاعرات پاکستان شفیق بریلوی کا تالیف کردہ تذکرہ ہے۔ یہ ۱۹۶۱ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ تذکرے میں پاکستان کی ممتاز شاعرات کے ادبی اور شعری کارناموں کو منظر عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

ضخامت کے اعتبار سے یہ تذکرہ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۸۴ کے قریب شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں قیام پاکستان کے بعد شعری منظر نامے پر ابھرنے والی خواتین کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تذکرے کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ تذکرے کی پہلی شاعرہ اختر سے اس تذکرے کے متن کا آغاز ہوتا ہے اور آخر شاعری نور کے حالات اور کلام پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

شروع کے چند صفحات میں مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے۔ اس میں مصنف شعر و ادب میں خواتین کی خدمات کی عدم توجہی اور ان کے منظر عام پر لانے کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورتوں کے جوہر پاروں کو کبھی بھی منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ قدیم دور میں بھی شعرا نے شاعرات کو اپنے تذکروں میں شامل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جس کی وجہ سے بہت سی شاعرات کے ادبی اور شعری کارنامے گوشہ گم نامی کی نظر ہو گئے۔ البتہ بدلتے تقاضوں اور رجحانات کے پیش نظر شاعر خواتین کی عظمت و اہمیت سے انحراف مشکل ہو گیا تھا۔ چناں چہ کچھ شعرا اپنے تذکروں میں شاعرات کا ذکر کرنے لگے۔ بعد میں کچھ شاعرات کے تذکرے منظر عام پر آئے۔ یہ تذکرے اگرچہ مختصر ہی سہی لیکن ان سے یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ بہت سی خواتین نے مردوں سے زیادہ بہتر شعر کہے ہیں۔ اس صورت حال میں عورتوں کے کارناموں کو محفوظ نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے"[۱۳]۔ اسی وجہ سے بہت سی قدیم شاعرات کے حالات اور ان کے کلام سے اردو دنیا بڑی حد تک بے خبر ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ صورت حال آج بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کی شاعری کا اگر جائزہ لیا جائے تو ویسی صورت حال ہی نظر آتی ہے۔ بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ شعر و ادب میں بھی بڑا تغیر رونما ہوا۔ شعرا کے مشاعروں میں شاعرات کی بھی ایک بہت بڑی تعداد نظر آتی ہے لیکن پھر بھی امر واقعہ یہ ہے کہ ناقدین اور محققین اہل قلم خواتین کی ادبی و شعری خدمات کے اعتراف میں بے نیاز نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں یہ تذکرہ پہلی کوشش بلکہ پہلی جرأت ہے"[۱۴]۔

حسن ترتیب اور انتخاب کلام کے لحاظ سے یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرے میں شاعرات کے سوانحی حالات اگرچہ مختصر ہیں لیکن اپنے اندر جامعیت لے ہوئے ہیں۔ انتخاب کلام بھی معیاری اور موزوں ہے۔ شاعرات کی اردو اور فارسی نظموں اور غزلوں کے نمونے شامل کیے ہیں۔ تحقیقی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں تحقیق کے تمام لوازمات کا خیال رکھا گیا ہے۔ شاعرات کے عہد، سنین وفات و پیدائش کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے اگرچہ اس تذکرے میں تنقید کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا لیکن بعض شاعرات کے حالات اور کلام پر ہلکے پھلکے انداز میں تبصرہ ضرور ملتا ہے۔

جہاں تک شاعرات کی تذکرہ نویسی کا تعلق ہے تو اس کے دیباچے میں شاعرات اردو کے چند ایک تذکروں پر بحث کی گئی ہے۔

لاہور کی شاعرات (۱۹۶۳):

لاہور کی شاعرات کے مصنف سلطان شاہد ہیں۔ مصنف کی یہ ادبی کاوش ۱۹۶۳ء میں کتاب نگر لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب لاہور کی شاعرات کے تعارف و تجزیے پر مشتمل ہے۔

ضخامت کے لحاظ سے اس کے صفحات کی تعداد دو سو کے قریب ہے اور اس میں لاہور کی ۱۷ تقریب شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ شروع کے دو تین صفحات میں مصنف تذکرہ کا دیباچہ ہے جس میں مصنف نے شاعری کے میدان میں خواتین کے شعری کردار کو نمایاں ہے۔ صفحہ ۲۱ سے امیر بانو سے اس تذکرے کے متن کا آغاز ہوتا ہے اور نسیم اعظم کے کلام اور حالات پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ ابتدائی ایک دو صفحوں میں مصنف نے اس تذکرے میں شامل شاعرات کی تصاویر کو شامل کیا ہے۔

حالات اور کلام دونوں اعتبار سے اس تذکرے میں تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ شاعرات کے حالات اور نمونۂ کلام کئی کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں جس میں شاعرات کی پیدائش سے لے کر ان کی ہر علمی و ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس سے کسی بھی شاعرات کے مزاج، عہد، ماحول اور اس کے رجحانات اور میلانات کے بارے میں بہ خوبی علم ہوتا ہے۔ کلام کے انتخاب میں بھی شاعرات کی کئی کئی غزلوں اور نظموں کے علاوہ ان کے متفرق اشعار کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے اس کتاب میں شاعرات کے حالات اور کلام دونوں کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ مصنف کا یہ تبصرہ و تجزیہ شاعرات کی شخصیت کو سمجھنے کے علاوہ ان کی شاعری کی فکری و فنی پہلوؤں کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب اپنی نوعیت اور پیش کش کے اعتبار منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ مصنف نے شاعرات کے حالات کے اندراج میں انوکھا طریقہ اختیار کیا ہے۔ شاعرات کے حالات کو ایک افسانے کی صورت میں پیش کیا ہے گویا اس پر تذکرے سے زیادہ افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ شاعرات کے حالات کے اندراج کا یہ طریقہ اس سے پہلے کسی تذکرے میں نظر نہیں آتا۔ اس میں کہیں کہیں اردو تذکروں کا برائے نام حوالہ ملتا ہے۔

اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ (۱۹۶۸):

اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ کا ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی خواتین کے موضوع پر لکھی جانے والی ایک اہم تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں مجلس تحقیقات حمایت نگر سے منظر عام پر آئی۔ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ادب کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کرنے والی خواتین کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے ادب کی خدمت اور ترقی میں جو کارنامے سرانجام دیے، ان کے کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول، دوم، سوم میں اردو شاعری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور سے خواتین کی دل چسپی کو واضح کرتے ہوئے شاعرات کو اپنے زمانے اور عہد کے ادبی معیارات اور تقاضوں کے پیش نظر ان کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ شاعرات کے کلام کی مزید خصوصیات واضح کرنے کے لیے مصنفہ نے ان شاعرات کے الگ الگ مراکز قائم کیے ہیں جیسے مرکز کلکتہ، مرکز دہلی، مرکز لکھنؤ وغیرہ۔ ان مراکز سے وابستہ شاعرات کی شعر و ادب سے دلچسپی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ باب چہارم نثر نگار خواتین سے متعلق ہے۔ اس باب میں اردو نثر کے ابتدائی نمونوں کا جائزہ لیتے ہوئے ابتدائی دور کی نثر نگار خواتین کے حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک شاعرات اور نثر نگار خواتین کا ذکر کیا ہے جن کے ادبی کارنامے اردو ادب کی ترقی میں اضافے کا باعث بنے۔ باب پنجم میں بچوں کے ادب کے علاوہ اس دور کی ناول نگار، سفر نامہ نگار، مضامین نگار اور نظم نگار خواتین کے ادبی کارناموں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ باب ششم میں دور جدید کی افسانہ نگار خواتین اور ان کی تخلیقات کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان خواتین نے کن کن موضوعات پر لکھا اور اردو ادب میں کون کون سے نئے موضوعات سے اردو ادب کو وسعت اور استحکام بخشا۔ بعد ازاں غدر کے بعد کی شاعری کا موضوعاتی جائزہ لیتے ہوئے مصنفہ اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر خواتین کے موضوعات اور اظہار بیان کے سانچوں میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی اور خواتین نے حسن و عشق کے موضوعات کے علاوہ زندگی کے مختلف مسائل کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ باب ہفتم میں متفرق شعبہ جات مثلاً ادب اطفال، درسیات اور صحافت میں نام پیدا کرنے والی خواتین کے کارناموں پر تبصرہ کیا ہے۔ الغرض اصناف ادب کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر خواتین نے قلم نہ اٹھایا ہو اور اپنے ادبی کارناموں سے اردو ادب کے ذخیرے کو مالا مال نہ کیا ہو۔ کتاب کے مطالعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً ہر میدان میں خواتین کسی بھی شعبے میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ چاہے شاعری کا میدان ہو یا نثر نگاری یا صحافت کا کسی بھی شعبے میں خواتین نے بھی اردو ادب کو اپنی تخلیقات کے ذریعے ترقی کے راستے پر گامزن کیا اور متنوع موضوعات اور زبان و بیان کے ذریعے وسعت سے ہم کنار کیا۔

اس کتاب میں اردو کے چند ایک تذکروں کا عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان تذکروں میں مذکور شاعرات کے حالات اور واقعات کو مزید تحقیق کے بعد ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً شرف النساء کے بارے میں کسی بھی تذکرے میں اس کے سوانحی حالات کا اندراج نہیں کیا گیا لیکن اس کتاب میں اس کے سوانحی حالات تحقیق و دریافت کے بعد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

آج کی شاعرات (۱۹۷۳):

سلطانہ مہر کا تذکرہ ہے جو ۱۹۷۳ء میں آفیسٹ پریس کراچی سے شائع ہوا۔ کتاب کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان ادوار کی تقسیم مصنفہ اس مصرع سے کی ہے۔ ''بوئے گل، نالہ دل، دود چراغ محفل'' یعنی

پہلا دور۔ بوئے گل

دوسرا دور نالہ دل

تیسرا دور چراغ دود محفل کے عنوان سے ہے۔

کتاب کو تین ادوار میں تقسیم کرنے اور ان ادوار کے عنوانات قائم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہیں کہ

> جب کتاب کے تین ابواب کے لیے عنوانات کی تلاش ہوئی تو نگہ انتخاب اسی پر آکر ٹھہری لیکن کیا خبر تھی کہ نوشتہ تقدیر میں یہ محض مصرعہ ہی نہیں بلکہ پورا شعر اقتباس کیا گیا اور دوسرے مصرعے کی پریشانی، مرئی شکل اختیار کرکے میرے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔[۱۵]

اس مصرعے سے ہی مصنفہ کے اس تذکرے کی تالیف میں درپیش مشکلات اور رکاوٹیں پوری طرح عیاں ہوتے ہیں۔ وہ مزید اس تذکرے کی تالیف کے بارے میں مزید لکھتی ہیں:

> جنگ میں جن شاعرات کا تعارف چھپ چکا تھا محض ان کا تذکرہ ایک کتاب کے لیے کافی نہیں تھا۔ اس لیے میں پاکستان کی ہر ہر شاعرہ سے از سر نو رابطہ قائم کیا اور مختصر حالت لکھنے کی درخواست کی اور اس میں مجھے جو دقتیں پیش آئیں ہر چیز کہ وہ صبر آزما ہی تھی۔ اب ان کا ذکر لاحاصل ہے کسی نے کھلے دل سے تعاون کیا، کسی نے تغافل برتا، کسی نے وعدوں پر ٹالا، بہر حال جو گزرنا تھا گزر گیا اور میں شاعرات کے حالات زندگی اور ان کے کلام کے نمونے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور آج کی شاعرات کا خمیر تیار ہوا۔[۱۶]

اس تذکرے میں صرف پاکستان کی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو جمع کیا گیا ہے اور تذکرے کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے دور میں ۶۱ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو یکجا کیا گیا ہے اور دوسرا دور ۲۳ شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہے اور تیسرے اور آخری دور میں ۱۹ شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے اور یوں مجموعی طور پر شاعرات کی تعداد ۱۰۳ کے قریب بنتی ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے اس تذکرے کے صفحات کی تعداد ۲۰۷ کے قریب ہے شروع کے چند صفحات میں مصنفہ تذکرہ کا مقدمہ اور اس تذکرے میں شامل شاعرات کی فہرست ہے۔ صفحہ ۹ سے تذکرے کی پہلی شاعرہ راحیل اختر سے اس تذکرے کے متن کا آغاز ہوتا ہے اور آخری شاعرہ نور الصباح بیگم کے حالات اور ان کے

کلام پر تذکرہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔تذکرے کی ترتیب میں مصنفہ نے شاعرات کا اندراج مقام و مرتبے سے قطع نظر تخلص کی رورعایت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے۔

تذکرے میں شاعرات کے حالات اور ان کے نمونے کلام مختصر ہی سہی لیکن اپنے اندر جامعیت لیے ہوئے ہیں جو شاعرات کی ہر ادبی اور غیر ادبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہے اور ان کے مطالعے کے بعد شاعرات کی شخصیت سے متعلق قسم کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ شاعرات کی شخصیت کے تمام گوشوں سے مکمل طور آگاہی فراہم ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ان شاعرات کے شعری اور نثری کارناموں کے بارے میں بھی مکمل معلومات ملتی ہیں۔ تنقیدی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں شاعرات کی زبان و بیان کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنے کے علاوہ ان کے کلام کے فکری پہلوؤں پر بھی بے لاگ تجزیہ و تبصرہ کیا گیا ہے جو نہ صرف شاعرات کے کلام کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ شاعرات کے ادبی مزاج، ان کے رجحانات و میلانات اور ان کے عہد اور ماحول کے بارے میں بھی بہت سی معلومات پر روشنی ڈالتا ہے۔ کس شاعرہ نے کس کس صنف میں طبع آزمائی کی اور کس صنف میں اپنا نام کمایا، ان کی ادب میں منفرد شناخت واضح کرنے کے علاوہ ان کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔شاعرات کے کلام کا انتخاب بھی معیاری اور موضوع ہے۔ شاعرات کی غزلوں اور نظموں کے علاوہ ان کے متفرق اشعار کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ اپنی نوعیت اور پیش کش کے لحاظ سے دوسرے تذکروں سے مختلف ہے۔ اس تذکرے میں بعض شاعرات نے اپنے حالات خود رقم کیے ہیں گویا اس تذکرے کی حیثیت ایک خود نوشت کی سی ہے۔تذکرے میں حالات اور کلام دونوں میں توازن ہے۔ شاعرات کے حالات زندگی کے ساتھ شاعرات کی تصاویر کو بھی تذکرے میں درج کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ نہ صرف زبان ادب میں ان کردار کے ارتقا کو نمایاں کرتا ہے بلکہ اردو شعر و ادب میں پاکستانی شاعرات کی خدمات اور کارناموں کو بھی سامنے لاتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی شاعرات پاکستان کے نام سے ایک تذکرہ منظر عام پر آچکا ہے لیکن اس تذکرے میں صرف ۴۸ شاعرات کو جمع کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے اس تذکرے میں شاعرات کی تعداد بھی زیادہ ہے اور مصنفہ نے ماخذات کی ذیل میں بھی بڑی جان فشانی اور عرق ریزی سے شاعرات کا اندراج کیا ہے۔اس لحاظ سے یہ ادب کی تاریخی نویسی میں ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کتاب میں باقاعدہ طور پر شاعرات کی تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی لیکن کہیں کہیں اردو شاعرات کے تذکروں پر بین السطور تبصرہ ضرور ملتا ہے۔

پٹھان شاعرات(۱۹۸۳):

ڈاکٹر محمد عاطف خان کی تصنیف ہے۔ پہلی دفعہ ۱۹۸۳ء میں میں فخر الدین میموریل اردو کمیٹی اتر پردیش سے منظر عام پر آئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

یہ ضخامت کے لحاظ سے ۲۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ۲۸ کے قریب پٹھان قبیلے سے تعلق رکھنے والی شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کو یک جا کیا گیا ہے۔تذکرے کے شروع میں مصنف تذکرہ کا طویل مقدمہ ہے۔ جس میں پٹھانوں کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور ان کی ہندستان میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، تاریخی اور ادبی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔پٹھانوں کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے پٹھان شاعرات کی اردو ادب کی ترقی میں خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس مقدمے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پٹھانوں شعر و ادب اور فنون لطیفہ میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ شعر و ادب میں شعرا کے ساتھ ساتھ شاعرات نے بھی شاعری میں اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا۔

یہ تذکرہ اردو زبان میں ہے اور اس تذکرے میں ان شاعرات کو جگہ دی گئی ہے جو پٹھان قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔اردو زبان میں شاعری کرتی ہیں۔تذکرے میں ہندوپاک کی شاعرات اردو کے علاوہ چند ایک فارسی شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ سوانحی اعتبار سے اس میں شاعرات کے حالات زندگی مختصر ہیں لیکن ان کے کلام کے نمونے طویل ہیں اور ان کو مناسب اور موزوں اہمیت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے اس تذکرے میں تنقید کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔البتہ مصنف نے جہاں کہیں سے معلومات کشید کی ہیں، ان کا ذکر تذکرے کے آخر میں کر دیا گیا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ایک منفرد تصنیف ہے۔اس میں ایک ہی قبیلے کی شاعرات کے حالات اور کلام کو یک جا کیا گیا ہے۔اور اردو زبان و ادب میں ان کے شعری کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس تذکرے کے دیباچے میں بھی اردو شاعرات کے چند ایک تذکروں کے بارے میں عمومی تبصرہ ملتا ہے البتہ اس تذکرے میں شاعرات کے سوانح کے بارے میں زیادہ تحقیق کر کے معلومات کا اندراج کیا گیا ہے۔

تذکرہ نعت گو شاعرات(۱۹۸۴):

تذکرہ نعت گو شاعرات ابو سلمان شاہجہان پوری کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ادارۂ تصنیف و تالیف سے ۱۹۸۴ء میں منظر عام آیا۔اس تذکرے میں ۴۸ کے قریب شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔۔ ۱۱۱ صفحات پر مشتمل اس تذکرے میں صرف نعت گو شاعرات کو شامل کرنے کی اپنی نوعیت کی پہلی کوشش نظر آتی ہے۔

تذکرے میں صرف نعت کہنے والی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو جگہ دی گئی ہے۔ تذکرے میں اردو زبان کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک نعت گو شاعرات کو جگہ دی گئی ہے۔ تذکرے میں قدیم شاعرات بھی ہیں، جدید شاعرات بھی ہیں۔

مصنف اس تذکرے کی عہد تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے یہ تذکرہ ۱۹۷۸ء میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ بوجوہ آٹھ سال کے بعد ۱۹۸۴ء میں اس کی طباعت عمل میں آئی[۱۷]۔ وہ تذکرے کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر تاریخ ادب کا جائزہ لیا جائے تو بہت سی قدیم شاعرات کا تذکرہ مختلف وجوہات کی بنا پر تاریخ ادب نے محفوظ نہیں کیا اور اس پر مستزاد یہ کہ اب تک بھی کسی نے نعت گو شاعرات کا تذکرہ مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بہت سی کتابیں دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ تاریخ ادب کے اس دور میں بھی اگر کوئی نعت گو شاعرات کا تذکرہ مرتب کرنے کی کوشش کرے تو اس کے لیے مشکلات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سو اس تذکرے کی ترتیب میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مشکلات کے باوجود تذکرہ نعت گو شاعرات کی ترتیب دینے کی ادنیٰ سی کوشش ہے[۱۸]۔

تذکرے کے شروع میں مصنف تذکرہ کا دیباچہ ہے۔ اس دیباچے میں مصنف نے تعلیم نسواں کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کی نعت گوئی کے ارتقا کا جائزہ لیا ہے اور خواتین کی نعت گوئی سے رغبت اور ان کے جذبہ عشق کو نمایاں کیا ہے۔

تذکرے میں مصنف نے شاعرات کو شامل کرنے کے لیے ایک معیار قائم کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ میں نے اس تذکرے میں ان شاعرات کو شامل کیا ہے۔

اول: جس شاعرہ کا نعتیہ کلام شائع ہو چکا ہے چاہے وہ دیوان مختصر یا ضخیم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے کسی بھی شاعرہ کی نعت گوئی سے شغف اور دل چسپی کو دیکھا جا سکتا ہے۔

دوم: تذکرہ نویس یا کسی سوانح نگار نے اس بات کی صراحت کی ہو کہ اسے نعت گوئی سے دل چسپی ہے یا نعت یا سلام وغیرہ اس کا خاص فن ہے۔

سوم: اس بنا پر کہ نعتوں کے انتخاب میں ان کا کلام بھی منتخب کیا گیا ہے اس سے ان کا امتیاز کا پتہ چلتا ہے[۱۹]۔

تذکرے میں شاعرات کے حالات اور کلام کو جمع کرنے میں کافی تلاش و بسیار سے کام لینے کی کوشش نظر آتی ہے اور معلومات کو رد و قبول کے مراحل سے گزارنے کے بعد عرق ریزی سے معلومات کا اندراج کیا گیا ہے۔ تذکرے میں شاعرات کے سنین وفات و پیدائش کا بھی اہتمام ملتا ہے۔ مصنف نے شاعرات کے سوانحی پہلو پر بھی روشنی ڈالی

ہے جس سے جدید شاعرات کی ادبی اور غیر ادبی سر گرمیوں کے علاوہ ان کی تعلیمی سر گرمیوں، ملک و ملت، مذہب اور خاندان کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

تنقیدی اعتبار سے اس تذکرے میں تنقید کا عنصر نظر نہیں آتا۔ شاعرات کے حالات اور کلام دونوں پر مصنف کی رائے یا تبصرہ نہیں ملتا۔ماخذات کے ذیل میں بھی مصنف اپنی ذاتی کاوشوں سے معلومات کو تلاش کر کے ان کا اندراج کیا ہے۔ قدیم شاعرات کے حالات و کلام کو جمع کرنے میں مصنف نے گلدستوں اور بیاضوں سے مدد لی ہے۔

تذکرے میں شاعرات کے حالات اور ان کے منتخبات اگرچہ مختصر ہی سہی لیکن دونوں معیاری اور موزوں ہیں۔ انتخاب کلام میں شاعرات کی نعتوں کے علاوہ نعتیہ اشعار کو بھی تذکرے میں شامل کیا گیا ہے۔تذکرے میں بعض شاعرات کے دیوان اور مجموعوں کے بارے میں بھی علم ہوتا ہے۔جو ادب میں خواتین کے شعری ذوق اور ان کے کردار کو نمایاں کر رہے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی اس تذکرے میں اعتدال اور توازن کو قائم رکھنے کی کوشش نظر آتی ہے اور بعض مندرجات کے لحاظ سے بھی یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ نعت گو شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو جمع کرنے کا اپنی نوعیت کا پہلا تذکرہ ہے جس میں صرف نعت گو شاعرات کے حالات اور ان کے نعتیہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔ اگرچہ کچھ دوسرے شاعرات کے تذکروں میں کچھ نعت گو شاعرات کے بارے میں پتہ چلتا ہے لیکن باقاعدہ طور پر نعتیہ تذکرے کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ دوسرا اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کے نعتیہ کلام کو منتخب کرنے کا اپنا ہی ایک الگ معیار قائم کیا ہے۔ مثلاً مصنف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ جو نمونے جمع کیے جائیں وہ مشرکانہ خیالات اور غیر اسلام افکار سے پاک و منزہ ہوں۔

اس تذکرے کے دیباچے میں اردو شاعرات کے تذکروں کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کے حالات و کلام پر زیادہ سے زیادہ تلاش و جستجو کے بعد معلومات دینے کی کوشش کی ہے۔

تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ (۱۹۹۱):

تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ شاداب ذکی بدایونی کا تالیف کردہ تذکرہ ہے جو ۱۹۹۱ء میں الیکٹرک پریس بریلی سے شائع ہوا۔ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل اس تذکرے میں ۱۲۱ کے قریب شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کو یکجا کیا گیا ہے۔آخر میں چند صفحات پر مشتمل تذکرے کا ضمیمہ ہے جو صفحہ ۳۴۳ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۳۴۶ پر اختتام پذیر ہوتا ہے اس میں تقریباً ۱۲ جدید شاعرات اردو کے حروف تہجی کی ترتیب سے شاعرات کے

حالات اور ان کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ صرف روہیل کھنڈ کی شاعرات تک محدود ہے۔ اس تذکرے میں طوائفیں بھی ہیں اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والی شاعرات بھی ہیں اور عام شاعرات بھی۔

تذکرے کا متن صفحہ ۳۴ سے اختر کے حالات اور اس کے نمونہ کلام سے ہوتا ہے اور ۲۳۱ پر نیر کے کلام پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ تذکرے میں شاعرات کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے ہے۔

تذکرے میں مصنف کا لکھا ہوا ۲۳ صفحات پر مشتمل مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔ مقدمے کے شروع میں مصنف نے دنیا کی چند نام ور ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے کسی بھی شعبے میں بیش بہا کارنامے سرانجام دیے۔ بعد ازاں خواتین کی شعری اور نثری تخلیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ زبان وادب کی خدمت گزاری میں خواتین نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ شاعری کے علاوہ ان کے نثری کارناموں پر بھی اگر سرسری نظر ڈالیں تو انھوں نے نثر میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ خواتین ہر میدان میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ [20]

اردو شاعری کی اگر بات کی جائے تو خواتین شاعرات کے نام سترھویں صدی سے ہی سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن بدقسمتی سے پدرسری معاشرے میں ان کے احساسات وجذبات کو ہمیشہ دبانے کی کوشش کی گئی اور انھیں ابھرنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع میسر نہیں آئے" [21]۔ اس کے علاوہ اس مقدمے میں اردو کے چند اہم تذکروں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے اور اردو کی چند قدیم شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کے نمونوں کا اندراج کیا ہے۔ مقدمے کے آخر میں مصنف نے روہیل کھنڈ کے مختلف اضلاع میں شعر وادب کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا ہے کہ ان اضلاع میں اردو زبان اور شاعری کو ترقی نصیب ہوئی اور یہاں شعرا اور ادبا نے زبان وادب کی خدمت میں نہ صرف اہم کردار ادا کیا بلکہ شعر وادب کی سرپرستی بھی کی۔ آخر میں روہیل کھنڈ کی قدیم وجدید شاعرات کی شاعری کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد مصنف اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شعر وادب کی ترقی میں روہیل کھنڈ کی شاعرات دوسرے علاقوں کی شاعرات سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں رہی۔

تذکرے میں صرف روہیل کھنڈ کی قدیم وجدید شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں شاعرات کے حالات اگرچہ مختصر اور جامع ہیں لیکن ان کے کلام کے نمونے زیادہ طویل ہیں۔ شاعرات کے مختصر سوانحی حالات بیان کرنے کے بعد شاعرات کی علمی وادبی سرگرمیوں، ان کے خاندانی حالات، ان کی شادی، بیاہ، اساتذہ، ملک وملت اور مذہب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بعض جدید شاعرات کے شعری مجموعوں پر بھی تعارف وتبصرہ ملتا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے اس تذکرے میں مصنف نے کافی تحقیق و دریافت کے بعد معلومات کا اندراج کیا ہے۔ تنقید ی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کے کلام پر نقد و تبصرہ کیا ہے جو شاعرات کے کلام کی تفہیم میں نہ صرف اہم کردار کرتا ہے بلکہ ان کے فکری گوشوں کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

تذکرے میں درج معلومات کا اندراج مستند کتابوں، رسائل اور تذکروں سے اخذ و استفادے کے بعد کافی چھان پھٹک کے بعد اندراج کیا ہے۔ آخر میں سند کے طور پر ان کا حوالہ بھی دیا ہے۔ تذکرے میں شاعرات کے حالات اور کلام دونوں میں توازن نہیں ہے۔ مصنف نے بعض شاعرات کے حالات صرف دو تین سطروں میں درج کیے اور ان کے سنین پیدائش اور وفات تک کا تعین بھی نہیں ملتا بعض شاعرات کے ذیل میں زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔ منتخبات کلام بھی مناسب اور موزوں نہیں ہے مصنف بعض شاعرات کے ایک ایک دو دو شعر پیش کیے ہیں اور بعض شاعرات کے کلام کے طویل نمونے شامل کیے ہیں۔ شاعرات کی نظم، غزل اور جس طرح کے اشعار مصنف کو ملے، درج تذکرہ کر دیے گئے ہیں۔

اس تذکرے کے دیباچے میں شعری ادب میں خواتین کے شعری کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے بطور مثال اردو کے ابتدائی پانچ تذکروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اردو شاعرات کی نعتیہ شاعری (۱۹۹۴):

اردو شاعرات کی نعتیہ شاعری کے مؤلف خالد علیم ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۴ء میں معراج پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس تذکرے میں ۱۰۴ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تذکرے میں قدیم و جدید دونوں شاعرات کے حالات اور کلام کو یک جا کیا گیا ہے۔ تذکرے کو ادوار میں تقسیم کرکے مصنف نے ان شاعرات کی نعت گوئی سے شغف اور ان کی خصوصیات کو واضح کیا ہے۔ تذکرہ دو حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ انیسویں صدی کی شاعرات

۲۔ بیسویں صدی کی شاعرات

پہلے حصے میں ان شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے جو انیسویں صدی کے آخر تک زندہ تھیں یا ایسی شاعرات جو بیسویں صدی کے شروع میں زندہ تھیں مگر ان کی ولادت انیسویں صدی کے ربع چہارم کی ہے۔ دوسرا حصہ جدید شاعرات سے متعلق ہے۔ اس حصے میں مصنف نے ان شاعرات کو شامل تذکرہ کیا ہے۔ جنھوں نے نعت گوئی میں اپنی پہچان بنائی۔ اگرچہ انھوں نے دوسری اصناف میں بھی طبع آزمائی کی لیکن نعتیں بھی تواتر کے ساتھ لکھیں۔ دوسرا ان شاعرات کو بھی جگہ دی گئی ہے جن کی ولادت انیسویں صدی میں ہوئی یا انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئیں مگر ان

کے فکری رجحانات کا دائرہ کار بیسویں صدی کے افکار و نظریات اور آہنگ شعر سے نمو پاتا ہے۔ مصنف مزید اس تذکرے میں شاعرات کے شامل کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> اس کتاب میں صرف ان شاعرات کی اردو نعتیہ شاعری پر لکھا جارہا جن کے متعلق یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ باقاعدہ نعت گوئی کی طرف مائل تھیں یا ایسی شاعرات جو اسلامی رنگ میں شعر کہتی تھیں اور ان کا میلان طبع نعت کی طرف بھی رہا، جس سے ان کی طبیعت میں نعت گوئی کی پاکیزہ فضا قائم رہی لیکن ایک یا دو سے زیادہ نعتیں نہیں لکھ سکیں۔ تاہم ایسی شاعرات کا ذکر بھی اس کتاب میں کیا جارہا، جن کا ایک آدھ نعت کے سوا دوسرا کلام نہیں ملتا۔ ایسی شاعرات جو عشقیہ بلکہ سوقیانہ شاعری کی طرف مائل رہیں لیکن تبرک کے طور پر ایک آدھ نعت یا چند نعتیہ شعر کہے، ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان کی نعت گوئی کا کوئی باقاعدہ ثبوت نہیں مل سکا۔[۲۲]

تذکرہ حروف تہجی کی ترتیب سے ہے لیکن مصنف نے اس میں ایک جدت یہ پیدا کی ہے کہ قدیم و جدید شاعرات کے ادوار قائم کر کے شاعرات کا اندراج کیا ہے۔ تذکرے کے شروع کے بیس اکیس صفحات پر مشتمل مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے۔ اس مقدمے میں مصنف اردو شاعرات کے مرتب ہونے والے تذکروں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاعرات کے حالات اور کلام کو یک جا کرنے کے لیے تذکرے معرض وجود میں تو آئے لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ ان تذکروں میں بھی شاعرات کے حالات مکمل طور پر دست یاب نہیں ہیں اور بعض شاعرات کا اصل نام تک معلوم نہیں ہے۔ وہ شاعرات کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ شاعرات اردو کے ان تذکروں میں نعت گوئی کا محض ضمنی ذکر ملتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ شاعرات کی نعت کے نمونے نہیں دیے گئے۔ اس مقدمے کے علاوہ اس میں شاعرات کی شاعری سے متعلق مصنف نے خواتین شعر و ادب کے عنوان سے ایک مضمون بھی قلم بند کیا ہے جس میں مصنف نے عورت کی قدیم و جدید نسائیت کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے تمام علوم و فنون اور شعبہ ہائے زندگی میں ان کی صلاحیتوں اور کارناموں کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔ بعد ازاں وہ خواتین کی شعر و ادب سے دلچسپی اور ذوق پر بات کرتے ہوئے یونان سے ان کے شعری ذوق کے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اور بطور مثال یونانی کی ایک قدیم شاعرات سیفو، لیلاوتی کی مثال پیش کرتے ہیں[۲۳]۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام خواتین نے دیگر شعبوں میں باکمال ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے شاعری کے ارتقا میں بھی بہت سی ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جو فصیح و بلیغ شاعرہ بھی تھیں۔ وہ خواتین کے شعری ذوق کے ارتقا کا ابتدا سے موجودہ دور تک جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عصر جدید میں بھی بہت سی ایسی شاعرات کے نام مل جاتے ہیں جنھوں نے دوسری اصناف سخن میں طبع آزمائی کرنے کے علاوہ نعت گوئی میں اپنا نام بنایا۔[۲۴]

کتاب کے مندرجات سے اس تذکرے کے زمانۂ تالیف پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مصنف نے یہ تذکرہ کب لکھنا شروع کیا اور کب اس کو مکمل کیا ہے۔ تذکرے میں درج مصنف کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس تذکرے کی ترتیب کا آغاز آٹھ سال پہلے ۱۹۸۸ء میں کر دیا تھا اور آٹھ سال کی محنت و ریاضت کے بعد ۱۹۹۴ء میں یہ منظر عام پر آیا۔

اس تذکرے میں شاعرات کے حالات اور کلام مناسب اور موزوں اہمیت کے ساتھ شامل کیے گئے ہیں۔ مصنف نے سوانحی حالات میں شاعرات کی دیگر ادبی اور غیر ادبی سرگرمیوں کے علاوہ شاعرات کی نعت گوئی سے شغف اور نعت گوئی کی طرف ان کے میلانات اور رجحانات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعرات کے حالات زندگی بھی مزید بہتر بنانے کی کوشش نظر آتی۔ البتہ جو شاعرات قدیم دور کی ہیں ان کے حالات اور کلام دونوں مختصر ہیں۔ تذکرے میں بہت سی نئی نعت گو شاعرات کے بارے میں علم ہوتا ہے۔ انتقادی لحاظ سے بھی باقی تذکروں کی نسبت شاعرات کے کلام کا تنقیدی نقطہ نظر سے تبصرہ و تجزیہ ملتا ہے اور شاعرات کے کلام کو اپنے عہد اور ماحول کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ نعت گو شاعرات کے حوالے سے ایک اردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی نعت گو شاعرات کا ایک تذکرہ منظر عام پر آچکا ہے۔ نعت گو شاعرات کے تذکرے میں اس تذکرے کی نسبت شاعرات کی تعداد بھی بہت کم ہے اور شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام دونوں مختصر ہیں۔ زیر نظر تذکرے میں مصنف نے حالات کلام کو بہتر بنانے کے علاوہ نعت گو شاعرات کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس تذکرے میں شامل کیا ہے۔ اپنی پیش کش کے اعتبار سے بھی اس تذکرے کی اہمیت اپنی جگہ اہم ہے۔ دوسرا یہ تذکرہ بہت سے نعت گو شاعرات کے دواوین اور ان کے شعری مجموعوں کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تذکرہ نعت گو شاعرات کے حوالے سے ایک اہم اور مستند ماخذ کا کام دے گا اور تاریخ ادب اردو کی ترتیب میں بھی معاون ثابت ہوگا۔

تذکرے کے دیباچے میں اردو شاعرات کے تذکروں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ اب تک شاعرات کے جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں وہ شاعرات کے بارے میں مکمل طور پر معلومات فراہم نہیں کرتے۔

آزادی کے بعد اردو شاعرات (۱۹۹۴):

نجمہ رحمانی کی تالیف کردہ کتاب ہے۔ یہ ۱۹۹۴ء میں آفسیٹ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ کتاب کے سرورق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنفہ کا ایم۔ فل کا مقالہ ہے۔ اس مقالے پر مصنفہ کو دہلی یونی ورسٹی نے ایم۔ فل کی ڈگری تفویض کی۔ جسے بعد میں کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب میں آزادی کے بعد اردو شاعرات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں ایک باب قدیم شاعرات سے متعلق ہے جس میں انیسویں صدی اور

انیسویں صدی سے قبل کی شاعرات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مصنفہ نے اٹھارھویں صدی کے سیاسی و سماجی حالات کے تناظر میں ہندوستان میں عورتوں کی سماجی، معاشرتی، ادبی اور شاعرانہ حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے اس عہد کی چند شاعرات کے کلام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ دوسرے باب میں آزادی کے بعد جدید شعری اور ادبی رجحانات اور تحریکات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ان تحریکوں میں ترقی پسند تحریک، حلقۂ ارباب ذوق کی تحریک، جدیدیت، وجودیت نے اردو شاعری پر فکری وفنی اور لسانی اعتبار سے جو اثرات مرتب کیے اور ان اثرات کے نتیجے میں شاعری میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان تبدیلیوں کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خواتین تخلیق کاروں نے ان رجحانات کا کتنا اور کس طرح اثر قبول کیا۔ تیسرے اور آخری باب میں ہندو پاک کی چند اہم اور اپنے عہد کی نمائندہ شاعرات کے فن پاروں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان نمائندہ شاعرات میں زہرہ نگاہ، ادا جعفری، کشور ناہید، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، یاسمین حمید، ممتاز مرزا، زاہدہ زیدی، ساجدہ زیدی، جمیلہ بانو اور مسعودہ حیات کے نام شامل ہیں۔

یہ کتاب نہ صرف چند جدید شاعرات اور ان کے کلام پر تنقیدی نگاہ ڈالتی ہے بلکہ شاعری میں عہد بہ عہد ہونے والی سیاسی و سماجی اور ادبی تبدیلیوں اور شاعرات کی شاعری پر ان تبدیلیوں کے اثرات کا جائزہ بھی پیش کرتی ہے اور بتاتی ہیں کہ خواتین نے اپنی شاعری میں اپنے عہد کے پیانوں کی شناخت کس طرح کی ہے۔ بعد ازاں ۱۹۵۰ء کے بعد ابھرنے والی نمایاں شاعرات کی شعری تخلیقات کا معاصر ادبی رجحانات اور تحریکات کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے اور ہر شاعرہ کی عصری حسیت اور ان کے سیاسی و سماجی شعور کی انفرادیت کو نمایاں کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے شاعرات کے فکری وفنی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ادب میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ کتاب میں صرف جدید و قدیم شاعرات کے کلام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان شاعرات کی کسی اور سرگرمی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ نہ شاعرات کے سوانحی حالات کا اندراج ہے اور نہ ہی ان کی شخصیت کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں، جس سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر مصنفہ ان شاعرات کی سوانح اور دیگر سرگرمیوں پر روشنی ڈالتیں تو شاعرات کی شخصیت کی گرہیں مزید وا ہوتیں۔

اس کتاب میں اردو شاعرات کے تذکروں پر بھی تنقید کی گئی ہے اور قدیم شاعرات کے کلام کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

تذکرہ قدیم شاعرات اردو (۱۹۹۶):

اس تذکرے کے مصنف ڈاکٹر اکبر حیدری ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۹۹۶ء میں جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ سری نگر سے شائع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۳۲۰ کے قریب ہے اور اس تذکرے میں ۱۸۲ قدیم وجدید شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔

شاعرات کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے ہے۔ شروع کے ٦٦ صفحات پر مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے اور تین چار صفحات پر شاعرات کی فہرست ہے۔ صفحہ ٣٧ سے اختر کے کلام سے اس تذکرے کے متن کا آغاز ہوتا ہے۔ تذکرے کی آخری شاعرہ یاسمین کے کلام پر تذکرے کا متن اختتام پذیر ہوتا ہے۔

تذکرے کے شروع میں مبسوط اور مفصل مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ اس مقدمے میں مصنف نے اردو شاعرات کے ابتدائی چند تذکروں کا مختصر اور جامع تعارف کروایا ہے۔

تذکرے میں کہیں سے بھی نہ تذکرے کے سبب تالیف پر روشنی پڑتی ہے اور نہ اس کے زمانۂ تالیف کا کوئی پتہ چلتا ہے کہ یہ تذکرہ مصنف نے کب لکھنا شروع کیا اور کب ختم کیا ہے۔

حالات اور انتخابات کلام دونوں اعتبار سے یہ مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ صرف اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ بیشتر شاعرات وہی ہیں جو اردو کے دو تین ابتدائی تذکروں میں شامل رہی ہیں۔ البتہ اس میں طوائفیں اور با عصمت دونوں خواتین شامل ہیں۔ اس تذکرے کے بنیادی مآخذ بہارستان ناز ، گلشن ناز اور چمن انداز ہیں۔ بیش تر معلومات ان تذکروں سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان تذکروں کے علاوہ مقدمے میں مصنف نے ان تمام کتابوں کے نام دیے ہیں جو انھوں نے اس کتاب کی تالیف میں استعمال کیے۔

تحقیقی اعتبار سے اس تذکرے میں شاعرات کے زمانے، وطن، اساتذہ کا نام اور ان کے خاندان وغیرہ سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ شاعرات کے سن پیدائش، وفات اور دیگر سنین وغیرہ کا اہتمام بھی ملتا ہے اور شاعرات کے حالات زندگی کو بھی مزید بہتر بنانے کی کوشش نظر آتی ہے۔

اس تذکرے کی تنقیدی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ مصنف کا کہیں بھی شاعرات کے کلام اور ان کے بارے میں نہ کوئی نقطۂ نظر سامنے نہیں آتا اور نہ تبصرہ ملتا ہے۔ منتخبات کلام اور سوانح میں بھی اعتدال اور توازن نہیں ہے کسی شاعرہ کے سوانح میں ایک دو سطریں درج ہیں اور کسی شاعرہ کے ذیل میں ایک ایک دو دو صفحات درج کیے گئے ہیں۔ انتخاب کلام بھی معیاری، مناسب اور موزوں نہیں ہے کسی شاعرہ کے ایک ایک شعر اور کسی شاعرہ کی دو دو غزلوں کا اندراج کیا گیا ہے۔ چوں کہ تمام معلومات قدیم تذکروں سے اخذ کی گئی ہیں اور یہ تذکرہ کسی نئی معلومات کا اضافہ نہیں کرتا اس لیے اسے تاریخ ادب میں اضافہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تذکرے کے دیباچے میں نہ صرف اردو شاعرات کے تذکروں پر مکمل معلومات دی گئی ہیں بلکہ اس میں شاعرات سے متعلق بہت ایسی نئی کتابوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں، جن کا کسی اور کتاب یا تذکرے میں ذکر نہیں ملتا۔

پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار (۱۹۹۶):

خواتین کے شعری کارناموں کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی سے ۱۹۹۶ء میں منظر عام آئی۔ اصل میں یہ ایم۔ ایس سی سطح کا ویمن اسٹڈیز کا ایک مکمل کورس ہے۔ اس کورس کو پیش کرنے کا بنیادی مقصد پاکستانی خواتین کی ادبی تخلیقات کو اجاگر کرنا، ان کی صلاحیتوں کی پہچان کرانا اور ان کی سوچ اور فکر کے مختلف زاویوں کو نمایاں کرنا ہے۔ اس کتاب میں پاکستان کی مختلف زبانوں یعنی اردو، پشتو، پنجابی، سرائیکی، براہوی کے ادب میں خواتین کی تخلیقی کارناموں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں خواتین نے جس صنف میں طبع آزمائی کی، ان کی ہر صنف میں ان کی ادبی نگارشات اور فنی اور تخلیقی صلاحیتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ان کی ادبی نگارشات کے تناظر میں تہذیبی، سماجی و معاشرتی مسائل، مختلف ادبی تحریکات، رسم و رواج کی معاشرتی پابندیاں اور ان کے خلاف احتجاج، ادبی راویت کا تسلسل اور جدید حسیت کا اظہار اور دیگر متنوع موضوعات پر اظہار خیال ملتا ہے۔

اس کتاب میں پاکستانی زبانوں کے ادب میں خواتین کی تخلیقات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کی تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کو ایک تسلسل کے ساتھ قارئین کے سامنے آسکیں۔ اس کتاب کو نو یونٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے یونٹ میں قیام پاکستان سے قبل شعری ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے یونٹ میں پاکستان کی اردو شاعرات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تیسرے یونٹ سندھی شاعرات کے کلام کے جائزے پر مشتمل ہے۔ چوتھے یونٹ میں پشتو، بلوچی، براہوی اور کشمیری زبان کی شاعرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ پانچواں یونٹ پنجابی زبان کی شاعرات کے کلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ چھٹے، ساتویں، آٹھویں اور نویں یونٹ میں اردو کے افسانوں ادب میں خواتین کی تخلیقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس کتاب میں پہلی دفعہ پاکستان کی قومی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں خواتین کی تخلیقی و تحقیقی صلاحیتوں پر مشتمل مواد کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ جس میں دوسری زبانوں کے خواتین کے ادبی سرمایے سکو منظر عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

اس کتاب کے دیباچے میں اردو شاعرات کے ابتدائی دو تین تذکروں کا تعارف بھی شامل کیا گیا ہے اور ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے۔

خواتین ہند کے تاریخی کارنامے (۱۹۹۸ء):

فضل حق عظیم آبادی کی تصنیف ہے۔ یہ ۱۹۹۸ء میں پرنٹنگ پریس پٹنہ سے منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں خواتین ہند کے تاریخی کارناموں کو بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں مؤلف نے ۱۹۰ خواتین

کے کارناموں کو اختصار کے ساتھ رقم کیا جن کا تعلق سرزمین ہند سے ہے۔ زمانی اعتبار سے یہ کتاب ہندوستان کی قدیم عورتوں سے لے کر عصر جدید تک کی خواتین کے حالات پر مشتمل ہے۔ کتاب کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ آٹھویں صدی سے ۱۵۱۵ء۔

۲۔ ۱۵۲۶ء سے ۱۷۵۶ء۔

۳۔ ۱۷۵۶ سے ۱۸۵۶ء۔

۴۔ ۱۸۵۷ء سے غدر اور اس کے بعد پہلی جنگ عظیم، تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون کے عصری حالات اور اس دور کی خواتین کے علاوہ، جنگ آزادی سے متعلق مختلف تحریکوں میں حصہ لینے والی قابل فخر ہندوستانی عورتوں کا ذکر ہے۔

تحقیقی اعتبار سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے اس میں مصنف نے ان خواتین کے حالات اور کارناموں کو بڑی دیدہ ریزی اور تحقیق و تصدیق کے بعد ان کو ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں مولف نے اردو تذکروں پر بھی مختصر اًبحث کی ہے۔ کتاب کی اہمیت ادبی نہیں ہے بلکہ تاریخی ہے۔

خواتین ٹمل ناڈو کی علمی ادبی خدمات(۲۰۰۱):

خواتین ٹمل ناڈو کی دینی، علمی و ادبی خدمات علیم صبانویدی کی تالیف ہے۔ جس کو ڈاکٹر جاویدہ حبیب نے مرتب کر کے ۲۰۰۱ء میں ٹمل ناڈو پبلی کیشنز سے شائع کروایا۔

ضخامت کے لحاظ سے یہ ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۳۸ خواتین کے دینی، علمی وادبی کارناموں کو زیر بحث لا گیا ہے جنھوں نے کسی بھی شعبے میں کمال پیدا کیا۔ کتاب کو صرف ٹمل ناڈو کی تخلیق کار خواتین تک محدود کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ٹمل ناڈو سے تعلق رکھنے والی شاعرات، مترجم، نقاد اور محقق شامل ہیں غرض کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں خواتین نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان گم نام خواتین کو پس منظر سے پیش منظر پر لا کر ایک کتابی صورت میں ان کو یک جا کرنا مصنف کی بڑی اور مستحسن کاوش ہے۔

کتاب کے مقدمے میں مصنف نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں خواتین کے گراں بہا کارناموں کو اجاگر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواتین نے مختلف النوع، سماجی، تہذیبی، تعلیمی، تاریخی، سائنسی اور ادبی غرض ہر شعبے میں غیر معمولی خدمات سرانجام دیں اور انھوں نے مختلف شعبہ جات میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ علاوہ ازیں خواتین کی خدمات کو سامنے لانے میں اردو تذکروں نے جو کردار ادا کیا وہ بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ بعد ازاں اس مقدمے میں مصنف کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج ہندوستان کے ہر علاقے کی مشاہیر خواتین کے تذکرے کی اشد ضرورت ہے غالباً ۱۹۵۶ء کے

بعد ہندوستانی خواتین شعرا اور ادبا کا کوئی تذکرہ منصہ شہود پر نہیں آیا۔ اسی احساس کے پیش نظر میں نے ٹمل ناڈو کی خواتین کے کارناموں پر مشتمل ایک تذکرہ ترتیب دیا ہے جو مستقبل میں تحقیق کے لیے ایک اہم اشاریے کی نوعیت کا حامل ہوگا۔[۲۵]

تذکرے میں صرف ٹمل ناڈو کی قدیم و جدید خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ تخلیق کار خواتین کی علمی وادبی سرگرمیوں، ان کے مشاغل، خاندانی پس منظر کے علاوہ ان کے سیاسی وادبی کارناموں پر بھی تبصرہ و تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کی علمی، تحقیقی تصانیف کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ تذکرے میں درج شاعرات کے۔ حالات زندگی کے علاوہ ان کے کلام کے نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں لیکن نثر نگار خواتین کے نمونوں کا اندراج نہیں کیا گیا۔ البتہ ان کی تمام تصانیف پر تبصرہ ضرور ملتا ہے۔ تذکرے میں درج خواتین جس نے کسی بھی شعبے میں اپنی شناخت بنائی۔ بہ طور مترجم، مکتوب نگار، تنقید نگار، مثنوی نگار، نظم نگار، غزل نگار ان کی انفرادی شناخت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بحیثیت مجموعی اس کتاب کے ذریعے مصنف نے ٹمل ناڈو کی مشاہیر خواتین کے کارناموں کو سامنے کرنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے اردو زبان وادب کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ دوسرے اس کتاب کے مطالعے سے نئے ماخذات کا سراغ ملتا ہے اور ٹمل ناڈو کی مشاہیر خواتین کے حیات اور کارنامے اتنی تفصیل کے ساتھ کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں جتنی تفصیل مصنف اس کتاب میں فراہم کی ہے۔ اور ان خواتین کے کارناموں سے متعلق جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ جن خواتین کے نام اور کارناموں سے ادبی دنیا بڑی حد تک نابلد تھی، ان کو متعارف کروانے میں مصنف کی تگ ودو اور کاوش اہم اور لائق تحسین ہے۔

اس کتاب کے دیباچے میں مصنف نے اردو شاعرات کے تذکروں کا عمومی جائزہ پیش کیا ہے اور کتاب میں شامل قدیم شاعرات کے حالات و کلام کو تحقیق و تنقید کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاعرات بنگالہ (۲۰۰۱):

شاعرات بنگالہ ڈاکٹر اشتیاق الف انصاری کی کتاب ہے جو ۲۰۰۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ماضی و حال کی شاعرات بنگالہ کی حیات و خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اردو زبان وادب کی خدمات میں ان کے شعری کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ضخامت کے اعتبار سے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کا پہلا باب بنگال میں اردو کی ترقی پسند تحریک اور بنگال کی شاعرات پر اس کے اثرات کے عنوان سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اس باب میں اردو کی ترقی پسند تحریک کا جائزہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر سماجی، معاشی سیاسی اور تہذیبی تبدیلیوں

کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے کہ ترقی پسند تحریک کب اور کن حالات میں وجود میں آئی اور اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی نیز اس تحریک نے شعرا اور ادبا پر کیا اثرات مرتب کیے۔ کتاب کا دوسرا باب بیرونی شاعرات کی ادبی خدمات اور بنگال کی شاعرات پر ان کے اثرات سے متعلق ہے۔ اس باب میں مصنف نے ہند و پاک کی قدیم و جدید شاعرات کے فکری و فنی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے بنگال کی شاعرات پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا ہے کہ بنگال کی شاعرات بیرونی شاعرات کے احساسات، جذبات اور لب ولہجے کی دل کشی سے کبھی بھی غافل نہیں رہیں۔ ایسی صورت حال میں ان کی شاعری پر بیرونی شاعرات کے اثرات کا مرتب ہونا لازمی تھا۔ باب سوم شاعرات بنگالہ کی سوانح اور ان کی ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ کے عنوان سے رقم کیا گیا ہے۔ اس باب میں بنگال کی قدیم وجدید شاعرات کے حالات زندگی کے علاوہ ان کے نمونہ کلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۷ سے اس باب کا آغاز ہوتا ہے اور اس باب کی پہلی بنگال کی قدیم شاعرہ شرف النسا ہے اور آخری شاعرہ شاداں آفریں پر اس باب کا اختتام ہوتا ہے۔

بنیادی طور پر یہ کتاب بنگال کی قدیم و جدید شاعرات کی حیات اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کی شاعرات کے حالات اور ان کے منتخب کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ تذکرے میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعرات کو جگہ دی گئی ہے۔ تذکرے میں طوائفیں بھی ہیں، باعصمت خواتین بھی ہیں اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والی شاعرات بھی ہیں۔ کتاب کی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب سے نہیں ہے بلکہ مصنف نے اس کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ تذکرے میں شاعرات کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی شاعرات کے زمانے، عہد، شخصیت اور اس کی علمی وادبی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سی شاعرہ کس عہد میں زندہ تھی، اس کے مشاغل کیا تھے، اس نے کس صنف میں طبع آزمائی کی اور کن کن موضوعات پر اپنے جذبات واحساسات کو موضوع بنایا۔ اس سے شاعرات کے رجحانات اور میلانات طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعرات کے کلام کے نمونے بھی مصنف نے نہایت خصوصیت کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ کلام کے نمونوں کا انتخاب بھی معیاری اور موزوں ہے اور ہر شاعرہ کا نمائندہ اور بہترین انتخاب شامل ہے۔ نمونہ کلام میں شاعرات کی غزل، مثنوی، نوحے، قطعات اور نظموں کے علاوہ ان کے متفرق اشعار کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے بھی اس میں تحقیق کے لوازمات کا خیال رکھا گیا ہے۔ مصنف نے شاعرات کے ذیل میں جو معلومات درج تذکرہ کی ہیں، نہایت تحقیق و دریافت کے بعد ان معلومات کا اندراج کیا ہے ۔ تنقیدی اعتبار سے بھی یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے مصنف نے اس تذکرے میں قدیم وجدید شاعرات کے نمونہ کلام پر جس طرح تبصرہ و تنقید کی ہے وہ نہ صرف شاعرات کے کلام کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے بلکہ مصنف کے اعلیٰ تنقیدی گوشوں کو بھی آشکار

کرتی ہے۔ لسانی اعتبار سے بھی مصنف نے شاعرات کے کلام کو زبان و بیان کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنے کے بعد ہر شاعرہ کی انفرادیت کو نمایاں کیا ہے ۔ماخذات کے ذیل میں بھی مصنف نے جن جن کتابوں، تذکروں اور رسائل سے مصنف نے استفادہ کیا اس کی فہرست کا اندراج بھی آخر میں درج کیا گیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ اپنے بعض مندرجات کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ تذکرے میں اعتدال اور توازن کو قائم رکھا گیا ہے۔ شاعرات کے حالات اور کلام دونوں موزوں اور مناسب ہیں۔ البتہ قدیم دور کی شاعرات کے حالات اور کلام دونوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں مصنف نے جو فارسی شاعرات شامل کی ہیں ان کی شاعری کے نمونوں کے تراجم بھی کیے ہیں جو متن کی تفہیم میں معاونت فراہم کرتے ہیں۔ تذکرے میں بہت سی ایسی شاعرات بھی موجود ہیں جو اس سے پہلے کے تذکروں میں موجود نہیں ہیں۔ اس تذکرے کے منظر عام پر آنے سے بہت سے نئی شاعرات کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ شاعرات بنگالہ سے متعلق اتنا بڑا انتخاب اور کہیں نظر نہیں آتا اس لیے یہ تذکرہ بنگال کی شاعرات سے متعلق ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے جو نئے آنے والے محققین کے لیے افق کا کام دے گا اور اسے تاریخ ادب میں ایک اہم اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس تذکرے میں دیباچے میں مصنف نے اردو کے ابتدائی تذکروں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

پاکستانی اہل قلم خواتین(۲۰۰۳):

پاکستانی اہل قلم خواتین ڈاکٹر سلطانہ بخش کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں اکادمی ادبیات پاکستان سے شائع ہوئی۔ کتاب کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر کے پاکستانی کی قومی زبان اردو کے علاوہ پاکستان کی دوسری زبانوں براہوی، بلوچی، پشتو، پنجابی، سندھی کے ادب میں خواتین کی ادبی کاوشوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ کتاب میں نثر نگار اور شاعر خواتین کی ادبی تخلیقات کے دست یاب مواد کی روشنی میں ان کے مختصر سوانحی خاکے کے علاوہ ان کے منتخب کلام کے نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کو چار عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آگے ان کی ذیلی تقسیم کر کے مختلف موضوعات کے تحت ادب میں خواتین کے شعری اور نثری کارناموں کو جمع کیا گیا ہے۔

۱۔ قیام پاکستان سے قبل خواتین کا شعری ادب
۲۔ قیام پاکستان سے قبل خواتین کا نثری ادب
۳۔ قیام پاکستان کے بعد خواتین کا شعری ادب
۴۔ قیام پاکستان کے بعد خواتین کا نثری ادب

قیام پاکستان سے قبل شعری ادب کا مختلف سیاسی، سماجی حالات کے تناظر میں خواتین کے شعری ادب میں ان کے کردار کے ارتقا کا جائزہ پیش کرتے ہوئے انیسویں اور بیسویں صدی میں خواتین کی خدمات کو یکجا کرنے کی جو

کوشش ہوئیں، ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ بعد ازاں انھوں نے انیسویں اور بیسویں صدی کے ادب کا جائزہ لیتے ہوئے چند ایک خواتین کے تذکروں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ قدیم شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کے نمونوں کو یک جا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد خواتین کے نثری اور شعری کارناموں کو یک جا کرنے کے لیے پاکستان کی مختلف زبانوں میں خواتین اہل قلم نے شاعری اور نثر دونوں شعبوں میں مختلف اصناف ادب کے ذیل میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں، ان کے مختصر سوانحی کوائف کے ساتھ ان کے نثری اور شعری نمونوں کو جمع کیا گیا ہے۔

کتاب کے دیباچے میں مصنفہ نے شعری ادب میں خواتین کے کردار کے ارتقا کو نمایاں کرنے کے لیے شاعرات کے تذکروں کا عمومی جائزہ لیا ہے کہ ان تذکروں نے قدیم شاعرات کے حالات اور کارناموں کو اردو دنیا تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگر یہ تذکرے نہ ہوتے تو اردو دنیا شاعرات کے حالات اور کارناموں سے نابلد ہوتی۔

اردو ادب کی ترقی میں دہلی خواتین کا حصہ (۲۰۰۶):

پروفیسر صغریٰ مہدی کی تصنیف ہے۔ جو ۲۰۰۶ء میں اردو اکادمی دہلی سے شائع ہوئی۔ کتابوں کو چھے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع کے چند صفحات میں کتاب کا مقدمہ ہے۔ جس میں دہلی کی سیاسی، تہذیبی، تاریخی اور علمی و ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے علاوہ دہلی میں اردو شاعری کے ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شاعری کے اس ارتقائی سفر میں دہلی کی خواتین نے شعر و ادب کی ترقی میں جو خدمات سرانجام دیں، ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنفہ اس کتاب کے تالیف کی وجہ بتاتے ہوئے خواتین کے ادبی احوال کو اس کتاب میں شامل کرنے کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ انھیں دہلی اکادمی کی طرف اس بات کی فرمائش ہوئی کہ دہلی خواتین کی ادبی سرگرمیوں کی سرگذشت پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دی جائے۔ تو انھیں یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ کن خواتین کو دہلی والوں میں شمار کیا جائے کیوں کہ بہت سی خواتین تقسیم ہند کے بعد دلی چھوڑ کر ملک بدر ہو گئیں اور کچھ خواتین ایک عرصے تک دلی میں قیام پذیر رہیں اور بعد میں وہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں قیام پذیر ہو گئیں۔ اور کچھ خواتین ایسی تھی، جن کا وطن، یوپی، پنجاب اور بنگال ہے مگر دلی ان کا وطن ثانی بن گیا۔ انھوں نے ان سب کو دلی والوں شمار کیا ہے اور کوشش یہ کی ہے کہ ادب کے مختلف شعبوں میں دہلی خواتین نے جو خدمات سرانجام دی، ان کی خدمات کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں آجائے۔[۲۶] اس کتاب میں اس مقدمے کے علاوہ دو ادبی شخصیات کے مضامین بھی شامل ہیں۔ جن میں دہلوی خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں شاعرات کا ذکر ہے۔ جس میں مصنفہ نے دہلی سے تعلق رکھنے والی قدیم اور جدید شاعر خواتین کے حالات اور ان کے کلام کے نمونوں کو یک جا کرنے کے علاوہ ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور ان کے

کارناموں پر تبصرہ کیا ہے۔اس باب میں مصنفہ نے زمانی اعتبار سے ان کے حالات اور کلام کو یک جا کیا ہے اور شاعرات کے اندراج میں ایک تخصیص یہ کی کہ قدیم اور جدید شاعرات کو علاحدہ ابواب میں تقسیم کر کے ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔قدیم شاعرات کے ابواب کی مزید ذیلی تقسیم کی گئی ہے۔مصنفہ نے پردہ نشین شاعرات، بیگمات اور طوائفوں کے طبقات قائم کر کے ان کے حالات اور نمونہ کلام کا اندراج کیا ہے اور اس باب میں انیسویں صدی سے پہلے کی شاعرات سے لے کر موجودہ دور تک کی شاعرات کو شامل کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا اور تیسرا باب دہلی کی مضامین نگار اور افسانہ نگار خواتین کی ادبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہے۔مصنفہ نے ان خواتین کے حالات اور دیگر سرگرمیوں کے علاوہ ان کے افسانوں اور مضامین کے نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ جس سے ان شاعرات کے موضوعات کے علاوہ ان رجحانات اور میلانات کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔کتاب کے آخری دو ابواب میں ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والی خواتین کے علاوہ ڈرامانگار خواتین کے ڈراموں اور ان کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے فن کے نمونے بھی شامل کیے ہیں۔

اگرچہ اس میں قدیم شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام دونوں مختصر ہیں لیکن جدید شاعرات کے حالات اور ان کے نمونوں کو مناسب اور موزوں اہمیت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔شاعرات کے سوانحی حالات میں ان کی پیدائش، خاندانی پس منظر۔ بچپن، جوانی ملازمت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات دینے کی کوشش کی گئی ہے اور بہ حیثیت نظم نگار، غزل گو، مضمون نگار، ڈراما سنگاران کی انفرادی حیثیت کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں باقاعدہ طور پر اردو شاعرات کی تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی ہے لیکن کہیں کہیں ان تذکروں کے حوالے ملتے ہیں۔

پاکستانی شاعرات تخلیقی خدوخال(۲۰۰۸):

پاکستانی شاعرات تخلیقی خدوخال اردو ادب کے معروف محقق، نقاد، ادیب ڈاکٹر سلیم اختر کی تالیف کردہ کتاب ہے۔یہ کتاب ۲۰۰۸ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوئی۔

کتاب میں معاشرتی اقدار اور تناظر میں پاکستانی شاعرات کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے حصے میں مصف کے شاعرات کی تخلیقی صلاحیتوں سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ان مضامین میں عورت کی پر تنوع تخلیقی شخصیت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور عورت کے انفرادی وجود کی اساس،اس کی شخصیت کی نمود اور ذات کی متنوع فطری جہات کے تقاضوں پر بات کی گئی ہے اور عورت کی ذات اور تخلیقی قوت کا نفسیات کے تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔جہاں تک عورت کے تشخص کی بات ہے تو اس معاشرے میں عورت کا کوئی تشخص نہیں ہے وہ مرد کے طے کردہ معیار کے مطابق معاشرے میں سفر کرتی ہے۔

کتاب کا دوسرا اور تیسرا حصہ شاعرات کی شاعری کے تجزے پر مشتمل ہے اور چوتھے حصے میں پاکستانی شاعرات کی شعری تصانیف کا اندراج کیا گیا ہے۔

کتاب کے شروع میں مصنف اس کتاب کا مقصد تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے تو وہ عرصے سے معاصر شاعرات کے تخلیقی رویوں کی تحسین پر مبنی کتاب قلم بند کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔اس کتاب میں شامل بعض شاعرات پر وہ بعض مقالات قلم بند کر چکے تھے، بعض مقالات انھوں نے کسی تقریب کے لیے لکھے کہ کس طرح کسی شاعرہ کا انفرادی مطالعہ اس شاعرہ کی شخصیت تک محدود رہتا ہے۔لٰہذا بہ حیثیت مجموعی انھوں نے شاعرات کے تخلیقی رویوں اور پھر ان کے محرک جذبوں کی صراحت کے لیے جداگانہ مقالات تحریر کیے اور ان مقالات میں مختلف شاعرات کی ذات اور وجود کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کی عمرانی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی رویوں کو اجاگر کرنے کی سعی کی[۲۷]۔

کتاب کے آغاز میں عورت کی ذات اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں سے متعلق بہت سوالات اٹھائے گئے ہیں اور یہ سوالات مختلف نوعیت کے حامل ہیں۔ان میں کچھ سوالات عورت کی تخلیقی شخصیت سے متعلق ہیں اور کچھ ان کے تخلیقی عمل سے متعلق ہیں، کچھ ان کے وجود اور کچھ ان کے شعور ذات سے متعلق ہیں۔اس کتاب کے مضامین میں ان تمام سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے بعد ان کے مدلل انداز میں جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔جہاں تک شاعرات کی تخلیقی صلاحیت کا سوال ہے تو اس سوال کے جواب کے لیے پاکستان کے مجموعی ادبی تناظر کے منظر نامے کے جائزے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آج کی شاعری اپنی تخلیقی مقصد سے پوری طرح آگاہ ہے۔آج معاشرہ شاعری کے میدان میں بے سمتی اور فکری انتشار کے عوارض میں مبتلا ہے تو ایسے دور میں شاعرات نے معاشرے کے تضادات، سماجی بے انصافی اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں اپنے افکار کو غزل اور نظم میں بطور خاص پیش کیا ہے۔

اس کتاب میں گیارہ شاعرات کی شاعری کا تجزیہ ایک نئے زاویے سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا گیا ہے۔تاکہ مرد قاری کو یہ احساس ہو سکے کہ اب شاعرات ہمارے منظر نامے کا مستقل حصہ بن چکی ہیں اور بطور تخلیق کار ان کی انفرادیت ہے اور وہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہے۔آج کی یہ عورت ہر لحاظ سے اپنی تخلیقی شناخت کروا رہی ہے اور یہ اپنے ہونے کے بارے میں نہ مدافعانہ انداز میں بات کرتی ہے اور نہ ہی اپنی ذات اور صفات کے بارے میں معذرت خوانہ اسلوب میں بات کرتی ہے۔اب یہ ہر لحاظ سے اپنے قدموں پر مستحکم ہے۔معاشی، تخلیقی، ادبی ہر لحاظ سے اپنی تخلیقی قوت اور شناخت قائم کر لی ہے۔

اس کتاب میں بھی اردو شاعرات کی تذکرہ نویسی کا باقاعدہ جائزہ تو نہیں لیا گیا ہے لیکن اردو کے ابتدائی تذکروں کے کہیں کہیں حوالے ملتے ہیں۔

صرف شاعرات(۲۰۰۹):

اردو کے مشہور و معروف محقق، نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تصنیف ہے، جو ۲۰۰۹ء میں گنج شکر پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ کتاب میں ۳۳ کے قریب اردو شاعرات کی شاعری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے یہ کتاب ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے شروع میں مصنف نے اردو ادب کی ترقی میں خواتین کے شعری کردار کو موضوع بحث بناتے ہوئے عالمی ادب کی شعری تاریخ میں خواتین کے کردار کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ عالمی ادب کی شعری تاریخ کے اس جائزے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شعری کارناموں میں قدامت کے اعتبار شاعرات کا نام مردوں سے پہلے آتا ہے۔ اس حوالے سے ایک قدیم شاعرہ سیفو کا نام آتا ہے۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندستانی شاعرات کے شعری کارناموں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنھوں نے شعروادب کی ترقی میں مردوں کے شانہ بہ شانہ حصہ لیا۔ بعد ازاں وہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کوئی تحقیقی کام نہیں ہے۔ اس میں تاریخی یا زمانی تسلسل بھی نہیں ہے۔ اگرچہ کتاب میں مذکور شاعرات کا ذکر الف بائی ترتیب سے کیا گیا ہے لیکن یہ ذکر کہیں ناہموار ہے، کہیں مختصر ہے، کہیں طویل اور کہیں مضمون کی شکل میں ہے۔ کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہ ہے کہ جن شاعرات کا کلام مصنف کی نظروں سے گزرا، ان کے بارے میں رائے قائم کی جائے[۲۸]۔

اس کتاب میں اردو کی جدید شاعرات کے کلام کا تحقیقی و تنقیدی نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ البتہ اس میں ایک دو شاعرات فارسی زبان کی بھی ہیں جن کی شاعری کے اوپر علاحدہ مضمون شامل ہے۔ کتاب کا آغاز ادا جعفری کی شاعری کے تجزیے سے ہوتا ہے اور یاسمین گل کی شاعری کے تجزیے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

کتاب میں موجود تمام شاعرات کے کلام کا تجزیہ مصنف نے ان کے عہد، ماحول، ادبی و سیاسی تحریکوں کے تناظر میں کرنے کی کوشش کی ہے، ہر شاعرہ کی شاعری کی منفرد خصوصیات کو واضح کیا ہے اور اردو میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب میں مصنف نے ان شاعرات کے سوانحی حالات کو شامل نہیں کیا جس سے تھوڑی سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ البتہ شاعرات کے شاعری کو اپنے زمانے اور ماحول میں پرکھنے سے ان کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں سے آگاہی فراہم ہوتی ہے اور ان کی متنوع فکری جہات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں اردو کے دو ابتدائی تذکروں بہارستان ناز اور درگاہ پرشاد نادر کے شاعرات کے اوپر لکھے جانے والے تذکروں کا مختصر تعارف کروایا گیا ہے اور ان تذکروں میں مذکور شاعرات کی فہرست شامل کی ہے۔

اردو ادب کی معمار خواتین (۲۰۱۰):

سید شبیہ الحسن کی تصنیف ہے۔ جو اظہار سنز سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اصل میں اس کتاب میں شاعرات کے اوپر لکھے جانے والے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جس میں ۱۸ کے قریب جدید شاعرات اردو کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں صرف منتخب تخلیق کار خواتین کو تحقیق و تنقید کا موضوع بنایا گیا ہے جو شعر و ادب کی مختلف اصناف اور قبیلوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ضخامت کے لحاظ سے یہ کتاب ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں جدید شاعرات کے کلام کا فکری و فنی تجزیہ عالمی و ادبی فکری رجحانات کے تناظر میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کی پہلی شاعرہ عرفانہ عزیز کی شعری کائنات پر تبصرہ و تجزیہ کیا گیا ہے اور آخری شاعرہ سائرہ بتول کی شاعری کے تجزیے پر اس کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔ کتاب کے شروع میں چند صفحات پر مشتمل کتاب کا مقدمہ ہے جس کے ابتدائیے میں مصنف نے خواتین کی شعر و ادب سے دل چسپی اور ان کے رجحانات کو نمایاں کیا ہے۔ اردو شاعری میں خواتین کے شعری ذوق اور ان کے شعری کردار پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ خواتین نے دیگر شعبوں کی طرح اپنے خیالات و افکار کے ذریعے اردو شاعری کو اوج کمال تک پہنچایا۔ بعد ازاں وہ اردو شاعری کے ابتدائی نقوش کا سراغ سرزمین دکن سے لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاعری کے اس دور میں بھی خواتین نے مردوں کے ساتھ شعر و ادب کے میدان میں حصہ لیا اور عہد بہ عہد بدلتی ہوئی صورت حال اور تقاضوں کے پیش نظر سیاسی، مذہبی، معاشی، تہذیبی اور ادبی حالات اور واقعات اور تحریکات نے عورتوں کی شاعری کو بھی متاثر کیا۔ تقسیم پاکستان کے بعد بھی شاعرات نے اپنے ارفع اور معتبر نظریات کے باعث اردو شاعری کو بام عروج پر پہنچایا[۲۹]۔ شاعرات کے فنی پہلو پر مزید تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ کچھ شاعرات نے اپنے اعلیٰ افکار و خیالات کے ذریعے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دینے کی کوشش تو کی لیکن خود ان شاعری فنی اعتبار رموز و علائم سے نہ آشنا ہونے کی بدولت وہ مقام حاصل نہ کر سکی۔ جس کی وہ مستحق تھی۔ وہ لکھتے ہیں ان کے کلام میں اکثر غلط تلفظ اور بے وزن اشعار کی بھرمار ہوتی ہے اور ان کے شعری مجموعوں کا حال اس سے بھی دل چسپ ہے کہ بعض شاعرات کے شعری مجموعے چھپ تو چکے ہیں مگر وہ شعر کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ افکار کی سطحیت کے علاوہ ان کے مجموعوں میں بحور و اوزان کی غلطیاں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ شاعرات کو چاہیے کہ وہ شاعری کے تمام فنی لوزمات کو مد نظر رکھیں اور اپنے فکر و فن کو آفاقی قدروں کے حامل بنانے کے لیے کلاسیکی شعری روایت اور مختلف علوم و فنون کا مطالعہ کریں اور اپنے عہد کے سیاسی، سماجی منظر نامے کو مد نظر رکھتے ہوئے حالات و واقعات کا معروضی تجزیہ کریں[۳۰]۔ آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شاعرات کی شاعری میں عام سطحیت کے موضوعات کے علاوہ ان کی شاعری میں آفاقی قدروں کے حامل موضوعات نہیں ہیں۔

اس کتاب میں شاعرات اردو کی شاعری کا ایک نئے طریقے سے تجزیہ کتاب کی اہمیت کو دو چند کرتا ہے۔
اگرچہ کتاب میں شاعرات کے سوانحی حالات کو شامل نہیں کیا گیا لیکن ان کی شاعری کو عالمی ادبی فکری تناظر میں دیکھنے کے علاوہ اپنے زمانے، ماحول، پس منظر سمیت وسیع پیمانوں پر ان کی شاعری کا تجزیے سے شاعرات کے ادبی مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی شخصیت کے بہت سے مخفی گوشوں بھی آشکار ہوتے ہیں۔
بہ حیثیت مجموعی اس کتاب میں شاعرات کو وسیع فکری تناظر میں دیکھنے کے علاوہ عالمی سطح پر ادب کے پرکھنے کے اصولوں، معیارات اور پیمانوں کے بارے میں بھی بہ خوبی علم ہوتا ہے۔ یہ شاعرات کی شاعری کو عالمی ادب کے رجحانات کے تناظر میں دیکھنے کی ایک منفرد اور سنجیدہ کوشش ہے اور اس کے ذریعے شاعرات کو قومی اور سماجی تناظر اوت شعر و ادب میں عورتوں کی حیثیت کا تعین کرنے کی کوشش بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ جو مصنف کی وسعت معلومات کے علاوہ ان کی اعلیٰ تنقیدی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور مصنف کی شاعرات کے موضوع سے دل چسپی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس میں باقاعدہ طور پر تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اردو تذکروں پر کہیں کہیں بین السطور تبصرہ ملتا ہے۔

چند شاعرات راجستان اور کچھ بھولے بسرے شعرا (۲۰۱۴):

چند شاعرات راجستھان اور کچھ بھولے بسرے شعرا شاہد احمد جمالی کا تالیف کردہ تذکرہ ہے جو ہمدرد دواخانہ رام گنج بازار جے پور راجستھان سے ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آیا اور ضخامت کے لحاظ سے یہ تذکرہ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ صرف راجستھان کی شاعرات اور شعرا تک محدود ہے۔ اس تذکرے میں تشکیل راجستھان سے پہلے کی شاعرات کے حالات اور کلام کے ذکر کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کے نام اور کارنامے دونوں دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام پر مشتمل ہے جس میں ۱۵ شاعرات کو جگہ دی گئی ہے اور دوسرا حصہ شعرا کے حالات اور ان کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں ۱۲۳ شعرا کو شامل کیا گیا ہے بقول مصنف اس حصے میں چند بھولے بسرے شعرا کو بھی یاد کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کو زمانے کی گرد نے چھپا لیا اور اہل ارباب تحقیق نے ان کو فراموش کر دیا۔
کتاب کے شروع میں کچھ ارباب فکر نے اس تذکرے پر تبصرہ کیا ہے جو نہ صرف کتاب کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ مصنف کی راجستھان سے متعلق دیگر تحقیقی خدمات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اس تذکرے کے پیش لفظ میں مصنف نے خواتین کی شعری کائنات کو اجاگر کرتے ہوئے تذکرے کی تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے ذاتی طور پر راجستھان کی شاعرات کے حالات معلوم کرنے کے علاوہ راجستھان کی سب سے پہلی شاعرہ کا بھی

سراغ لگانے کی کوشش کی۔ بعد ازاں راجستھان کے ان شعرا کو بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی جن کے حیات اور کارنامے اہل ارباب فکر کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان فن کاروں کے علمی و ادبی سرمایہ کو دوبارہ زندگی وتابندگی بخش سکوں"[۳۱]۔

اس تذکرے میں قدیم وجدید دونوں شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔تذکرے میں بااثر خواتین بھی ہیں، شریف بھی ہیں اور طوائفوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔تذکرے کی ترتیب میں مصنف نے حروف تہجی کا طریقہ کار اختیار نہیں کیا بلکہ شاعرات کا اندراج زمانی ترتیب سے کیا۔تذکرے میں شاعرات کے حالات زندگی مختصر اور مجمل ہیں اور ان کے کلام کے نمونے طویل ہیں۔ شاعرات کی کئی کئی غزلیں اور نظمیں کا موزوں انتخاب شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔قدیم شاعرات کے ذیل میں ان کے حالات زندگی اور کلام کے نمونوں دونوں میں حدرجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں شاعرات کے حالات، عہد اور ماحول پر کوئی روشنی نہیں پڑتی اور نہ مصنف نے بعض شاعرات کے ذیل میں سنین وفات اور پیدائش کا تعین کیا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے بھی اس تذکرے میں تنقید کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ مصنف نے کہیں بھی اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

ماخذات کا اندراج بھی تذکرے کے آخر میں کیا گیا ہے۔شاعرات سے متعلق بیش تر معلومات تذکروں سے ماخوذ ہیں۔تذکرے میں توازن نہیں ہے شاعرات کی نسبت شعرا کے حالات زندگی اور ان کے نمونہ کلام میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ شعرا کے حالات زندگی صرف ایک ایک سطر میں بیان ہوئے ہیں اور ان کے نمونہ کلام کے بھی صرف ایک دو دو شعر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس تذکرے میں راجستھان کے بہت سے گم نام شعرا و شاعرات کے حالات اور ان کے کارناموں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔دوسرا اس تذکرے کے مطالعے سے کچھ نئے ماخذات اور کتابوں کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس سے پہلے کبھی بھی منظر عام پر نہیں آئے۔تذکرے کے دیباچے میں اردو شاعرات کے تذکروں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

کلام نسواں (س،ن):

اس میں خواتین کے منتخب اردو کلام کو مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کے مرتب جمیل احمد برنی ہیں۔خواتین کی شاعری کا یہ منتخب مجموعہ عہد آفریں برقی پریس حیدرآباد دکن سے منظر عام پر آیا۔

ضخامت کے لحاظ سے یہ کتاب ۱۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کے چند صفحات میں مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے اور اس کے بعد شاعرات کی نظموں کی فہرست کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ صفحہ تین سے ''خاتون کی دعا'' کے

عنوان سے ممتاز رفیع بیگم مارہروی کی نظم سے تذکرے کے متن آغاز ہوتا ہے اور ۱۲۲ صفحے پر ز۔ب کی ''نظم پریت کی ریت'' پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔تذکرے کو مصنف نے حروف تہجی کی ترتیب درج نہیں کیا بلکہ ان کا اندراج ادوار میں تقسیم کر کے کیا ہے۔کتاب میں ۱۰۰ کے قریب شاعرہ کی منتخب نظموں کو جمع کیا گیا ہے۔

کتاب میں اپنے عہد کی شاعرات کے کلام کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔کتاب میں معروف شاعرات بھی ہیں، عام شاعرات بھی ہیں اور گم نام شاعرات کے کلام کو بھی منظر عام پر لانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔۔کتاب کی تقسیم مصنف نے تین ابواب کے تحت کی ہے:

باب اول میں ان نظموں کو جمع کیا گیا ہے جو انسان کو فطرت سے قریب تر کر دیتی ہیں اور ان تعلق قدرت کی نرنگیوں اور انسان کے جذبات کے ساتھ ہے۔

باب دوم میں سماج کے مسائل کے متعلق نظمیں جمع کی گئی ہیں۔

باب سوم میں صوفیانہ خیالات، مذہبی جذبات اور مختلف عنوانات کی نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔

تذکرے میں شاعرات کے صرف نام، تخلص اور ان کی ایک ایک نظم کے علاوہ اور کسی قسم کی معلومات کا اندراج نہیں کیا گیا ہے۔نہ ہی حالات زندگی کا اندراج ملتا ہے۔البتہ شاعرات کے نمونہ کلام کو جہاں سے مصنف نے منتخب کر کے اس تذکرے میں شامل کیا،اس کے بارے میں معلومات ملتی ہیں، کہ اس شاعرہ کی نظم سب سے پہلے کہاں، کب اور کس رسالے میں چھپی۔

اس تذکرے میں شاعرات کی کسی بھی قسم کی سر گرمی کے بارے میں پتہ نہیں چلتا البتہ اس تذکرے میں نظموں کے موضوعات کے دیکھنے سے موضوعات کا تنوع ملتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سیاسی، فطری، سماجی، گھریلو، مذہبی، صوفیانہ ہر قسم کے موضوعات کو زبان و بیان کی ندرت کے ساتھ آسان اور عام فہم انداز میں سلیقے سے اظہار کے سانچے میں ڈالا۔یہ نظمیں مظاہر فطرت کے علاوہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی مسائل کی بھی عکاسی کرتی ہیں۔اور اپنے عہد کے بہت سے متنوع پہلوؤں کی گرہ کشائی بھی کرتی ہیں۔علاوہ ازیں یہ تذکرہ شاعرات کے رنگارنگ موضوعات کے علاوہ باقی کسی بھی قسم کی معلومات دینے سے قاصر ہے اور اسے ہم اردو ادب میں اہم اضافہ قرار نہیں دے سکتے۔اس تذکرے کے دیباچے میں بھی اردو شاعرات کے ایک دو تذکروں کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔

چاندنی اور پھول:

خواتین کی شاعری کے انتخاب پر مشتمل ہے۔قمر سلطانہ کا پاکٹ سائز کا تذکرہ ہے۔اس تذکرے کو مصنف نے حروف تہجی کی ترتیب سے نہیں لکھا بلکہ ان کو ادوار میں تقسیم کر کے زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔۱۴۸ صفحات

پر مشتمل اس تذکرے کا متن مینا کماری ناز تخلص کے اشعار سے ہوتا ہے اور ناز کے اشعار پر اس تذکرے کے متن کا اختتام ہوتا ہے۔

تذکرے کو مصنفہ نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ: ''رنگ رنگ کے آنچل'' کے عنوان سے ہے اور اس میں موجودہ دور کی شاعرات کی تخلیقات کا نمونہ اور حالات زندگی کو شامل کیا گیا ہے۔اس میں ہندوستان کے تقریباً تمام علاقوں کی شاعرات کے حالات زندگی اور ان کے کئی کئی غزلوں اور نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔البتہ بعض شاعرات کے صرف نام اور تخلص کے علاوہ کسی بھی قسم کی معلومات نہیں ملتیں۔مصنفہ نے شاعرات کے کلام پر ہلکے پھلکے انداز میں تبصرہ کیا ہے۔

دوسرا حصہ: ''مور پنکھ'' کے عنوان سے ہے اور اس میں اپنے عہد کی نمائندہ شاعرات کی نمائندہ شعری تخلیقات کو پیش کیا گیا ہے۔اس حصے میں اگرچہ شاعرات کے حالات زندگی مختصر ہیں لیکن ان کی کئی کئی غزلوں اور نظموں کو شامسل کیا گیا ہے۔

تیسرا حصہ '' انگڑائیاں'' کے عنوان سے ہے اور اس میں شاعرات کے بہترین اشعار کو جمع کیا گیا ہے۔اس حصے میں شاعرات کے نام اور تخلص کے علاوہ کسی قسم کی مزید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔

چوتھا حصہ '' نقوش پا'' کے عنوان سے ہے اور اس میں قدیم شاعرات یعنی انیسویں صدی کی شاعرات کے حالات اور ان کے اشعار کا اندراج کیا گیا ہے۔اس حصے میں شاعرات کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام دونوں حد درجہ مختصر ہیں۔شاعرات کے حالات کا اندراج ایک سطر میں اور ان کا صرف ایک ایک شعر نقل کیا گیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی اس تذکرے میں اعتدال اور توازن کی کمی ہے شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام دونوں میں توازن نہیں ہے۔تذکرے کے شروع میں شاعرات کی فہرست موجود نہیں ہے جس سے کسی بھی شاعرہ کو ڈھونڈنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔البتہ تذکرے میں بہت سی گم نام شاعرات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

تحقیقی و تنقیدی دونوں اعتبار سے اس تذکرے میں کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔البتہ شاعرات کے کلام کے نمونوں کا انتخاب معیاری اور موزوں ہے۔تذکرے میں موجود نظموں اور غزلوں کے مطالعے سے نہ صرف شاعرات کے سیاسی، سماجی اور عصری شعور کے بارے میں پتہ چلتا ہے بلکہ یہ ہندوستان کی تہذیب و معاشرت اور سماجیات کے بہت سے پہلوؤں کی دل چسپ عکاسی کرتا ہے۔

اس تذکرے کے دیباچے میں مصنف نے نہ صرف اردو شاعرات کے تذکروں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے بلکہ شاعرات پر لکھی جانے والی نئی کتابوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کا کسی بھی کتاب میں ذکر موجود نہیں ہے۔

۵۔ متفرق کتب اور مقالات۔۔۔۔

تذکرہ مشاہیر خاندان تیموریہ (۱۹۰۳):

یہ تذکرہ رحیم بخش کی تصنیف ہے۔ جو ۱۹۰۲ء میں قومی پریس دہلی میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومی رفیق میں جنوری ۱۹۰۲ء سے جون ۱۹۰۳ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ اس تذکرے میں خاندان تیموری کی نام ور عفت مآب مشاہیر بیگمات کے علاوہ شریف خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں کو نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تذکرے میں ان مشاہیر خواتین کے دیگر کارناموں کے علاوہ ان کی علمی ادبی خدمات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کی اہمیت ادبی نہیں ہے بلکہ تاریخی ہے۔

جہاں تک اس تذکرے میں سوانحی معلومات کا تعلق ہے تو اس تذکرے میں اردو شاعرات کے تذکروں میں مذکور بہت سے مشاہیر خواتین کے سوانح کے بارے میں تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں۔ اردو شاعرات کے تذکروں میں ان مشاہیر خواتین کے نام، تخلص اور چند کے اشعار کے علاوہ کسی بھی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہوتی۔ مصنف نے فارسی اور اردو کی مستند تواریخ کی مدد سے مشاہیر خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں کو تحقیق کی روشنی میں اس تذکرے میں جمع کر کے ایک علمی کارنامہ سرانجام دیا، جن کے حالات کہیں اور سے دستیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

دختران ہند (۱۹۳۲):

مولانا علم دین سالک کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۳۲ء میں منظر عام پر آئی اور بعد میں اس کتاب کو نظر ثانی کے بعد ۱۹۹۸ء میں خرم آرٹس پریس لاہور سے شائع کرا دیا۔ اس میں تقریباً چھبیس کے قریب خواتین کے حالات اور ان قلمی کارناموں کا تفصیل سے ذکر گیا گیا ہے۔ جنھوں نے علم و فن کے علاوہ دیگر شعبوں میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

یہ تذکرہ ہندوستان کی مشہور و معروف خواتین کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ لیکن تذکرے میں بعض خواتین ایسی بھی ہیں جنہوں علم و ادب خصوصاً شاعری میں اپنا ایک نام پیدا کیا۔ اس کتاب کا مقصد خواتین کی علمی و ادبی

سر گرمیوں کو اجاگر کرنے کا مقصد نہیں تھا۔ بلکہ اس کی اشاعت کا محرک مسلم معاشرے میں طبقۂ نسواں کے کمالات کو اجاگر کرنا تھا۔

اس تذکرے میں اردو شاعرات کے تذکروں پر براہ راست تحقیق و تجزیہ تو نہیں کیا گیا ہے لیکن اردو شاعرات کے تذکروں میں مذکور بہت سی مشاہیر خواتین کے علمی وادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

محفل خواتین(۱۹۴۸):

اس کتاب کے مرتب فاروق محشر بدایونی ہیں۔ اس کتاب میں خواتین کے روح پرور اور کیف آور کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ خواتین کلام کا یہ مجموعہ ۱۸۴۸ء میں منظر عام پر آیا۔ دراصل اس مجموعے میں ان خواتین کے کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ جو رسالہ خاتون مشرق میں ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک وقتاً فوقتاً چھپتا رہا۔ اور اس رسالے کے حصہ نظم کو کتابی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں تقریباً دس کے سال کے نمبروں میں خواتین کے قطعات، نظمیں اور غزلیں شائع ہوئیں، ان کو اس کتابی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ اس حوالے اس مجموعے کے مصنف اس کو مرتب کرنے کی وجہ تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> میرے محترم دوست عبد اللہ فاروقی صاحب نگراں رسالہ خاتون مشرق دہلی نے مجھ سے فرمایا کہ مردوں کے تو بہت دیوان اور مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں مگر عورتوں کے کلام کا کوئی اچھا اور ضخیم مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس لیے فاروقی صاحب کی فرمائش پر میں روشن خیال خواتین کے کلام کو منتخب کرکے محفل خواتین کے نام سے کتابی شکل دے دی۔[۳۲]

تذکرے میں اپنے عہد کی ۲۷۰ کے قریب خواتین کی صرف نظموں، غزلوں اور قطعات کو شامل کیا گیا ہے۔ حالات زندگی بالکل نہیں ہیں اور نہ ہی شاعرات کی کسی اور سرگرمی پر روشنی پڑتی ہے۔ تذکرے میں شاعرات کے اندراج کا طریقہ حروف تہجی کی ترتیب سے نہیں ہے اور نہ ہی شاعرات کی زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ تذکرے میں درج شاعرات کے موضوعات میں تنوع ملتا ہے۔ شاعرات نے قدرتی مناظر سے لے کر عام، سیاسی، سماجی، مذہبی اور صوفیانہ موضوعات کو آسان فہم انداز میں اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔

یہ تذکرہ شاعرات کے کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس میں شاعرات کی تذکرہ نویسی پر تو بات نہیں کی گئی ہے لیکن اردو شاعرات کے تذکروں میں مذکور میں بہت سی شاعرات کے کلام کے مزید نمونے تحقیق و دریافت کے بعد اس میں درج کیے گئے ہیں۔

آفتاب حرم (۱۹۴۹):

آفتاب حرم سید محمد طفیل احمد بدر کی تصنیف ہے۔ جو ۱۹۴۹ء میں تاج کمپنی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ کتاب میں پچیس ابواب ہیں۔ یہ خواتین کے موضوع پر لکھی جانے والی ایسی تصنیف ہے جس میں عورت سے متعلق موضوعات کا تنوع ملتا ہے عورت کی تخلیق سے لے کر یہ کتاب موجودہ دور کی عورت کی احساس کمتری دور کرنے تک مختلف سفر مختلف انداز میں طے کرتی ہے عہد قدیم سے لے کر موجودہ دور تک عورت کو شر و فساد کی چیز سمجھا جاتا تھا۔ اس میں عورت کی حیثیت کا تعین، عورت سے متعلق شاعروں، ادیبوں، مشاہیر عالم، پیشوایان مذہب کے اقوال، افکار و خیالات اور تاثرات کو نظم و نثر کی صورت میں یک جا کیا گیا ہے کہ مختلف زمانوں میں انھوں نے عورت کو کس نظر دیکھا اور بہ طور عورت کو اپنی تحریروں میں کس طرح پیش کیا۔ اس کتاب میں خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کرتے ہوئے اور آگے بڑھتے ہوئے دکھا گیا ہے۔ شروع کے چند صفحات میں محققین نے عورت کے معاشرے میں مقام و مرتبے اور حقوق سے متعلق اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے عورتوں کو دنیا میں حقیقی روشنی عطا کی ہے اور اسلام کی تعلیمات ہی کے اثر سے حقوق نسواں کی تحریک معرض وجود میں آئی اور اسلام ہی نے تحریک نسواں کو تقویت پہنچائی۔ جس کے مثبت نتائج ہر جگہ بلکہ ہندوستان میں بھی بآور ثابت ہو رہے ہیں اور عورتیں ہر جگہ مردوں کے برابر حقوق کا مطالبہ کر رہی ہیں تعلیم کی ترقی کو اگر دیکھا جائے تو ہندستان میں بھی عورتوں کی ترقی کی رفتار دیگر ممالک کے دوش بہ دوش ہوئی ہے۔[۳۳]

کتاب کے دیباچے میں مصنف سبب تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت کے موضوع پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے چوں کہ انتخابی صورت میں یک جا نہیں تھا جس کی وجہ سے اس سے پوری طرح استفادہ ممکن نہیں تھا۔ اب ان کی چند ماہ کی کوششوں سے تمام مواد جو عورت کی احساس کمتری سے متعلق ہے خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، اشعار کی صورت میں، یا مقولوں کی صورت میں ادبی رنگ میں ہو یا مذہبی رنگ میں منتخب کر کے کتابی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ صنف نازک کی تعریف و توصیف سے تفریح حاصل کریں بلکہ مدعا یہ ہے کہ پڑھنے والے عورت کی ہستی سے صحیح روشنی حاصل کریں اور عورت بذات خود اپنی حقیقت، مرتبہ، درجہ اور اپنی فطرت اور اصلیت سے واقف ہو[۳۴]۔ کتاب کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنف عورتوں کی پس ماندگی اور حالات زار سے متاثر ہو کر خواتین کی بیداری میں کوشاں نظر آتا ہے اس کی تالیف و تدوین کا مقصد یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کے احساس کمتری کو دور کیا جائے۔ کتاب کے متعدد ابواب کے واقعات سے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کی بھی اگر صحیح تربیت کی جائے تو اس کے کمال کے بھی جوہر کھل سکتے ہیں۔

کتاب کا تئیسواں اور چوبیسواں باب شاعرات سے متعلق ہے۔ تئیسواں باب "عورت اور شاعری" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے اور اس کے شروع میں شاعری کی قلبی اور وجدانی کیفیت پر بحث کرتے ہوئے چند مشہور و معروف شاعرات کے حالات زندگی اور منتخب کلام پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا چوبیسواں باب " عورتوں کی علمی و ادبی خدمات" کے عنوان سے ہے جس میں زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں قدیم دور سے لے کر موجودہ دور تک خواتین کی علمی و ادبی خدمات جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کے شروع میں زبان اردو پر عورت کے احسانات کو گنواتے ہوئے عورتوں کے شعری کارناموں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اردو زبان اور شاعری کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے قدیم شاعرات کے حالات و کارناموں بہ طور مثال بھی پیش کیا ہے کہ شعر و ادب کی ترقی میں خواتین کی خدمات بھی مردوں سے کم نہیں ہیں۔

کتاب کا جو حصہ شاعرات سے متعلق ہے یہ صفحہ ۳۳۵ سے شروع ہوتا ہے اور ۳۹۵ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس حصے میں چوبیس شاعرات کا ذکر ملتا ہے۔ شاعرات کے اندراج میں کسی حد تک زمانی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے۔ حالات زندگی بہت مختصر ہیں۔ شاعرات کے حالات کا اندراج دو تین سطروں سے زیادہ نہیں ہے البتہ جہاں تک انتخاب کلام کا تعلق ہے وہ معیاری اور عمدہ ہے۔ ہر شاعرہ کی تین یا چار نظمیں یا غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ تنقیدی اعتبار سے بھی اس میں مصنف شاعرات کے کلام پر کہیں کہیں نپی تلی رائے کا اظہار کیا ہے جو شاعرات کے کلام کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور مصنف کے تنقیدی شعور کو بھی اجاگر کرتا ہے کتاب کے مطالعے سے کتاب کے ماخذات کے بارے میں علم نہیں ہوتا ہے کہ مصنف نے معلومات کہاں سے حاصل کی ہیں اور ان کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں۔

بحیثیت مجموعی اس کتاب میں ہر طبقے کے لوگوں کے لیے تسکین ذوق کا سامان بھی موجود ہے۔ یوں اس کتاب میں زندگی کے مختلف شعبوں میں خواتین کو ترقی کرتے ہوئے اور مزید آگے بڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور یہ کتاب مختلف شعبہ جات کے ساتھ شعر و ادب میں بھی خواتین کے کردار کو نمایاں کر رہی ہے اور مصنف کی خواتین کے موضوع سے دل چسپی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

اس کتاب میں براہ راست اردو شاعرات کے تذکروں پر بات تو نہیں کی گئی ہے لیکن کتاب کے چوبیسویں باب میں اردو شاعری کے ارتقا میں خواتین کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے

مسلمان عورتوں کی تاریخ (۱۹۶۰ء):

اس کتاب کے مؤلف قاضی ظہور الحسن ہیں جو لاہور سے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں منظر عام پر آئی۔ کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں ازواج مطہرات کی سیرت کو موضوع بنایا گیا ہے کتاب کا دوسرا باب صحابیات سے متعلق ہے۔ تیسرے باب میں ان صالحات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے تصوف میں اپنا نام پیدا

کیا۔ کتاب کے چوتھے باب میں ہندوستان کی مشہور عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے کسی بھی شعبے میں بے پایاں کارہائے نمایاں سرانجام دیے، ان کے حالات اور کارناموں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ کتاب کا آخری باب میں شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس باب میں مصنف نے تقریباً دس کے قریب اردو کی قدیم شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو شامل کیا ہے۔ سوانحی حالات سے یہ مختصر تذکرہ ہے۔ شاعرات کے حالات تین چار سطروں سے زیادہ نہیں ہیں۔ جو شاعرات عربی اور فارسی سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے کلام کے نمونے نہیں دیے گئے۔ البتہ اردو شاعرات کے حالات کے علاوہ ان کے کلام کے ایک ایک دو دو شعر پیش کیے گئے ہیں۔ تذکرے کی تحقیقی و تنقیدی اہمیت بھی کچھ نہیں ہے۔ مصنف نے ماخذات کی نشان دہی بھی نہیں کی ہے کہ معلومات کے ماٰخذ کیا ہیں۔ یہ کتاب شاعرات کی سیاسی، سماجی اور ادبی تاریخ میں کوئی اضافہ نہیں کرتی۔

مغل شہزادیاں (۲۰۰۰ء):

یہ کتاب محمود علی کی تالیف کردہ ہے۔ یہ ۲۰۰۰ء میں شربی آفسیٹ پریس دریا گنج دہلی سے شائع ہوئی۔ مصنف اس کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ان مغل شہزادیوں کی سرگزشت ہے جو باوجود پردہ علم و فن، اخلاق تہذیب و تمدن، مذہب اور سیاست میں اعلیٰ مقام رکھتی ہیں جو آج کی بے پردہ عورت میں نہیں ملتا۔ یہ کتاب ان شریف شہزادیوں کی تاریخ ہے جن کے پردے میں تمدن اور معاشرتی زندگی کے بہت سے پہلو پنہاں ہیں۔ انھوں نے مسلم تہذیب اور شریفانہ کلچر اور تمدن کی نگہبانی کی ان کی لطیف زبان اور کاموں سے مغل تہذیب پر روشنی پڑتی ہے۔ [۳۵]

ضخامت کے لحاظ سے یہ کتاب ۲۰۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۵۶ مغل شہزادیوں کے حالات اور ان کے کارناموں کے علاوہ ان کی علمی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے۔ اس میں مصنف نے ابتدا سے لے عصر حاضر تک خواتین کے کارناموں اجاگر کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو خواتین نے زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر کارنامے سرانجام دیے ہیں، جن پر تاریخ بجا طور پر ناز کرتی رہے گی۔ لیکن اس کے باوجود ان خواتین کو وہ مقام نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق تھیں۔ [۳۶]

مقدمے میں وہ اس کے تالیف کیے جانے کا مقصد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کتاب کا مقصد یہ ہے کہ آج کی خواتین ان کی معاشرتی اور اخلاقی زندگی سے سبق حاصل کریں اور مذکورہ خواتین کی زندگی اور کردار متاثر ہو کر اندھیرے سے اجالے کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کتاب میں ان ہندو رانیوں کا مختصر تعارف بھی پیش خدمت ہے جو کسی بھی طرح مغل شہزادیوں سے حسن و جمال، قابلیت اور بہادری میں کم نہیں تھیں اور ہند کی مایہ ناز خواتین میں ان کا نام سنہرے الفاظ میں تحریر ہے۔ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ [۳۷]

یہ کتاب مغل شہزادیوں کا سوانحی تذکرہ ہے۔اس میں مغل شہزادیوں کے حیات اوران کی علمی و ادبی خدمات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ تحقیقی اعتبار سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے،اس میں مصنف نے نہایت مستند تواریخ کی مدد سے ان خواتین کے حالات تحقیق ودریافت کے بعد درج کیے ہیں۔کتاب کے آخر میں مصنف نے ان کتابوں کی فہرست بھی دی، جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔اس کتاب میں تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی لیکن ان تذکروں میں مغل شہزادیوں کی علمی وادبی خدمات کا جائزہ تحقیق وتنقید کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین (۲۰۰۰ء):

اس کتاب کے مصنف طالب ہاشمی ہیں۔یہ ۲۰۰۰ء میں ندیم یونس پرنٹر لاہور سے شائع ہوئی۔ ضخامت کے لحاظ سے یہ ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ہر ہجری صدی کے تذکرے الگ الگ ابواب کی صورت میں مرتب کیے گئے ہیں۔آغاز میں ایک عمومی فہرست دی گئی ہے جس میں پہلی صدی سے لے کر چودھویں صدی تک خواتین کے حالات اور کارناموں کو زمانی اعتبار سے یک جا کیا گیا ہے۔اس میں موجود خواتین کے اسماء کی فہرست حروف تہجی کی ترتیب سے بھی دی گئی تاکہ مطلوبہ معلومات تک آسانی رسائی حاصل ہو۔اس میں وضاحت طلب نکات پر حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جس میں بہت سی نام ور شخصیتوں کے تذکرے آگئے ہیں۔

اس میں تاریخ اسلام کی ۴۰۶ ایسی خواتین کے تذکرے ہیں جن میں کمال کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پایا جاتا ہے۔کوئی اپنے علم وفضل کے لحاظ سے باکمال تھی تو کوئی زہد وعبادت اور عرفان سلوک کے اعتبار سے،کوئی شجاعت اور بے باکی کے لحاظ سے باکمال تھی تو کوئی ایثار و وفا اور عزم وہمت کے اعتبار سے،کوئی ذہانت طباعی کے لحاظ سے باکمال تھی تو کوئی سخن فہمی کے اعتبار سے،کوئی ہنر اور فن کے انقطۂ نگاہ سے یگانۂ روزگار تھی تو کوئی دانش وحکمت اور تدبر و سیاست کے لحاظ سے۔

کتاب میں خواتین کے تذکرے نہایت مستند تواریخ اور تذکروں کی مدد سے مرتب کیے گئے ہیں اور یہ کتاب خالص علمی، تحقیقی اور سوانحی نقطۂ نظر سے مرتب کی گئی ہے۔اس میں بہت سے ایسی خواتین کے تذکرے بھی ہیں جنھوں شعر وادب میں کمال حاصل کیا ہے۔

بیس بڑی خواتین (۲۰۰۰):

مولانا محمد حسین صدیقی کی تالیف کردہ کتاب ہے جو فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں ہندوستان کی بیس بڑی خواتین کے حالات اور کمالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کتاب کو مصنف نے مذہبی نقطہ نظر کے تحت ان خواتین کے کارناموں کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ناقابل فراموش

کارنامے سرانجام دیے۔ قدیم و جدید خواتین کے حالات اور ان کے کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں چند ایک خواتین کی علمی و ادبی خدمات کا تذکرے کرتے ہوئے ان کے شعری کارناموں کا بھی سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب میں اردو شاعرات کے تذکروں پر بحث تو نہیں ملتی لیکن اس میں ہندوستان کی نامور شاعرات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے کہ ان خواتین نے نہ صرف دوسرے شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کالوہا منوایا بلکہ شعر و ادب کی ترقی میں بھی ان خدمات لازوال ہیں۔

بیسویں صدی میں خواتین کا ادب (۲۰۰۴):

مترنم ریاض کی تالیف کردہ تصنیف ہے جو ساہتیہ اکادمی سے ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول میں نثر نگار خواتین اور ان کی نمائندہ تخلیقات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حصے میں موجودہ دور سے لے کر انیسویں صدی تک تقریباً ۱۸ کے قریب نثر نگار خواتین اور ان کی تخلیقات کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

حصہ دوم میں اپنے عہد کی نمائندہ گیارہ شاعرات کی منتخب غزلیں اور ان کی نظموں کے نمونوں کے علاوہ ان کے حالات زندگی کو اس کتاب میں یک جا کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں مصنفہ لکھا ہوا مبسوط ابتدائیہ شامل کیا گیا ہے جس میں اردو زبان و ادب میں خواتین کی خدمات کے عہد بہ عہد کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے کہ ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک ان خواتین ادیبوں نے اارد و ادب کے بقا میں اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کی تحریروں میں پیش کردہ موضوعات، زبان و بیان، مزاج اور منفرد حسیت کی بنا پر ادب میں انھوں نے ایک جداگانہ شناخت بنائی۔ اس مقدمے میں خواتین کے ادب کو مزید ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور سے وابستہ خواتین کے ادب کی خصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے وہ لکھتی ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر سے خواتین نثر نگار اور ان کی نثری تخلیقات منظر عام پر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ خواتین کے اس پہلے دور میں دو دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں ایک یہ کہ اس دور میں ایک مخصوص، سماجی و ثقافتی صورت حال کے پیش نظر خواتین کی تخلیقات فرضی ناموں سے شائع ہوتی تھیں۔ دوسرا اس دور میں خواتین ڈپٹی نذیر احمد کی تحریروں سے متاثر نظر آتی ہیں اور خواتین کے موضوعات میں اصلاح تمدن کے علاوہ مشرقی اور مغربی اقدار کی کش مکش کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں خواتین کے موضوعات میں تبدیلی نظر آتی ہے اور اس دور کی تخلیقات میں نسائی شعور کی اولین بیداری اور خانگی اور سیاسی و سماجی مسائل سے آگاہی کے نقوش بھی نظر آتے ہیں۔ تیسرے دور میں خواتین نے تحریکوں کے زیر اثر اپنے خیالات کا اظہار

کیا۔آخری دور میں خواتین کے موضوعات میں ہمہ گیر تبدیلی پیدا ہوئی۔خواتین نے شاعری اور افسانہ نگاری میں بھی لازوال کارنامے سرانجام دیے۔[۳۸]

اس کتاب میں صرف افسانہ نگار اور شاعرات کے حالات زندگی اور ان کے نمونوں کو شامل کیا گیا ہے۔شاعرات کی شاعری کے نمونوں کے علاوہ ان کے ایک ایک منتخب افسانے کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔تذکرے میں درج شاعرات کے حالات زندگی کے علاوہ ان شاعرات کی علمی وادبی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ ان شاعرات اور افسانہ نگار خواتین نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کہاں سے اور کب کیا۔اس کے علاوہ تذکرے میں درج شاعرات کے افسانوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے عام موضوعات کے علاوہ سیاسی، سماجی، مذہبی ہر طرح کے موضوعات کو سادہ اور عام فہم زبان میں پیش کیا۔تنقیدی اعتبار سے بھی مصنفہ نے ان کی تخلیقات پر اپنے عہد اور زمانے کے تناظر میں تبصرہ کیا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب صرف منتخب افسانہ نگار اور جدید شاعرات کے جائزے پر مشتمل ہے اور اردو ادب میں ان خواتین کے کردار کے ارتقا کو موضوع بناتی ہے۔جنھوں نے اردو ادب کی بقا میں اہم کردار ادا کیا۔دوسرا خواتین کے اردو ادب کا یہ طائرانہ جائزہ ایک تنقیدی تجزیہ ہی نہیں ہے بلکہ اس تصنیف کے ذریعے مصنفہ نے خواتین اردو ادب کی خاکہ کشی ہے۔

جدید شاعرات اردو نئی فکر اور نئے راستے (۲۰۰۵)

جدیدشاعرات اردو نئی فکر اور نئے زوایے ڈاکٹر طاہرہ پروین کی تصنیف ہے جو ۲۰۰۵ء میں الٰہ آباد سے منظر عام پر آئی۔یہ کتاب ڈاکٹر طاہرہ پروین کے مضامین کا مجموعہ ہے،ان مضامین میں انھوں نے جدید شاعرات کی شاعری کو نئے زاوایوں سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی اور ۱۹۶۰ء کے بعد کی شاعری کو زیر بحث لائیں۔اس کتاب میں فہمیدہ ریاض، عذرا عباس، کشور ناہید اور کیفی اعظمی کی نئی شاعری پر مشتمل ان مضامین میں مصنفہ نے ان کی شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور انھوں نے نسوانی تحریک خصوصاً اردو کی جدید شاعرات کے محاسبے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔کتاب کے شروع میں اہل ارباب فکر کے اس کتاب پر تبصرے ہیں جو نہ صرف اس کتاب کی اہمیت کو دوچند کرتے ہیں بلکہ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کتاب میں ایک خاص نہج اور فکر کے تحت شاعرات کا جو جائزے لیا گیا ہے، کی کوشش کو سراہا گیا ہے۔بعد ازاں ان ارباب فکر کی تانیثیت کے موضوع پر مضامین بھی شامل ہیں جو نہ صرف تانیثیت کے بنیادی نظری مباحث کا احاطہ کرتے ہیں بلکہ تانیثیت کے مختلف درجات اور مراتب کے بارے میں بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ تانیثیت پر مبنی اپنے افکار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تانیثیت پر مبنی افکار و خیالات آج اردو دنیا میں عام ہو رہے ہیں لیکن اردو دنیا ابھی تک فیمنزم اور

فیمیل کی اصطلاحوں اور الفاظ کی معنوی صورتوں سے باہر نہیں نکل آئی۔ وہ تانیثیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تانیثیت ایک فلسفہ فکر اور ایک تحریک کا نام ہے۔ صرف عورتوں کے ذریعے تخلیق کیے جانے والے ادب کو شاید تانیثیت کا نام نہیں دے سکتے۔ کم از کم اس تانیثیت کا نام جو نام اور ایک ادبی آئیڈیالوجی کے ساتھ منظم ڈھنگ سے اپنے اصول وضوابط کے ساتھ چل رہی ہے اور جس کی تنقید اور مطالعے کے آفاق، کلچرل اینتھروپالوجی، لسانیات، نفسیاتی تجزیے، مارکسزم، رد تشکیل، سیمی یوٹکس اور کسی حد میسوگائینی یعنی ازدواجی زندگی سے نفرت تک پھیلے ہوئے ہیں اور جو مردوں کی تحکمیت، دباو، ان کی لفظیات اور سرپرستی کے ترحمی جذبات اور الفاظ، سب کے خلاف احتجاج کرتی ہے۔ تانیثی تنقید کا اسی دائرے میں رہ کر ادب کا محاسبہ مناسب سمجھا جائے گا۔[۳۹]

اس کے علاوہ مصنف اس کی تالیف کا مقصد بتاتے ہوئے لکھتی ہیں کہ اس کتاب میں صرف ان شاعرات کو لیا گیا ہے جو عہد حاضر کے ان مسائل پر اپنی شاعری میں بات کرتی ہیں جن کا تعلق نسائیت سے ہے۔ دوسرا اس مقالے میں نسوانیت اور نسائیت سے ہٹ کر اس تحریک کی طرف توجہ کی گئی ہے جسے آج نسوانی تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۴۰]

کتاب میں صرف پاکستان کی جدید شاعرات کی شاعری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کتاب میں موجود ان مضامین کی نوعیت منفرد نظر آتی ہے کہ مصنفہ نے جدید شاعرات کی شاعری کا جائزہ ایک نئے نقطۂ نظر اور نئے زاویے سے کیا ہے۔ اور ان شاعرات کی شاعری میں ان موضوعات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جن کا تعلق عورتوں کے مسائل سے ہے۔ جن میں نئی عورت کی اجتماعی نئی زندگی کے مسئلے بھی ہیں کہ وہ نئی فکر اور نئے راستے بنانے میں کس طرح کوشاں ہیں۔ دوسرا اجتماعی اور نسوانی تحریک سے متاثر شاعرات کو سمجھنے اور سمجھانے کی یہ ابتدائی کوشش اس سمت میں سفر کرنے والوں کے لیے ایک اہم اقدام ہے۔

مغل شہزدیاں علمی وادبی خدمات (۲۰۰۶ء):

محمد فائق کی تصنیف ہے جو ۲۰۰۶ء میں نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ اس میں مغل شہزادیوں کی علمی وادبی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان ملکاؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جن کی پیدائش تو دوسرے خاندانوں میں ہوئی لیکن وہ تیموری خاندان میں بیاہی گئی۔ چونکہ وہ علمی وادبی خدمات سے سرشار تھیں اور اس میں انھوں نے کارہائے نمایاں بھی سرانجام دیے، اس وجہ سے ان کی علمی وادبی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں اردو تذکرہ نویسی پر بات تو نہیں کی گئی ہے لیکن تیموری خاندان کی عورتوں کی علمی وادبی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

تذکرہ شاعرات لکھنؤ (۲۰۰۹):

تذکرہ شاعرات لکھنو' کی مرتب ثمینہ فاروقی ہیں۔اس تذکرے کی پہلی جلد ۲۰۰۹ میں منظر عام آئی۔(بقول مصنف اس تذکرے کی دوسری جلد زیر ترتیب ہے)۔تذکرے کی اس پہلی جلد میں کم و بیش ۱۲۷ شاعرات کے حالات اوران کے نمونے کلام کو جمع کیا گیا ہے۔اس کتاب کو صرف لکھنؤ کی قدیم وجدید شاعرات کے ذکر تک محدود کیا گیا ہے۔

تذکرے کو مصنف نے حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ضخامت کے لحاظ سے یہ کتاب ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔شروع کے چند میں مصنف تذکرہ کا مقدمہ ہے۔اس مقدمے میں مصنفہ تذکرے کے سبب تالیف کے بارے میں لکھتی ہیں کہ اس تذکرے کی ترتیب کا خیال انھیں تب پیدا ہوا جب ڈاکٹر عرفان عباسی کے نایاب ادبی ذخیرے سے بے ترتیب صفحات کے ساتھ نامکمل تذکرہ شاعرات پر ان کی نظر پڑی۔اس تذکرے کے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی اور موصوف سے عرض کیا کہ شاعرات کا کوئی تذکرہ غالباً نہیں ہے جس میں قدیم شاعرات کے ساتھ ساتھ معاصر شاعرات کے ذکر کو شامل کیا گیا ہو۔سوانھوں نے قدیم وجدید شاعرات کے ذکر پر مشتمل ایک تذکرہ ترتیب دینے کا منصوبہ بنایا اور ان کی اجازت سے اسی دن سے تذکرہ شاعرات لکھنو' پر کام شروع کر دیا۔تقریباً دس ماہ کے اندر انھوں نے اسے اپنی کوشش وکاوش سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔"[۲۱]

پیش نظر تذکرہ شاعرات لکھنو' کی پہلی جلد راقمہ کے پیش نظر ہے۔اس تذکرے میں لکھنؤ سے تعلق رکھنے والی اردو زبان کی ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔صفحہ ۳۱ سے اس تذکرے کی پہلی قدیم شاعرہ ادا سے اس تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۳۵۲ پر یاد کے حالات اور اس کے کلام پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

تذکرے میں طوائفیں بھی ہیں،عام شاعرات کا بھی ذکر ہے،طبقہ امرا سے تعلق رکھنے والیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اپنے عہد کی نمائندہ اور ممتاز شاعرات کا بھی ذکر شامل ہے۔مصنف نے ان سب شاعرات کے اندراج کوئی علاحدہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ سب کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے یک جا طور پر کر دیا ہے۔

حالات اور نمونہ کلام دونوں اعتبار سے یہ تذکرہ مختصر ہے۔تذکرے میں شامل قدیم دور کی شاعرات کے حالات اس تذکرے سے پہلے لکھے جانے والے تذکروں سے ماخوذ ہیں،بیش تر معلومات وہی ہیں جو اس سے پہلے تذکروں میں موجود ہیں۔شاعرات کے حالات کا ذکر بھی ایک ایک دو دو سطروں میں کر دیا گیا ہے۔نمونہ کلام میں بھی صرف ایک ایک شعر کا اندراج کیا گیا ہے۔البتہ جدید دور کی شاعرات کے سوانحی حالات کو اخذ واستفادے سے مزید بہتر بنانے کی کوشش نظر آتی ہے اور ان کے کلام کا انتخاب بھی مناسب اور موزوں ہے۔جدید شاعرات کے سوانحی

حالات میں شاعرات کی علمی و ادبی، تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ ان کے خاندانی پس منظر، ملک وملت، وطن اور ملازمت کے بارے میں بھی بہت سی معلومات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے اس تذکرے میں مصنف نے معلومات کا اندراج نہایت تحقیق و تلاش کے بعد کیا ہے اور شاعرات کے عہد اور ماحول کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات دینے کی کوشش کی ہے۔ البتہ تذکرے کی تنقیدی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ تذکرے میں درج شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام پر مصنف کا کوئی نقطۂ نظر اور تبصرہ نہیں ملتا۔ جدید شاعرات کی نمائندہ اور بہترین غزلوں اور نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔ بعض شاعرات کے معلومات کا اندراج مصف نے اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل کر کے کیا ہے البتہ قدیم شاعرات کے بارے میں معلومات قدیم تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ مصنف تذکرہ نے جن کتابوں سے استفادہ کیا اس کی فہرست تذکرے کے آخر میں درج کر دی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ تذکرہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس تذکرے میں مصنف نے صرف لکھنؤ کی قدیم وجدید شاعرات کی ایک بڑی تعداد یک جا کر دی ہے۔ لکھنؤ کی شاعرات سے متعلق اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے کسی بھی تذکرے میں موجود نہیں ہے۔ یہ تذکرہ مستقبل کی تاریخ ادب کی ترتیب میں لکھنؤ کی شاعرات سے متعلق واحد اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرا اس تذکرے میں بہت ساری شاعرات کی تصاویر کو بھی شامل کیا ہے۔ تذکرے میں اعتدال اور توازن کو قائم نہیں رکھا گیا ہے۔ بعض شاعرات کے نمونہ کلام میں اس کی غزل، مثنوی، قطعات اور متفرق اشعار کو درج تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس تذکرے میں بھی اردو تذکروں پر بحث تو نہیں ملتیں لیکن شاعرات کے بارے میں معلومات زیادہ تحقیق کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

خواتین اسلام:

اس تذکرے کے نہ سن اشاعت کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اور نہ ہی اس کے مصنف کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ناقص الاول ہے۔ شروع کے چند صفحات موجود نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے سن اشاعت اور مصنف کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ یہ ۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو الف بائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے

اس تذکرے میں دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کی شاعرات کا تذکرہ شامل ہے۔ شاعرات اور دیگر خواتین کے حالات مختصر ہیں مصنف نے جس زبان کی شاعرات کے حالات کو اس تذکرے میں شامل کیا ہے ساتھ ہی ان کے اپنی اپنی زبانوں میں ان کے کلام کے نمونے بھی دیے ہیں۔

تذکرے میں آٹھ کے قریب اردو کی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو بھی یک جا کیا گیا ہے۔تذکرے میں موجود تمام شاعرات انیسویں صدی سے قبل کی ہیں۔کسی جدید شاعرات کا اس تذکرے میں ذکر نہیں کیا گیا۔تذکرے میں باقی خواتین کی نسبت ارد شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام حد درجہ مختصر ہیں۔شاعرات کے سوانحی حالات میں صرف ایک ایک دو دو سطریں اور ان کے نمونہ کلام کا صرف ایک ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔

تذکرے کی تنقیدی حیثیت کچھ نہیں ہے۔البتہ ماخذات کے اعتبار سے مصنف نے جہاں کہیں معلومات اخذ کی ہیں، ان کا حوالہ دیا گیا ہے۔تذکرے کے شروع کے صفحات نہ ہونے کی وجہ سے نہ اس کے سبب تالیف کے بارے میں کچھ پتہ چلتا ہے اور نہ ہی اس کے زمانہ تالیف پر روشنی پڑتی ہے۔نہ کوئی اضافی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک اس میں شاعرات کے تذکروں کا تعلق ہے تو اس میں کہیں کہیں اردو کے چند ایک ابتدائی تذکروں کے بارے میں جزوی معلومات ملتی ہیں۔

ہندوستان کی شہزادیاں (س،ن):

ہندوستان کی شہزادیاں منشی عبد الرحمان شفق امرتسری کی تصنیف ہے۔یہ کتاب کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور سے شائع ہوئی۔سنہ اشاعت کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتی کہ یہ کب شائع ہوئی۔

ضخامت کے لحاظ سے یہ ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ہندوستان کے بادشاہوں، راجاؤں کی بعض بہادر شہزادیوں کے حالات و واقعات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں زیب النساء، رضیہ سلطانہ اور نور جہاں کے دیگر کارناموں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی وادبی خدمات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔اردو تذکروں میں ان کے سوانحی کوائف بہت مختصر ہیں اور اس کتاب میں تفصیل سے بات کی گئی ہے۔

دستک در سلطانی پر (س،ن):

دستک در سلطانی کو سید ظہور الحسن نے تالیف کیا ہے۔اس کتاب میں مشہور و معروف مغلیہ خاندان کی عورتوں کی سوانح پیش کی گئی ہے۔کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے حصے میں چھبیس اور دوسرے حصے میں تیس خواتین شامل ہیں۔یہ کتاب مغلیہ خواتین کے نہ صرف دیگر کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ اس میں ان کی علمی وادبی خدمات کا تذکرہ بھی شامل ہے۔

اردو تذکروں میں موجود بہت سی شاعرات ایسی ہیں جو مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، ان تذکروں میں ان خواتین کے حالات تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن اس میں ان خواتین کے سوانحی حالات نہایت تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ گارساں دتاسی،رسالہ تذکرات مرتبہ تنویر احمد علوی،س،ن،ص۹تا۱۵۔

۲۔ فرمان فتح پوری،اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری،ص۴۶۔

۳۔ ایضاً،ص۴۹،۴۸،۴۷۔

۴۔ گارساں دتاسی،رسالہ تذکرات،ص۱۵۔

۵۔ فرمان فتح پوری، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری،ص۵۰۔

۶۔ سید عبداللہ،شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن،ص۵۱۔

۷۔ نیاز سلطان پوری،اردو تذکرہ نگاری:۱۸۳۵ کے بعد(لکھنؤ: پاریکھ آفسیٹ پریس،۱۹۹۸)، ص۲۔

۸۔ انیس سلطانہ،بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید کا ارتقا(بھوپال:فاس کمپیوٹرانکس،۲۰۰۸ء)،ص۸،۷۔

۹۔ رئیس احمد،اردو تذکرہ نگاری(دہلی:ایچ،ایس آفسیٹ،۲۰۱۱)،ص۲۔

۱۰۔ فصیح الدین بلخی،نسوان ہند(پٹنہ، شمسی پریس،۱۹۵۶)،ص ج۔

۱۱۔ ایضاً،ص ج۔

۱۳۔ شفیق بریلوی،شاعرات پاکستان(کراچی: مشہور پریس،۱۹۶۱)،ص ب۔

۱۴۔ ایضاً،ص ب۔

۱۵۔ سلطانہ مہر، آج کی شاعرات(کراچی: حقی آفسٹ پریس،۱۹۷۳)،ص۶،۵۔

۱۶۔ ایضاً،ص۶۔

۱۷۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری،تذکرہ نعت گو شاعرات(کراچی:ادارہ تصنیف و تحقیق،۱۹۸۴)،ص۶۔

۱۸۔ ایضاً،ص۱۰۔

۱۹۔ ایضاً،ص۱۰۔

۲۰۔ شاداب ذکی بدایونی،تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ(بریلی: برقی الیکٹرک پریس،۱۹۹۱)، ص۱۱،۱۰۔

۲۱۔ ایضاً،ص۱۱۔

۲۲۔ خالد علیم،اردو کی نعتیہ شاعری(لاہور: گوروار جن،۱۹۹۵)،ص ۱۴۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۱۴۔

۲۴۔ ایضاً،ص ۱۵۔

۲۵۔ علیم صبانویدی،خواتین ٹمل ناڈو کی دینی،علمی و ادبی خدمات(چینئی: ٹمل ناڈو پبلی کیشنز،۲۰۰۱)،ص ۱۰،۹۔

۲۶۔ صغریٰ مہدی،اردو ادب میں دہلی خواتین کا حصہ(دہلی:اردو اکادمی،۲۰۰٦ء)،ص ۱۰۔

۲۷۔ سلیم اختر،پاکستانی شاعرات تخلیقی خدوخال(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹)،ص ۷ تا ۱۴۔

۲۸۔ فرمان فتح پوری،صرف شاعرات(گنج شکر پریس،۲۰۰۹)،ص ۸۔

۲۹۔ شبیہ الحسن،شعرو ادب کی معمار خواتین(لاہور:اظہار سنز،۲۰۱۰)،ص ۱۱ تا ۱۵۔

۳۰۔ ایضاً۔ص ۱۱ تا ۱۵۔

۳۱۔ شاہد احمد جمالی،چند شاعرات راجستھان اور کچھ بھولے بسرے شعرا(جے پور: گلوبل کمپیوٹر اینڈ پرنٹرس،۲۰۱۴)،ص ۸،۷۔

۳۲۔ عبداللہ فاروقی،محفل خواتین(دہلی: دفتر خاتون مشرق،۱۹۴۸)،ص ۳۔

۳۳۔ سید محمد طفیل احمد بدر، آفتاب حرم(لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ،۱۹۴۹)،ص ۱۴ تا ۲۸۔

۳۴۔ ایضاً،ص ۱۴ تا ۲۸۔

۳۵۔ محمود علی، مغل شہزادیاں(دہلی: شربی آفسیٹ پریس،۲۰۰۰ء)،ص ۲،۱۔

۳۶۔ ایضاً،ص ۲،۱۔

۳۷۔ ایضاً،ص ۲،۱۔

۳۸۔ ترنم ریاض،بیسویں صدی میں خواتین کا ادب(دہلی: ساہتیہ اکادمی،۲۰۰۴)،ص ۷ تا ۱۱۔

۳۹۔ طاہرہ پروین،جدید شاعرات اردو(آلہ آباد: انجمن تہذیب پبلی کیشنز،۲۰۰۵)،ص ۱۹ تا ۳۱۔

۴۰۔ ایضاً،ص ۳۱،۳۰۔

۴۱۔ ثمینہ فاروقی،تذکرہ شاعرات لکھنؤ(لکھنؤ: نیو ورک لائن آفسٹ پریس،۲۰۰۹)،ص ۱۰۔

باب سوم:

تذکروں کے ماخذات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

باب سوم:

تذکروں کے ماخذات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

تحقیق میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیز ماخذات ہیں جن سے محقق استفادہ کرتا ہے۔ کسی بھی تحقیق کی قدر و قیمت کا تعین بھی ماخذات کو دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ تحقیق میں استعمال ہونے والے بیانات سند کے بغیر قابل قبول نہیں ہیں اور سند کا قابل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ صرف اس بات کو مستند مانا جاتا ہے جو تحقیق کے معیار پر پوری اترتی ہو اور جس کے ماخذات مستند ہوں۔ ماخذات کے بغیر کسی بھی تحقیقی کام کی عرق ریزی اور محنت کا اعتبار نہیں ہو سکے گا اور جس تحقیق میں زیادہ سے زیادہ ماخذات استعمال کیے گئے ہوں وہی معتبر ٹھہرے گی[۱]۔

تحقیق میں ماخذ کے بغیر کیا جانے والا دعویٰ یا پیش کیا جانے والا بیان اس وقت تک مستند تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک اس کے ماخذ کی نشان دہی نہ کی جائے کیوں کہ جب تک ماخذ کا حوالہ نہیں دیا جاتا، وہ دعویٰ یا بیان مصنف کی ذاتی رائے تک محدود ہو جاتا ہے۔ جب ماخذ کا حوالہ دیا جاتا ہے تو گویا اس بات کی سند پیش کی جاتی ہے۔ اس طرح بات زیادہ ٹھوس اور مدلل ہوتی ہے۔ اس لیے ماخذات کی اہمیت سے کسی طور پر بھی انکار ممکن نہیں۔ کتاب یا ماخذ کی فہرست سے قاری کو مواد کے استناد، اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ماخذات کی نشان دہی محققین اور مؤرخین کی تحقیقی راہیں متعین کرنے میں اہم کردار کرتی ہیں اور ان ماخذات کو راہ نما بنا کر مزید تحقیق کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔ ماخذات کے ذریعے ہی سے نئے حقائق، قدیم معلومات اور روایات کی دریافت کا عمل ممکن ہے[۳]۔ اس لیے تحقیق میں ماخذات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ادبی ماخذات کی بہ لحاظ نوعیت دو بنیادی اقسام ہیں۔

ا: راست ماخذات سے مراد وہ ماخذات ہیں جن سے کسی بھی موضوع سے متعلق در حقیقت مواد اخذ کیا جاتا ہے، ان کو ظاہری ماخذات بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کا شمار ان ماخذات میں ہوتا ہے جو ظاہری طور پر موجود ہیں اور ان کا وجود کسی نہ کسی صورت مثلاً کتاب، لوح، چمڑے پر کسی تحریر یا کسی اور شکل میں موجود ہے اور ان کی نقل یا عکس حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ادبی ماخذات کی مجسم صورت ہے۔ راست ماخذات میں بنیادی و ثانوی دونوں قسم کے ماخذات شامل ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان میں دونوں طرح کے ماخذات کا دستاویزی ثبوت موجود ہوتا ہے، ان سے کسی نہ کسی صورت رجوع کیا جا سکتا ہے اور ان کی غلطی اور درستی کا سراغ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ماخذات مجسم صورت میں موجود ہوتے ہیں اور ان میں مکمل طور پر قطعیت ہوتی ہے۔ اس لیے زیادہ تر ان ماخذات سے اخذ و استفادہ اور استنباط کیا جاتا ہے[۴]۔

۲: بالواسطہ ماخذات سے مراد وہ ماخذات ہوتے ہیں۔اگرچہ یہ ظاہری صورت میں تو موجود نہیں ہیں لیکن مختلف

ادوار میں ادب کے ارتقامیں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور محقق ان کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔یہ ماخذات کی مجسم صورت ہے اوران میں مکمل طور پر قطعیت نہیں ہوتی۔یعنی بالواسطہ ماخذات میں زبانی تاریخ،روایات،سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے واقعات،اساطیر اور تہذیب و کلچر کو متاثر کرنے والے تمام بیرونی محرکات شامل ہوتے ہیں[۵]۔

تذکرے اپنے زمانے کے تاریخی،سماجی،ادبی ہر قسم کی معلومات کا ماخذ ہیں۔شعرا کے تذکرے حالات وکلام کے علاوہ اپنے عہد کی قیمتی یادگار ہیں۔تذکرے اپنے موضوع،مواد،مواد کی پیش کش اور تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔تحقیق میں ان کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

زیرِ نظر تحقیق اردو شاعرات کے تذکروں کے ماخذات کے مطالعے و تجزیے پر مشتمل ہے۔اس باب میں چودہ تذکروں کے ماخذات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا کہ ان تذکرہ نگاروں نے کن اور کس طرح کے ماخذات کا استعمال کیا ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے؟ان چودہ تذکروں میں سے پانچ تذکرے ایسے ہیں جنھوں نے اردو شاعرات کے ساتھ فارسی شاعرات کو بھی شامل کیا ہے۔ان میں بہارستان ناز، تذکرۃ النساے نادری،تذکرۃ النساء ، حدیقہ عشرت اورتذکرۃ الخواتین شامل ہیں۔ان میں سے کچھ تذکرہ نگاروں نے فارسی شاعرات کا علاحدہ حصہ مختص کیا ہے اور بعض نے حروف تہجی کی ترتیب سے اردو شاعرات کے ساتھ فارسی شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا ہے۔ان پانچ تذکروں میں دو تذکروں تذکرۃ النساء اور حدیقہ عشرت کی زبان بھی فارسی ہے یعنی یہ تذکرے فارسی زبان میں تحریر کیے گئے ہیں اور ان میں زیادہ تر شاعرات کی تعداد فارسی زبان کی ہے۔حدیقہ عشرت میں ۹۷ شاعرات میں اردو کی محض ایک درجن سے زائد شاعرات کے حالات اوران کے نمونہ کلام کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی طرح تذکرۃ النساء میں بھی زیادہ تر شاعرات فارسی زبان کی ہیں۔اردو شاعرات کی تعداد کم ہے۔ان چودہ تذکروں میں تین تذکرے ایسے ہیں جن میں ماخذات کی نشان دہی کی گئی ہے اور باقی تذکروں میں ماخذات کی نشان دہی نہیں کی گئی۔ان تذکروں کے مطالعے سے ان کے ماخذات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ان ماخذات کو موضوع اور نوعیت کے اعتبار سے مختلف زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تذکرے

۲۔ ادبی گلدستے

۳۔ ادبی رسائل

۴۔ اخبارات

۵۔ سیاسی و ادبی تواریخ

۶۔ علمی و ادبی و تحقیقی کتب

۷۔ سفر نامے

ا۔تذکرے:

اردو شاعرات کے تذکروں کی معلومات کے سب سے بڑے مآخذ تذکرے ہیں۔اردو تذکرہ نگاروں نے مختلف اقوال، لطائف، بیانات، واقعات اور حالات و کلام ان تذکروں سے نقل کر کے اپنے تذکروں میں پیش کیا ہے۔ان میں سے بعض واقعات، روایات اور اقوال کو بجنسہ اور بعض کو ترامیم و اضافوں کے بعد اپنے اپنے تذکروں میں نقل کیا ہے۔ذیل میں ان تذکروں میں مذکور اردو شاعرات اور فارسی شاعرات کو دو علاحدہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کا تجزیہ کیا جائے گا۔

ا۔ اردو تذکروں میں مذکور فارسی شاعرات کے ماخذات کا تجزیہ

۲۔ اردو شاعرات کے ماخذات کا تجزیہ

اردو تذکروں میں مذکور فارسی شاعرات کے ماخذات کا تجزیہ:

اردو شاعرات کے ان تذکرہ نگاروں نے فارسی میں لکھے گئے تذکروں سے بھی وسیع پیمانے پر استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں ان تذکروں کا انفرادی طور پر جائزہ لیا جائے گا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کہ ان تذکروں میں مذکور شاعرات کے حالات، واقعات، بیانات اور نمونہ کلام میں بھی کس حد تک انھوں نے ایک دوسرے کی معلومات سے استفادہ کیا ہے اور استفادہ کرتے ہوئے ان میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کی ہے یا ان کے بیانات جرح و تعدیل کے بغیر نقل کر دیے ہیں یا ان معلومات کو رد و قبول کے بعد یا پھر ان کے بارے میں مزید تحقیق کر کے معلومات اپنے تذکروں میں پیش کی ہیں۔

جواہر العجائب(۱۵۴۰ء):

جواہر العجائب سلطان فخری ہروی کی تصنیف ہے۔اس کو دسویں صدی کے وسط کی تالیف بتایا جاتا ہے۔ اس تصنیف میں ان عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جنھوں نے فارسی زبان میں شعر کہے ہیں۔یہ تذکرہ اگرچہ مختصر اور مجمل ہے لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے فارسی زبان میں اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نوعیت کا تذکرہ یا اس قسم کی کوئی تالیف جو فارسی زبان کی شاعر عورتوں سے متعلق ہو، کے بارے میں تاریخ اور تذکروں میں اس نوعیت کی کتاب کا تذکرہ کہیں بھی نہیں ملتا ہے۔

جواہر العجائب سے پہلے کی تصانیف کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے دسویں صدی تک جو تذکرے تصنیف ہوئے، ان میں صرف تین شاعر عورتوں کے حالات ملتے ہیں۔ دسویں صدی کے وسط میں جواہر العجائب تالیف ہوا، اس کے بعد جن تذکرہ نویسوں نے شاعرات کے حالات لکھے، ان سب کا ماخذ یہی تذکرہ ہے۔

جواہر العجائب اگرچہ نہایت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ معلومات بھی مفید نہیں ہیں اور نہ ہی شاعرات کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کی تاریخی اور ادبی اہمیت مسلم ہے۔ کیونکہ یہ تذکرہ فارسی شاعرات کے حالات و کلام کا واحد اور مستند ماخذ ہے۔ اگر اس تذکرے کا وجود نہ ہوتا تو ادبی دنیا ان شاعر عورتوں کے حالات و کلام سے نہ صرف ناواقف ہوتی بلکہ ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔

انیسویں صدی میں لکھے جانے والے اردو شاعرات کے (تذکرۃ النساء نادری، بہارستان ناز، حدیقۂ عشرت اور تذکرۃ الخواتین) تذکرہ نگاروں نے فارسی شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے جس فارسی زبان میں لکھے گئے تذکرے کو براہ راست ماخذ بنایا ہے وہ جواہر العجائب ہے۔ اردو تذکروں میں جواہر العجائب سے وسیع پیمانے پر استفادہ دیکھا جا سکتا ہے۔ ذیل میں فارسی شاعرات کے بارے میں وہ معلومات درج کی جاتی ہیں جو اردو تذکرہ نگاروں نے جواہر العجائب سے اخذ کی ہیں۔

۱۔ بہرام گور، فارس کے بادشاہ کی محبوبہ دل آرام کے ذیل میں بیان کردہ کا واقعات و حالات اور اشعار۔[۶]

۲۔ بادشاہ جہانگیر کی بیگم آرام دلؔ کی ذیل میں بیان کردہ شطرنج کے کھیل کا قصہ اور بیگمات کے بارے میں واقعات اور نمونۂ اشعار۔[۷]

۳۔ بادشاہ خاتونؔ کے حالات اور انتخاب کلام۔[۸]

۴۔ بیجہ منجمہؔ کے حالات و اشعار اور ملا جامی اور بیجہ منجمہ کے درمیان ظرافت کے واقعے کا بیان۔[۹]

۵۔ پرتویؔ کے حالات اور اشعار۔[۱۰]

۶۔ اردو تذکرہ نگاروں نے (تذکرۃ النساء نادری، بہارستان ناز، حدیقۂ عشرت، اور تذکرۃ الخواتین) جہاں خاتونؔ نامی شاعرہ اور حیات تخلص کی شاعرہ کے ذیل میں بیان کردہ واقعات اور اشعار خلط ملط کر کے لکھ دیے ہیں۔ جواہر العجائب میں جو واقعات اور اشعار جہاں خاتون کے تحت لکھے گئے ہیں۔ اردو تذکرہ نگاروں نے جہاں خاتون کے تحت بیان کردہ واقعات اور اشعار حیات تخلص کی شاعرہ کے تحت لکھ بھی دیے ہیں اور جہاں خاتون کے ذیل میں بھی لکھ دیے ہیں۔[۱۱]

۷۔ بیدلیؔ کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۲]

۸۔ خان زادیؔ کے حالات واشعار۔جواہر العجائب میں اس کا نام خانم خان زادہ لکھا گیا ہے۔اردو تذکرہ نگاروں نے خانم، خان زادہ سے خان زادی اختراع کیا ہے۔ [۱۳]

۹۔ حیاتیؔ کے حالات واشعار۔جواہر العجائب میں اس کو حیات لکھا گیا ہے۔اردو تذکروں میں حیات سے حیاتی اختراع کیا گیا ہے۔ [۱۴]

۱۰۔ آتونؔ اور ملابقائی کے درمیان شعری مباحثے کا بیان اور حالات وواقعات۔ [۱۵]

۱۱۔ عفتیؔ کے حالات واشعار۔ [۱۶]

۱۲۔ دوستیؔ کے حالات واشعار۔اس شاعرہ کا حال تذکرہ نگاروں نے مختلف ناموں کے ساتھ بیان کیا ہے۔مثلاً جواہر العجائب کے ایک نسخے میں اس کا نام دختر درویش زادہ قرار دیا ہے اور دوسرے نسخے میں اس کا نام مسماۃ فاطمہ خاتون ،دوستیؔ بھی لکھا گیا ہے۔اردو تذکرہ نگاروں نے اس کا دوستیؔ کے نام سے تذکرہ لکھا ہے۔۔مراۃ الخیال میں اس کا نام آغا دوستؔ لکھا گیا ہے۔اشعار اور نمونہ کلام وہی ہیں جو جواہر العجائب میں خان زادہ کے نام پر درج کیے گئے ہیں [۱۷]۔

۱۳۔ حجابیؔ کے حالات واشعار۔اردو تذکرہ نگاروں نے جواہر العجائب سے نسائی ولایتی سے منسوب کردہ حالات واشعار نقل کر کے حجابیؔ نامی شاعرہ سے منسوب کر کے لکھ دیے ہیں۔ [۱۸]

۱۴۔ جمالیؔ کے حالات واشعار۔اردو تذکرہ نگاروں نے جمالیؔ شاعرہ کا تذکرہ لکھتے ہوئے جواہر العجائب سے حجابیؔ شاعرہ کے تحت بیان کردہ حالات واشعار نقل کر کے جمالیؔ شاعرہ سے منسوب کر دیے ہیں۔ معلومات نقل کرتے ہوئے حجابیؔ شاعرہ کے نام کو تبدیل کر کے جمالیؔ شاعرہ کے نام سے تذکرہ لکھ دیا ہے۔ جمالیؔ کے ذیل میں معلومات وہی لکھ دی ہیں جو جواہر العجائب میں حجابیؔ کے تحت لکھی گئی ہیں۔غزل کے آخری شعر کے پہلے مصرع میں بھی حجابیؔ تخلص کو جمالیؔ میں تبدیل کیا گیا ہے۔

مثلاًجواہر العجائب میں یہ مصرع اس طرح ہے۔

ع بگوی شعر ،حجابی، کہ نزد سیم براں

تذکرۃ النساے نادری میں یہ مصرع اس طرح ہے۔

ع بگوئی شعر جمالی کہ نزد سیم براں [۱۹]

۱۵۔ ضعیفی اور ملکہ کے حالات واشعار۔ [۲۰]

ملکہ کے حالات واشعار درج کرتے ہوئے اردو تذکرہ نگاروں نے (تذکرۃالنساےنادری،بہارستان ناز،حدیقۂ عشرت اورتذکرۃ الخواتین) میں لکھا ہے کہ اکثروں نے اس کو سید بیگم کے نام سے
لکھاہے لیکن ماخذ کی نشان دہی نہیں کی۔جواہر العجائب دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا نام سید بیگم درج ہے اور نمونۂ اشعار بھی وہی ہیں جو اردو تذکروں میں درج ہیں۔اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کے حالات وواقعات جواہر العجائب اخذ کیے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا۔اختر تاباں نے اس کو سید ناصر جرجانی کی دختر اور رشید طواطہ کی معاصر لکھا ہے جو درست نہیں ہے[۲۱]۔

۱۶۔ نہانی کرمانی کے حالات واشعار۔جواہر العجائب میں اس کا ایک شعر اردو تذکروں کی نسبت زائد درج ہے۔تذکرہ نویسوں نے اس تخلص کی چھ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ نہانی قائنی۔

۲۔ نہانی مصاحبہ، خرم بیگم والدہ شاہ سلیمان صفوی

۳۔ نہانی اصفہانی۔آتون خاتونان سلطان حسین مرزا

۴۔ نہانی اکبرآبادی۔از خویشان بہشتی یزدی والدہ محمد جعفر میر بحر کشمیری معاصر اکبر بادشاہ۔

۵۔ نہانی۔خواہر خواجہ افضل

۶۔ نہانی۔باشندہ شیراز

جواہر العجائب میں آخری دو شاعر عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔[۲۲]

۱۷۔ مہری ہروی کے حالات و کلام اور اس کے ذیل میں مختلف بیان کردہ واقعات میں سے کچھ روایات اختر تاباں سے منقول ہیں۔البتہ اردو تذکروں میں اس شاعرہ کی ایک غزل زائد درج ہے لیکن اس کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی گئی۔مراۃ الخیال دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نویسوں نے یہ غزل مراۃ الخیال سے نقل کی ہے۔آئینہ حیرت میں دو مہری شاعرہ عورتوں کے حالات و کلام کا اندراج ملتا ہے۔ جو اشعار مراۃ الخیال اور اردو تذکروں میں ایک ہی شاعرہ کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں، وہی اشعار آئینہ حیرت میں ان دونوں شاعرات کی ذیل میں درج ہیں[۲۳]۔

۱۸۔ نہانی شیرازی کے حالات اور ملاجامی کی غزل پر غزل لکھنے کا واقعہ جواہر العجائب سے ماخوذ ہے لیکن جواہر العجائب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس شاعرہ کے حالات اور بیان کردہ روایات

کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اردو شاعرات کے تذکروں میں اس کے حالات وکلام دونوں مختصر ہیں۔[24]

۱۹۔ مستیؔ کے حالات ونمونۂ کلام اور سلطان سنجر کے باہر جانے کا حال اور استفسار۔[25]

۲۰۔ زلیخا خانمؔ کے حالات واشعار۔جواہر العجائب نے زوجہ عزیز مصر کا تذکرہ لکھا ہے۔اردو تذکرہ نگاروں نے زلیخا خانمؔ توغ تیش خاں ترک کی بیوی کا تذکرہ لکھا ہے[26]۔

۲۱۔ حضرت عائشہ کا آں حضرت کو شعر کہنے اور سنانے کا واقعہ اور نمونہ کلام جواہر العجائب سے نقل کیا ہے۔حضرت عائشہ کے شعر کہنے اور سنانے کا بیان کی کہیں سے کوئی سند نہیں ملتی۔[27]

۲۲۔ حضرت فاطمہ کا خود آں حضرت کے مرثیہ موزوں کرنے کا بیان اور نمونہ کلام جواہر العجائب سے منقول ہے۔اس بیان کی سند بھی کہیں سے نہیں ملتی۔[28]

مراۃ الخیال(۱۶۶۰ء):

مراۃ الخیال شیر خان لودھی کی تصنیف ہے۔یہ اورنگ زیب عالمگیر کے ۳۴ جلوس کی تالیف ہے۔یہ تذکرہ مصنف نے اپنے باپ اور اپنے بھائی کی شہادت کے غم کے کتھارسس کے نتیجے میں کئی سال کی محنت وریاضت کے بعد ۱۶۶۰ء میں اس کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔اس تذکرے میں شعرا اور شاعرات کی مجموعی تعدا ۱۳۰ کے قریب ہے۔اس تذکرے کے آخر میں مصنف نے شاعرات کا عنوان قائم کرکے پندرہ شاعرات کا علاحدہ سے اندراج کیا ہے۔فارسی شعرا اور شاعرات کے حالات وکلام کا یہ مستند ماخذ ہے اور فارسی زبان میں اپنے عہد کے شعرا و شاعرات کے حالات وکلام کے حوالے سے اس تذکرے کی اہمیت مسلم ہے۔

یہ تذکرہ بھی کہیں کہیں مقامات پر فارسی شاعرات کے حالات وکلام کے سلسلے میں اردو تذکروں کا ماخذ بنا۔اردو شاعرات کے تذکرہ نگاروں نے آرزوؔ،آرزوئیؔ،آقاؔ،آقا بیگمؔ،بزرگیؔ،حجابیؔ،نہانیؔ،ہمدمیؔ کے حالات وکلام کے لیے مراۃ الخیال کو ماخذ بنایا ہے۔ذیل میں اردو تذکروں (تذکرۃ النساے نادری، بہارستان ناز، تذکرۃ النساء،حدیقۂ عشرت،ذکرۃ الخواتین) میں بیان کردہ واقعات، روایات اور حالات واشعار کی فہرست درج کی جاتی ہے جو اردو تذکرہ نگاروں نے مراۃ الخیال سے اخذ کیے ہیں:

۱۔ آرزو کے حالات واشعار:آرزو کے حالات و کلام کا تذکرہ تمام تذکروں میں مختلف بیان ہوا ہے۔اردو شاعرات کے تذکروں نگاروں (تذکرۃ النساے نادری، بہارستان ناز، حدیقۂ عشرت،تذکرۃ الخواتین)نے آرزوؔ اور آرزوئیؔ نامی دو شاعرات کے حالات وکلام کا تذکرہ لکھا ہے۔جواہر العجائب میں بھی ایک ہی آرزو نام کی شاعرہ کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔مراۃ

الخیال میں بھی ایک ہی آرزو نامی شاعرہ کے حالات وکلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔آئینہ حیرت میں بھی ایک ہی آرزوئی شاعرہ کے حالات وکلام کا ذکر موجود ہے۔اردو تذکروں نگاروں نے ایک شاعرہ کا تذکرہ دو دفعہ لکھ دیا ہے اور دونوں شاعرات کی ذیل میں ایک ایک شعر کا اندراج کیا ہے جو باقی تذکروں میں ایک شاعرہ سے منسوب کیے گئے ہیں۔اردو تذکروں میں ایک شعر ایک شاعرات کی ذیل میں درج کیا گیا اور دوسرا شعر اسی کی ہم نام دوسری شاعرہ کی ذیل میں درج کیا گیا۔یہ ایک ہی شاعرہ ہے اور ایک شاعرہ کا تذکرہ اردو تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں کی تعداد بڑھانے کے لیے دو دفعہ لکھ دیا ہے۔[29]

۲۔ آقاؔ کے حالات و نمونہ اشعار۔مراۃ الخیال میں اس شاعرہ کا نام آقا بیگہ درج ہے۔اردو تذکروں نگاروں نے اس کا تذکرہ مختلف ناموں سے لکھا ہے۔بہارستان ناز میں اس کو آقا بیگم لکھا گیا ہے۔اختر تاباں میں اس کا تذکرہ آقائی اور آقا بیگہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ تذکرۃ النساء نادری،حدیقہ عشرت اور تذکرۃ الخواتین میں اس کا تذکرہ آقا نام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔جواہر العجائب میں صرف آفاق بیگہ جلائر کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔[30]

۳۔ آقا بیگمؔ کے حالات، واقعات اور شاعروں کو غلہ بطور وظیفہ کا بیان۔اردو تذکرہ نگاروں نے اس کا نام آقا بیگم لکھا ہے مراۃ الخیال میں اس کا نام آقا بیگہ درج ہے۔جواہر العجائب میں اس کا نام آفاق جلائر لکھا گیا ہے۔اصل میں اس کا نام آفاق جلائر ہی ہے کیونکہ اس شاعرہ کے حالات کا مستند ماخذ جواہر العجائب ہی ہے۔تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراۃ الخیال کے مصنف نے اس کے حالات و واقعات اور روایات جواہر العجائب سے نقل کی ہیں اور اردو تذکرہ نگاروں نے مراۃ الخیال سے نقل کی ہیں۔آقا بیگہ مراۃ الخیال کے مصنف کے اپنی اختراع ہے اور تذکرۃ النساء نادری کے مصنف نے آقا بیگہ سے بیگم اختراع کیا ہے۔[31]

۴۔ بزرگیؔ کے حالات و نمونۂ اشعار [32]۔

۵۔ حجابیؔ اور نسائی کے حالات و اشعار۔نسائی ولایتی اور حجابی کے حالات اور اشعار مراۃ الخیال اور اردو تذکرہ نگاروں نے آپس میں خلط ملط کر دیے ہیں۔نسائی شاعرہ کے تحت بیان کردہ حالات و اشعار اردو تذکرہ نگاروں نے حجابیؔ شاعرہ کے تحت لکھ دیے ہیں اور حجابی کے حالات اور اشعار کا تذکرہ جمالی کی ذیل میں درج کر دیا ہے۔ جواہر العجائب کے مصنف نے حجابی دختر بدرالدین ہلالی کا تذکرہ لکھا ہے مراۃ الخیال اور اردو تذکرہ نگاروں نے حجابی بنت خواجہ ہادی استرآبادی کا تذکرہ لکھا ہے۔جواہر العجائب میں اس شاعرہ کی یہ غزل درج ہے۔

بہار و سبزہ گل خوش بروی جاناں است	و گرنہ ہر یک ازین جملہ آفت جان است
بہ غنچہ مہر چہ بندہ، زگل چہ بکشا ید	دلی کہ خون شدہ از خار خار ہجران است
مراں بخواریم،اے باغباں! ز مجلس خویش	کہ پنج روز دگر گل بخاک یکسان ست
حدیث زلف دل آویز،اے نگار امشب	زمن مپرس! کہ بس خاطرم پریشان
بگوئی شعر حجابی کہ نزد سیم براں	ہزار بیت و غزل پیش حبہ یکسان ست [۳۳]

اردو تذکروں میں حجابی نامی شاعرہ کا صرف ایک شعر کا اندراج ملتا ہے۔

جواہر العجائب سے اگر اس کے حالات اور اشعار کا تقابل کیا جائے تو محض نام کی اغلاط کی وجہ سے اردو تذکرہ نگاروں نے حجابی کے تحت بیان کردہ حالات و کلام کا اندراج جمالی کے تحت لکھ دیا ہے اور نسائی کے تحت بیان کردہ حالات و کلام کا اندراج حجابی کے ذیل میں بیان کر دیا ہے۔ جبکہ مراۃ الخیال میں جمالی ایک زائد شاعرہ کے حالات و کلام کا اندراج ملتا ہے [۳۴]۔ حدیقہ عشرت اور تذکرۃ الخواتین کے مصنفین نے تین حجابی شاعرہ کا تذکرہ لکھا ہے:

اول: حجابی ولایتی ایرانی

دوم: دختر خواجہ ہادی استر آبادی

سوم: حجابی از ولایت استر آبادی [۳۵]

۶۔ ہمدمی کے حالات و اشعار تو اردو تذکرہ نگاروں نے مراۃ الخیال سے نقل کیے ہیں لیکن حکایت بیان کرتے ہوئے ایک دیوانے کے واقعے کے ماخذ کی نشان دہی نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ انھوں نے کہاں سے نقل کیا ہے۔ [۳۶]

تذکرہ حسینی (۱۷۵۰):

تذکرہ حسینی میر حسین دولت سنبھلی کا تذکرہ ہے۔ تذکرہ کا سال تالیف ۱۸۴۹ء ہے۔ ۱۸۷۵ء کو منشی نول کشور سے شائع ہوا۔ تذکرے میں صلحا، عرفان سلوک و سلاطین اور فارسی شعرا کا تعارف، نمونہ کلام اور لطائف و ظرائف یکجا کیے گئے ہیں۔ شعرا کے حالات مختصر ہیں۔ تذکرے میں کچھ شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان شاعرات کا الگ سے تذکرہ نہیں لکھا، حروف تہجی کی ترتیب سے جہاں شاعرات کا نام آگیا وہی ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

فارسی شاعرات کے حالات و کلام کی ترتیب کے سلسلے میں تذکرہ حسینی سے تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں تذکرۃ النساے نادری میں درج ذیل شاعرات کے اندراج میں اس تذکرے کا حوالہ ملتا ہے:

۱۔ نہانی فایتی کے نمونۂ اشعار[۳۷]۔

۲۔ مخفی کے حالات اور اشعار۔[۳۸]

۳۔ فصیحی کے حالات واشعار۔[۳۹]

۴۔ فاطمہ کے حالات واشعار۔[۴۰]

۵۔ مہری ہروی کے حالات واشعار۔[۴۱]

۶۔ زلیری کے حالات و نمونۂ اشعار۔تذکرہ حسینی کے مصنف نے اس کا نام زلیری لکھا۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس کا نام زائری لکھا گیا ہے۔حوالہ نہیں دیا گیا۔[۴۲]

۷۔ بہشتی کے حالات اور نمونہ کلام۔[۴۳]

۸۔ نگہت کے حالات اور نمونۂ اشعار[۴۴]۔

تذکرہ حسینی میں ان آٹھ عورتوں کے حالات اور نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔اردو تذکروں میں سات شاعرہ عورتوں کے حالات و کلام دستیاب ہیں۔ لیکن نگہت شاعرہ اس تذکرے میں زائد ہے۔ اردو کے کسی بھی تذکرے میں نگہت شاعرہ موجود نہیں ہے۔تذکرۃ النساے نادری میں درج بالا شاعرات کے حالات اور نمونۂ کلام میں کہیں کہیں استفادہ دیکھا جاسکتا ہے۔

آتشکدہ آذر (۱۱۷۴ھ ۱۷۶۰ء):

آتشکدہ آذر کے مصنف لطف علی بیگ آذر بیگدلی ہیں۔آذر نے یہ تذکرہ ۱۱۷۴ھ میں چالیس سال کی عمر میں تصنیف کیا۔ اس تذکرے میں اقالیم کے لحاظ سے شاعروں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ یہ تذکرہ ۸۴۲ شعرا کے حالات اور ان کے نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔اس تذکرے کے اختتام پر آٹھ شاعرات کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ اپنے عہد میں لکھے ہوئے تذکروں میں مشہور و معروف تذکرہ ہے۔ فارسی زبان وادب میں شعرا اور شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام کا ایک مستند ماخذ مانا جاتا ہے۔

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے شاعرات کے حالات وکلام کو مرتب کرتے ہوئے اس تذکرے سے براہ راست تو نہیں کم و بیش استفادہ ضرور کیا ہے۔آتشکدے میں بھی زیادہ تر وہی شاعرات ہیں جو جواہر العجائب میں بھی موجود ہیں۔ تذکرۃ النساے نادری میں کہیں کہیں مقامات پر اس تذکرے کے حوالے بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات وکلام میں اس تذکرے سے استفادہ دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۔ عفتی کے حالات وکلام۔[۴۵]

۲۔ دختر قاضی سمرقند کے حالات میں آتشکدے میں اس کا تخلص عظمتی لکھا ہے۔[۴۶]

۳۔ مہری کے حالات و کلام۔تذکرہ نویسوں نے تین مہری کے حالات کا اندراج کیا ہے۔[۴۷]

اول: مہری زوجہ حکیم عبدالعزیز

دوم: مہری، مصاحبہ نورجہاں بیگم، حرم محترم نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ

سوم: مہری زوجہ کریم خان، وکیل سلطنت ایران۔مراۃ الخیال اور اردو تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات خلط ملط کردیے ہیں۔جواہر العجائب میں صرف مہری، گوہر شاد بیگم کا تذکرہ ملتا ہے۔[۴۸]

۴۔ بادشاہ خاتون کے حالات اور نمونہ کلام۔[۴۹]

۵۔ مہستی کے حالات و کلام۔[۵۰]

۳۔ لالہ خاتون کے حالات اور کلام۔تذکروں میں بادشاہ خاتون کے حالات اوران کا نمونہ کلام مختلف ناموں سے درج ہے۔صاحب آتشکدہ آذر نے اس کا نام لالہ خاتون لکھا ہے[۵۱]۔ آئینہ حیرت اور اختر تاباں کے مصنف نے بادشاہ بیگم کے حاالات اوران کے نمونہ کلام کا تذکرہ خاتون کے نام سے کیا ہے[۵۲]۔ جواہر العجائب میں اس کا تذکرہ بادشاہ بیگم کے نام سے لکھا گیا ہے۔[۵۳] اردو تذکرہ نگاروں نے بادشاہ خاتون اور لالہ خاتون کے حالات اور نمونۂ اشعار آپس میں خلط ملط کردیے ہیں۔اصل میں بادشاہ خاتون اور لالہ خاتون ایک ہی شاعرہ کے نام ہیں۔اردو تذکرہ نگاروں نے بادشاہ بیگم کا تذکرہ بادشاہ بیگم کے ذیل میں بھی کیا ہے اور لالہ خاتون کے ذیل میں بھی کیا ہے۔اصل میں یہ ایک ہی خاتون ہے جس کا تذکرہ اردو تذکرہ نگاروں نے دو مختلف ناموں کے تحت لکھ دیا ہے۔[۵۴]

آئینہ حیرت (۱۸۴۲ء):

آئینہ حیرت فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے۔یہ تذکرہ احمد حسین سحر کی تالیف ہے جو ۱۸۴۱ء میں تالیف ہوا۔اس تذکرے میں ۷۳ شاعرات کے حالات و نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔اس میں فارسی گو ہندوستان اور ایرانی شاعرات دونوں شامل ہیں۔حالات اور نمونۂ کلام دونوں اعتبار سے مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔بعض شاعرات کے صرف نام اور تخلص کے علاوہ ان کی کسی سرگرمی پر روشنی نہیں پڑتی۔حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۱۸ کے قریب ہے۔چونکہ یہ تذکرہ غیر مطبوعہ تھا،اس لیے محققین کی نظروں سے اوجھل رہا! جسے بعد میں دریافت کرکے اس کی ترتیب وتدوین کی گئی اور ۱۹۹۶ء میں آئینہ حیرت کے نام سے منظر عام پر آیا۔احمد حسین سحر نے بہار بے خزاں کے نام سے ایک شعرا کا تذکرہ بھی ترتیب دیا ہے جو ۱۸۴۵ء میں لکھا گیا۔اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ریختہ گو شعرا کے تذکرے سے پہلے فارسی شاعرات کا یہ تذکرہ ترتیب دے چکے تھے۔اس

تذکرے میں اگرچہ فارسی گو شاعرات کے حالات و کلام کا اندراج کیا گیا ہے لیکن اس میں کچھ شاعرات ایسی بھی ہیں جو ذولسانین ہیں۔ اگرچہ ان کے اردو اشعار کا اندراج موجود نہیں ہے۔ اردو تذکروں پر کام کرنے والے محققین نے بھی اپنی تصانیف میں اس تذکرے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی تصانیف میں بہت سے اردو اور فارسی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکروں کا تعارف کروایا لیکن ان کی تصانیف میں بھی اس تذکرے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ البتہ نیاز سلطان پوری اردو تذکرہ نگاری میں اس تذکرے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سحر نے دو تذکرے آئینہ حیرت ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۴۲ء اور ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۲ء سپرد قلم کر چکے تھے اول الذکر خواتین کا تذکرہ ہے جس میں صرف اردو شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔[۵۵]

حنیف نقوی اپنی کتاب تلاش و معارف میں اس کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> آئینہ حیرت اور طور معنی علی الترتیب ۱۸۴۲ء اور ۱۸۴۲ء کی تالیف ہیں۔ اول الذکر خواتین کا تذکرہ ہے۔ اس کی ابتدا ایک مختصر مقدمے سے ہوتی ہے۔ جس میں اس کے اسباب تالیف پر روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں کوئی یادداشت محفوظ نہیں ہے لیکن جہاں تک یاد آتا ہے۔ اس میں اردو شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔[۵۶]

ان دونوں مصنفین نے اسے اردو شاعرات کا تذکرہ قرار دیا ہے۔ یہ اردو شاعرات کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس تذکرے کا برائے نام حوالہ ملتا ہے۔

اختر تاباں (۱۸۸۲ء):

اختر تاباں کے مصنف ابو القاسم محتشم ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۸۲ء میں تالیف ہوا۔ فارسی زبان میں ہے۔ فارسی شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں فارسی گو شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں ۸۲ شاعرات کے احوال اور ان کا نمونہ کلام موجود ہے۔ یہ تذکرہ فارسی کے قدیم تذکروں کو ماخذ بنا کر ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ مطبع شاہجہانی بھوپال سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ فارسی شاعرات کے حالات و کلام کی ترتیب میں کئی مقامات پر اردو تذکروں کا ماخذ بنا۔ حالات و کلام دونوں اعتبار سے یہ مختصر تذکرہ ہے۔ تحقیقی حوالے سے اس میں تحقیقی لوازمات کو مد نظر نہیں رکھا گیا، شاعرات کے سنین پیدائش و وفات کا بھی کوئی اہتمام نہیں ملتا۔ تذکرے کی تنقیدی حیثیت بھی کچھ نہیں ہے۔

ذیل میں اردو شاعرات کے تذکروں میں بیان کردہ معلومات کا اختر تاباں میں بیان کردہ معلومات سے تقابل کر کے ان نکات فہرست درج کی جارہی ہے جو اردو تذکروں نے اختر تاباں سے اخذ کیے ہیں۔

۱۔ بانو بیگم دہلوی کے حالات و نمونہ اشعار اختر تاباں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ تمام تذکروں میں اس کے حالات ایک جیسے ہیں البتہ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے بانو بیگم کے نام میں یہ ترمیم کی ہے کہ بانو بیگم کو بنو بیگم لکھ دیا ہے۔ حالات و اشعار وہی ہیں جو اختر تاباں میں بانو بیگم کی ذیل میں درج ہوئے ہیں۔[۵۷]

۲۔ بلیغہ، بنت، بیدلی، پری کے حالات واشعار۔[۵۸]

۳۔ تصویر کے حالات واشعار اور اس کی ذیل میں بیان کردہ میر صاحب کی سواری کا واقعہ۔[۵۹]

۴۔ توتی اور اس کے شوہر کی امرد پرستی کا واقعہ اور نمونہ کلام۔[۶۰]

۵۔ جاناں بیگم کی ذیل میں بیان کردہ جاناں بیگم اور شہزادی سلیم کی شادی کے پیغام اور حالات واشعار۔[۶۱]

۶۔ جہانی، حجابی اور حسینہ کے حالات واشعار۔[۶۲]

۷۔ زہرہ، زینت، زلیخا، زبیدہ اور سلیمہ کے حالات۔[۶۳]

۸۔ صراحی، فصیحہ، ماہی اور مستورہ کے حالات وکلام۔[۶۴]

۹۔ نظیر، نہانی، ہما اور یاسمین بو کے حالات واشعار۔[۶۵]

۱۰۔ مطربہ، نہانی کے حالات واشعار۔[۶۶]

۱۱۔ خاتون کے حالات اور نمونہ کلام۔ خاتون کے حالات اور کلام تذکرۃ الخواتین کے مصنف اختر تاباں سے نقل کیے ہیں۔ جواہر العجائب اور باقی اردو تذکروں میں بادشاہ خاتون اس کا نام لکھا گیا ہے، تخلص ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ خاتون تخلص اختر تاباں کے مصنف کی اپنی ذہین کی اختراع ہے۔[۶۷]

۱۲۔ مطربہ کے حالات تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اختر تاباں سے اخذ کیے ہیں، حوالہ نہیں دیا گیا۔[۶۸]

۱۳۔ بیدلی کے حالات و نمونۂ اشعار بھی تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اختر تاباں سے اخذ کیے ہیں، حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔[۶۹]

۱۴۔ تصویر کے حالات اور نمونہ کلام۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اختر تاباں سے اخذ کیے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا ہے۔[۷۰]

۱۵۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے گلبدن، گل چہرہ اور گلشن کے حالات اور نمونۂ اشعار اختر تاباں سے اخذ کیے ہیں حوالہ نہیں دیا[۷۱]۔

یہ وہ ماخذات ہیں جو اردو تذکروں نگاروں نے درج بالا تذکروں سے اخذ کیے ہیں۔ان میں سے بہت سے واقعات، روایات اور بیانات کی نشان دہی تذکرۃ الخواتین اور تذکرۃ النساے نادری میں کر دی گئی ہے۔اس کے علاوہ کچھ بیانات اور روایات ایسی ہیں جو درج بالا تذکروں سے اخذ کیے گئے ہیں لیکن ان کا حوالہ نہیں دیا گیا۔درج بالا ماخذات کی نشان دہی کرتے ہوئے بعض واقعات اور شاعرات کے حالات و کلام اردو شاعرات کے تذکروں میں اور درج بالا تذکروں میں یکساں ملتے ہیں۔

نامعلوم ماخذات

ان تذکروں کے ماخذات کے علاوہ بہت سے بیانات، روایات ایسی ہیں۔ جن کے ماخذات کی نشاندہی کرنا تذکرہ نگاروں نے مناسب نہیں سمجھا۔وہ شاعرات کے حالات و کلام کا اندراج کرتے ہوئے یا کوئی واقعہ یا روایات بیان کرتے ہوئے اکثر جگہوں پر یہ لکھتے آئے ہیں کہ ''ایک تذکرے والا یہ لکھتا ہے''۔''ایک تذکرہ نگار نے لکھا ہے''۔ ''کسی مجہول الحال کی یہ مقال ہے۔'''' کسی کسی کے یہ شعر سنے گئے'' وغیرہ وغیرہ۔اس کے علاوہ بہت سی شاعرات کے حالات و کلام کی نشاندہی کہیں سے نہیں ہوتی کہ ان تذکرہ نگاروں کی معلومات کے ماخذ کیا تھے۔

ذیل میں وہ معلومات درج کی گئی ہیں جن کے ماخذات معلوم نہیں ہیں اور معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں نے معلومات کہاں سے اخذ کی ہیں۔

۱۔ زیب النسا مخفیؔ کی کنیز اور شہزادی کے واقعے کا بیان۔[۷۲]

۲۔ سلطانؔ علی قلی والہ داغستانی کی بیٹی خدیجہ سلطان کے حالات اور نمونہ کلام۔ باقی تذکروں میں اسے علی قلی خان کی بیٹی قرار دیا گیا ہے لیکن تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اسے علی قلی خان کی چچازاد بہن قرار دیتے ہیں۔تاریخ کی کتابوں میں علی قلی خان مؤلف تذکرہ ریاض الشعرا کی صرف دو بیٹیوں گنا بیگم اور بنو بیگم کا تذکرہ ملتا ہے۔دوسرا ان کے شعری ذوق اور شاعرہ ہونے کے بارے میں کہیں سے بھی کوئی مصدقہ اطلاعات یا معلومات فراہم نہیں ہوتی ہیں۔[۷۳]

۳۔ نواب فناۃ النسا بیگمؔ کے حالات و کلام۔[۷۴]

۴۔ لطیفؔ کے حالات و کلام۔[۷۵]

۵۔ نور جہاںؔ کی پیدائش کا واقعہ اور اس کے اردو کلام کے بارے میں تذکرہ نویسوں کی متضاد آرا۔[۷۶]

۶۔ لاآورؔ یعنی امیر تیمور کی مدخولہ شاعراہ کی روایت کا بیان۔[۷۷]

۷۔ عصمتیؔ کے ذیل میں بیان کردہ شیخ سعدی کا قصہ۔[۷۸]

۸۔ رابعہ بلخیہؔ کے ذیل میں بیان کردہ روایات اور حالات۔[۷۹]

۹۔ الاعلم کے تحت بیان کردہ مولانا مجد دالدین کے درمیان واقعے کا بیان۔[۸۰]

۱۰۔ آغا باجی اور آغا کوچک کے حالات وکلام۔[۸۱]

۱۱۔ جاناں بیگم اور اس کے دانت اکھڑوانے اور سر منڈوانے کے واقعے کا بیان۔[۸۲]

۱۲۔ حیاتی بیگم کے حالات اور قلمی بیاض کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کا نام لکھنے سے گریز کیا ہے۔[۸۳]

۱۳۔ رشحہ کے حالات اور اس کے صاحب دیوان ہونا لکھا ہے لیکن کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صاحب دیوان ہیں۔[۸۴]

۱۴۔ زیب النسا مخفی کے صاحب دیوان ہونے کے بارے میں بیانات اور اس کی ذیل میں مختلف لطائف کے بیانات۔[۸۵]

۱۵۔ کوکب کے حالات وکلام۔[۸۶]

۱۶۔ جہاں آرا کے ذیل میں روایات اور بیانات کا بیان اور حالات واشعار۔[۸۷]

۱۷۔ زینت کے حالات اور کلام۔[۸۸]

۱۸۔ شریں، رضیہ سلطانہ دختر سلطان التمش کے ذیل میں بیان کردہ واقعات اور حالات۔[۸۹]

۱۹۔ قرۃ العین طاہرہ کے ذیل میں مختلف روایات کا بیان اور حالات وواقعات۔[۹۰]

۲۰۔ نور۔ جہانگیر کی عزیز ترین بیگم کے ذیل میں بیان کردہ اقوال، روایات اور حکایات۔[۹۱]

۲۱۔ وزیر کے حالات اور کلام۔[۹۲]

۲۲۔ یاسمن بو کے حالات اور کلام۔[۹۳]

۲۳۔ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیگم کے تحت روایات، واقعات کا بیان اور حالات ونمونۂ اشعار۔[۹۴]

۲۴۔ حاجیہ کے حالات واشعار۔[۹۵]

۲۵۔ جہاں خانم کے حالات واشعار۔[۹۶]

۲۶۔ زلیخا خانم کے حالات۔ جواہر العجائب کے مصنف نے زلیخا حضرت کی یوسف علیہ السلام کا تذکرہ لکھا ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے زلیخا خانم توغ تیش خان ترکی کی زوجہ کا تذکرہ لکھا ہے۔[۹۷]

وہ معلومات جو تمام تذکروں میں یکساں ملتی ہیں۔

ذیل میں اردو تذکروں میں مذکور فارسی شاعرات کی فہرست مرتب کی گئی ہے جو ان تذکرہ نگاروں نے اپنے سے ماقبل لکھے جانے والے تذکروں سے اور باہم ایک دوسرے تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے نقالی سے کام لیا ہے۔ اردو تذکرہ میں شاعرات کے حالات، روایات، بیانات اور نمونۂ اشعار سب تذکروں میں یکساں ملتے ہیں اور ان کی

معلومات میں کسی بھی قسم کا کوئی معنوی بُعد نہیں ۔البتہ کہیں کہیں ان کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن معلومات ان تذکروں میں ایک جیسی بیان کی گئی ہیں اور بغیر حوالے کے ایک دوسرے کے تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے بعینہ نقل کی گئی ہیں۔ فہرست حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	بہارستان ناز	تذکرۃ النسائے نادری / تکملہ تذکرۃ النسائے ناردی	حدیقہ عشرت	تذکرۃ الخواتین
ا۔	آتون (توتی آتون زوجہ ملابقائی	آتون (توتی آتون)	آتون	۔
۲۔	آقا (آقا بیگم ساکن خراسان)	آقا (خراسان)	آقادوست	۔
۳۔	آقا بیگم	آقا بیگم	آقائی	آقا بیگہ اباق
۴۔	آرزوے سمرقندی	آرزو،	آرزوئی	آرزوی
۵۔	آرام (دل آرام)	آرام (دل آرام)	آرام (دل آرام)	آرام (دل آرام)
۶۔	آرزو	آرزوئی	۔	آرزوئی
۷۔	امانی	امانی	امانی	۔
۸۔	بادشاہ خاتون (دختر قطب الدین محمد سلطان)	بادشاہ خاتون (دختر قطب الدین محمد سلطان)	بادشاہ خاتون	۔
۹۔	بیدلی (زوجہ شیخ عبد اللہ دیوانہ)	بیدلی (زوجہ شیخ عبد اللہ دیوانہ)	بیدلی	بیدلی
۱۰۔	بزرگی	بزرگی	بزرگی	بزرگی
۱۱۔	بیجہ خاتون (معاصر ملا	بیجہ منجمہ (معاصر ملا	۔	۔

	جامی)	جامی)		
۱۲۔	پرتوئی(ساکن تبریز)	پرتوئی	پرتوئی	۔
۱۳۔	جمالی(دختر مولانا بدر الدین ہلالی)	جمالی(دختر مولانا بدر الدین ہلالی)	۔	۔
۱۴۔	جمیلہ	جمیلہ	جمیلہ	جمیلہ
۱۵۔	جہاں آرا(بنت شاہ جہاں)	جہاں آرا بنت شاہ جہاں)	جہاں آرابیگم	جہاں آرابیگم
۱۶۔	جہاں خاتون(معاصر عبیدزکانی)	جہاں خاتون(معاصر عبیدزکانی)	جہاں خاتون	جہاں خاتون
۱۷۔	حیات(نواب حیات النساء بیگم زوجۂ ثانی جہاں گیر)	حیات(حیات النسا)	حیات(حیات النسا)	۔
۱۸۔	حجابی(دختر خواجہ ہادی)	حجابی (دختر خواجہ ہادی)	حجابی(دختر خواجہ ہادی)	حجابی
۱۹۔	حیات(زوجہ قوام الدین)	حیات (زوجہ قوام الدین)	حیات (زوجہ قوام الدین)	
۲۰۔	حیاتی(ساکن ہرات)	حیاتی	حیاتی(ساکن ہرات)	
۲۱۔	خان زادی(دختر امیر)	خان زادی	خان زادہ	خان زادہ
۲۲۔	دوستی(دختر میر قیام نسائی متوطن سبزوار)	دوستی(دختر میر قیام نسائی متوطن سبزوار)	۔	۔
۲۳۔	دوستی(ساکن سمرقند)	دوستی		
۲۴۔	زایری	زائری،	زائری	زایری
۲۵۔	سیدہ بیگم	ملکہ	سیدہ بیگم	سیدہ بیگم

۲۶۔	شریں(رضیہ سلطانہ)	شریں(رضیہ سلطانہ)	شریں(رضیہ سلطانہ)	شریں(رضیہ سلطانہ
۲۷۔	شریں(بیگا طوائف)		۔	شریں(بیگا طوائف)
۲۸۔	عائشہ(متوطن سمرقند	عائشہ(سمرقندی)	عائشہ(سمرقندی)	عائشہ
۲۹۔	عصمتی	عصمتی	عصمتی	عصمت بیگم
۳۰۔	عصمتی(قاضی زادی)	عصمتی(قاضی زادی)	عصمتی	عصمتی(سمرقندی)
۳۱۔	عصمتی(نواب جہاں آرا)	عصمتی(نواب جہاں آرابیگم)	۔	عصمتی
۳۲۔	عفتی(خادمہ شیخ آزری)	عفتی خادمہ شیخ آزری)	عفتی	عفتی
۳۳۔	فنا(مہتاب النسا بیگم زوجہ جہانگیر)	فنا(فناۃ النسابیگم)	۔	فنا(فناۃ النسابیگم)
۳۴	فاطمہ(بی بی فاطمہ سام دہلوی)	فاطمہ(بی بی فاطمہ سام دہلوی)	۔	۔
۳۵۔	گنا بیگم(زوجہ نواب عمادالملک)	گنا بیگم(زوجہ نواب عمادالملک)	گنا بیگم(زوجہ نواب عمادالملک)	گنا بیگم
۳۶۔	لطیف(لطیف النسا زوجہ شمشیر خان)	لطیف(لطیف النسا زوجہ شمشیر خان)	۔	۔
۳۷۔	مخفی(زیب النسا دختر عالم گیر)	مخفی(زیب النسا دختر عالم گیر)	۔	زیب
۳۸۔	مشتری(قمرن جان معرف بہ منجو)	مشتری(قمرن جان معرف بہ منجو)	مشتری(قمرن جان معرف بہ منجو)	مشتری
۳۹۔	مدنیہ(مدنیہ مغلانی)	مدنیہ مغلانی		

۴۰	محترم (دختر ملا علی مشہدی زوجہ میر مرتضیٰ)	۔	۔	۔
۴۱۔	مہری (ملازمہ گوہر شاہ بیگم)	مہری (ملازمہ گوہر شاہ بیگم)	مہری (ملازمہ گوہر شاہ بیگم)	مہری
۴۲۔	نور جہاں (زوجہ جہاں گیر)	نور جہاں (زوجہ جہاں گیر)	نور جہاں (زوجہ جہاں گیر)	نور
۴۳۔	نہانی (حرم بیگم والدہ شاہ سلیمان)	نہانی (حرم بیگم والدہ شاہ سلیمان)	نہانی (حرم بیگم والدہ شاہ سلیمان)	نہانی
۴۴۔	نسائی (فخر النسا بیگم)	نسائی (فخر النسا بیگم)	نسائی	نسائی
۴۵	نہانی (بیگم)	نہانی (بیگم)	نہانی	نہانی
۴۶۔	نہانی (ہمشیرہ خواجہ افضل دیوان ساکن کرمان)	نہانی (ہمشیرہ خواجہ افضل دیوان ساکن کرمان)	نہانی	نہانی
۴۷	نہانی (معاصر اکبر آباد)	نہانی	نہانی	نہانی
۴۸۔	وزیر (وزیر النسا بیگم)	وزیر (وزیر النسا بیگم)	وزیر	وزیر
۴۹۔	ہمدمی (شریف بانو)	ہمدمی (شریفہ بانو)	ہمدمی	ہمدمی
۵۰۔	۔	نہانی، لاا علم	نہانی	نہانی
۵۱۔	۔	لاآور	۔	۔
۵۲۔	۔	۔	قندھاری بیگم	۔
۵۳۔	۔	۔	۔	آغا باجی
۵۴۔	۔	تکملہ / بانو بیگم	بانو بیگم	بنو بیگم
۵۵۔	۔	بلیغہ	بلیغہ	بلیغہ
۵۶۔	۔	بنت	بنت	بنت

۵۷	ـ	بہشتی	بہشتی	بہشتی
۵۸ـ	ـ	بیدلی	بیدلی	بیدلی
۵۹ـ	ـ	پری	ـ	ـ
۶۰	ـ	تصویر	تصویر	تصویر
۶۱ـ	ـ	توتی	توتی	توتی
۶۲ـ	ـ	جاناں	جاناں	جاناں
۶۳ـ	ـ	جہانی	جہانی دہلویہ	جہانی دہلویہ
۶۴ـ	ـ	حاکمی	حاکمی	حاکمی
۶۵ـ	ـ	حجابی	حجابی	حجابی
۶۶ـ	ـ	حسینہ	ـ	حسینہ
۶۷ـ	ـ	دل شاد	دل شاد خاتون	دل شاد خاتون
۶۹ـ	ـ	دولت	ـ	دولت
۷۰	ـ	رابعہ اصفہانیہ	رابعہ	رابعہ
۷۱ـ	ـ	رابعہ بلخیہ	ـ	ـ
۷۲ـ	ـ	زبیدہ	زبیدہ	زبیدہ
۷۳ـ	ـ	زلیخا	ـ	ـ
۷۴ـ	ـ	زہرہ	ـ	زہرہ
۷۵	ـ	زینت	ـ	زینت
۷۶ـ	ـ	سلیمہ	سلیمہ	سلیمہ
۷۷ـ	ـ	سیدہ بیگم	سیدہ بیگم	سیدہ بیگم
۷۸ـ	ـ	شاہ جہاں	شاہ جہاں	شاہ جہاں
۷۹ـ	ـ	شاہی	ـ	شاہی
۹۸ـ	ـ	شرم	شرم	شرم
۹۹ـ	ـ	شریں	شریں	شریں

۱۰۰۔	۔	صراحی	صراحی	صراحی
۱۰۱۔	۔	فاطمہ	فاطمہ بیگم	فاطمہ بیگم
۱۰۲۔	۔	۔	۔	حاجیہ
۱۰۳۔	۔	فصیحہ	فصیحہ	فصیحہ
۱۰۴۔	۔	قرۃالعین	۔	قرۃالعین
۱۰۵۔	۔	کاملہ	کاملہ	کاملہ
۱۰۶۔	۔	کنیز فاطمہ	کنیز فاطمہ	کنیز فاطمہ
۱۰۷۔	۔	کوکب	کوکب	کوکب
۱۰۸۔	۔	گلبدن	گلبدن	گلبدن
۱۰۹۔	۔	گل چہرہ	گل چہرہ	گل چہرہ
۱۱۰۔	۔	گلشن	گلشن	گلشن
۱۱۱۔	۔	ماہ لقا	ماہ لقا	ماہ لقا
۱۱۲۔	۔	محترم	۔	محترم
۱۱۳۔	۔	محوی	محوی	محوی
۱۱۴	۔	مستورہ	مستورہ	مستورہ
۱۱۵	۔	نظیر	۔	نظیرن
۱۱۶۔	۔	ہما	۔	ہما
۱۱۷۔	۔	مخدومہ	مخدومہ	مخدومہ
۱۱۸۔	۔	ماہی	ماہی	ماہی
۱۱۹۔		یاسمین بو	یاسمن بو	یاسمین بو
۱۲۰۔		۔	۔	شاہی
۱۲۱۔		۔	۔	آغا کوچک
۱۲۲۔		لااعلم	۔	۔

درج بالاماخذات کے علاوہ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے بہت سی تصانیف اور تذکروں سے استفادہ کیا ہے۔ان تصانیف اور تذکروں کا ذکر اور حوالے تذکرۃ النساے نادری میں جابجا بکھری ہوئی صورت میں نظر آتے ہیں۔ان تصانیف اور تذکروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

فارسی شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے شمع انجمن، نگارستان سخن، صبح گلشن اور روز روشن سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے،ان تذکروں کے حوالے نادر دہلوی کے تذکرے میں جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ یہ تذکرے بھوپال میں تصنیف ہوئے۔ان تذکروں میں ریختہ اور فارسی شعرا کے حالات اور کلام کو یکجا کیا گیا ہے۔یہ تذکرے فارسی زبان میں لکھے گئے۔صبح گلشن میں کم و بیش بارہ سو شعرا کو جگہ دی گئی ہے۔یہ تینوں تذکرے یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئے۔ان تذکروں کا ماخذ قاضی محمد صادق کے تذکرے آفتاب عالمتاب ہے۔ان تینوں تذکروں میں چالیس کے قریب اردو گو اور فارسی گو شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام کا بھی اندراج ملتا ہے۔اس سلسلے میں فارسی شاعرات کے تذکرے اختر تاباں کے مصنف نے متعدد شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے چالیس کے قریب شاعرات کے حالات و کلام ان تذکروں سے اخذ کیے ہیں۔اور اردو تذکرہ نگاروں نے کچھ شاعرات کے حالات و کلام اختر تاباں سے نقل کیے ہیں۔

مخزن الغرائب شیخ احمد علی ہاشمی سندیلوی کی تصنیف ہے۔تذکرے میں تین ہزار ایک سو اڑتالیس کے قریب شعرا کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو یکجا کیا گیا ہے۔

تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے زیب النسا کے حالات کے بیان کردہ بعض واقعات مخزن الغرائب سے لیے ہیں۔زیب النسا کی بیاض پانی میں گرنے کا واقعہ مخزن الغرائب سے لیا گیا ہے۔زیب النسا کے ذولسانین کے بارے میں بیانات مولوی غلام علی آزاد کے تذکرے ید بیضا سے لیے ہیں۔

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے فاطمہ تخلص بی بی سام دہلوی کے حالات حدیقۃ الاولیا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری کی تصنیف سے اخذ کیے ہیں۔یہ پنجاب کے صوفی اکابر کے حالات کا مستند ترین تذکرہ ہے۔۱۸۷۵ء میں تصنیف ہوا۔اس تذکرے میں صوفیا کے مختلف سلسلوں کے علاحدہ ابواب قائم کیے گئے ہیں اور ان ابواب کے تحت ان سلسلوں سے وابستہ صوفیا اور اکابرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس کتاب میں ایک باب عورت صالحات کے نام سے قائم کیا گیا ہے اور اس میں تقریباً سولہ کے قریب صوفی خواتین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں فاطمہؒ کے حالات اس تذکرے سے ماخوذ ہیں۔

ان تذکروں کے علاوہ اردو شاعرات کے تذکروں میں بہت سی فارسی تصانیف اور تذکروں کے حوالے ملتے ہیں،ان میں کلمات الشعرا افضل خان سرخوش،منتخب الطائف، گلستان مسرت،ملاحت المقال خریطہ جواہر، ریاض الفردوس، ریاض الشعرا، تذکرۃ الشعرا، انوار الاخلاق، خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

درج بالا تمام ماخذات اردو تذکرہ نگاروں نے فارسی شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے اپنے تذکروں میں استعمال کیے ہیں،ان تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں سے ان تذکروں سے معلومات نقل کرتے ہوئے بعض جگہوں پر دانستہ اور نادانستہ تحقیقی اغلاط ہوئی ہیں جس کے نتیجے میں یہ تحقیقی اغلاط غلطی کی صورت میں متن در متن کا حصہ بن گئی ہیں۔ شاعرات کے بارے میں جو معلومات ایک تذکرہ نگار نے لکھ دیں،وہی معلومات تمام تذکرہ نگاروں نے بجنسہ نقل کی ہیں' چاہے وہ تحقیقی اعتبار کتنی ہی نامعتبر کیوں نہ ہوں اور یہ تمام معلومات یکساں طور پر ان تذکروں ملتی ہیں۔

اردو شاعرات کے ماخذات کا تجزیہ:

ذیل میں اردو شاعرات کے تذکروں کا جائزہ لیا جائے گا جن سے شاعرات اردو شاعرات کے تذکرہ نگاروں نے استفادہ کیا ہے اور ان تذکروں کے ماخذات کی نشان دہی کر کے ان کی نوعیت کی جانچ پڑتال کر کے ان کا تجزیہ کیا جائے گا کہ اردو شاعرات کے ان تذکرہ نگاروں نے اردو شاعرات کی ترتیب اور جمع آوری میں کس حد تک اردو شعرا کے تذکروں سے معلومات اپنے تذکروں میں نقل کی ہیں۔اردو شاعرات کے تذکرہ نگاروں نے قدیم شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے اردو شعرا کے چیدہ چیدہ تذکروں سے مدد لی ہے۔ جنھوں نے اپنے تذکروں میں شعرا کے ساتھ کچھ شاعر خواتین کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو بھی شامل کیا ہے۔ان تذکروں میں اگرچہ شاعرات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن نوعیت کے لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔

طبقات الشعرا(۱۷۷۴ء):

قدرت اللہ شوق کا تذکرہ ہے۔ ۱۷۷۴ء میں مکمل ہوا۔اپنے عہد کے شعرا کے حالات و کلام کا ایک مستند ماخذ مانا جاتا ہے۔ شعرا کے تذکروں میں سب سے پہلے جس تذکرہ نگار نے شاعرات کو شامل کیا ہے،ان میں اولیت قدرت اللہ شوق کے تذکرے طبقات الشعرا کو حاصل ہے۔ڈاکٹر نوازش علی کے قول کے مطابق سب سے پہلے تذکرہ ہندی میں خواتین شاعرات کا ذکر ملتا ہے جو لغزش قلم کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلے قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکرے میں ایک خاتون شاعرہ کو شامل کیا ہے اور اس کے بعد تذکرہ مسرت افزا میں دو شاعرات اور میر حسن نے اپنے

تذکرے میں بھی ایک ہی خاتون شاعرہ کا ذکر کیا ہے اس کے بعد مصحفی نے اپنے تذکرے میں پانچ شاعرات کو شامل کیا ہے۔

قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکرے میں ایک خاتون شاعرہ گنا بیگم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ترجمہ (گنا بیگم۔ نوسیری لقب ہے۔ علی قلی خان والہ داغستانی کی بیٹی اور غازی الدین خان کی حرم محترم تھیں۔ جمیلہ، شکیلہ، ذہینہ اور نہایت عاقلہ، نازک بند خیال رنگین، کم گو لیکن خوش گو ہیں) نمونۂ کلام۔

چمن میں کھل رہی ہے نازک سی بوٹی	نگہ کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی
ابی مخمور ہوں مجھ کو نہ چھیڑو	نشے میں چور ہوں مجھ کو نہ چھیڑو
آکر ہماری خاک پہ کیا یار کر چلے	خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
جاتے تو ہو بھرے ہوئے گرد و غبار میں	تعمیر کس کے دل کی یہ مسمار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال	ہم تجھ کو اپنی خاک پہ مختار کر چلے
بلبلو تم کو وہ گلزار مبارک ہووے	مجھ کو وہ سایہء دیوار مبارک ہووے
جس لیے روتی ہو دن رات تم اللہ کرے	انکھڑیو تم کو وہ دیدار مبارک ہووے
اشک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے	ناصحا اٹھ میری بالیں سے کہ دم رکتا ہے۔[۹۸]

یہ تذکرہ اردو تذکروں کا براہ راست ماخذ تو نہیں بنا لیکن بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے کم و بیش استفادہ ضرور کیا ہے۔ اس تذکرے کے حوالے تذکرۃ النساے نادری میں ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں تذکرۃ النساے نادری، بہارستان ناز کے مصنف نے گنا بیگم کے حالات و اشعار اس تذکرے سے مستعار لیے ہیں۔

مسرت افزا (۱۷۸۰ء):

مسرت افزا کے مصنف ابو الحسن امیر الدین احمد امر اللہ ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۷۸۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔ اپنے عہد کے شعرا کے حوالے سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس تذکرے میں دو شاعرات کا ذکر ملتا ہے۔ ان دو شاعرات میں محمدی بیگم اور گنا بیگم شامل ہیں۔ مسرت افزا میں باقی تذکروں کی نسبت شاعرات کے حالات و واقعات اور سوانح پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور نمونۂ کلام بھی خاصا طویل ہے۔ اردو تذکرہ نگاروں نے حسب ذیل شاعرہ کے حالات اس تذکرے سے نقل کیے ہیں:

ا۔ گنا بیگم کے حالات اور کلام۔ گنا بیگم کا تخلص مختلف تذکروں میں مختلف ہے۔اس تذکرے میں اس کا تخلص منت لکھا گیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا تخلص شوخ اور بعض نے اس کا تخلص منتظر لکھا ہے۔ شاعرہ کی ذیل میں اس تذکرے میں جو روایات، اقوال اور واقعات بیان ہوئے ہیں۔ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے یہ روایات، بیانات حکایات اور وواقعات وہاں سے اخذ کر کے مختلف رنگ دے کر بیان کی ہیں۔اور ان میں کسی بھی واقعے ، روایات یا بیانات کے سچے ہونے کی سند کہیں سے نہیں ملتی۔ مثلاً بیگم کا باغ میں بیٹھنے اور مسہری میں آرام فرمانے کی راویت اور نواب کو بیدار کرنے اور مصرع موزوں کرنے کا بیان۔[99] اس کے علاوہ مسرت افزا میں لکھا ہے کہ ''ایک دن عماد الملک سو رہے تھے ااور بیگم سرہانے آئیں، جب غافل دیکھا تو واپس چلیں اچانک نواب بیدار ہو گئے اور فی البدیہہ یہ مصرع پڑھا۔

ع آکر ہماری لاش پہ کیا کر چلے

بیگم نے فی الفور جواب دیا:

ع خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے''[100]

ان دونوں مصرعوں کو اگر ملا کر دیکھا جائے تو یہ شعر گلشن بے خار میں مرزا عظیم بیگ جو عظیم تخلص کرتے تھے، سے منسوب کیا گیا ہے۔

یہ روایات، اقوال ،حکایات اور قصے باقی تذکرہ نگاروں(شمیم سخن،تذکرۃ الخواتین، شاعرات کا تذکرہ اور شاعرات اردو) نےتذکرۃ النساے نادری سے بعینہ نقل کیے ہیں۔

اسی طرح یہ درج ذیل اشعار خوش معرکہ زیبا میں شمع نامی شاعرہ کے ذیل میں لکھے گئے ہیں اور اردو شاعرات کے تذکروں میں شوخ سے منسوب کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اردو شاعرات کے تذکروں میں شمع نامی کوئی شاعرہ مذکور نہیں ہے۔تذکرہ خوش معرکہ زیبا کے مصنف نے شمع نامی شاعرہ کا تذکرہ زائد لکھا ہے۔اردو تذکروں میں یہ مذکور ہے کہ ایک روز نواب نے یہ شعر موزوں کیا:

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی اس پر یہ حال
شمع سا معشوق دنیا میں نہیں دیکھا چھنال

اور اس کا جواب اس بدیہہ گو سے یہ پایا:

پردہ فانوس میں جلتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹیے ان کی زباں جو شمع کو بولیں چھنال[101]

ان اشعار کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اصل میں یہ کس شاعر یا شاعرہ کے اشعار ہیں۔ اردو شعرا اور شاعرات کے تذکرہ نگار اس ضمن میں تضاد کا شکار ہیں۔ یہی اشعار انھوں نے ایک سے زائد شاعرات کے ہاں لکھے ہیں۔

اردو تذکروں نگاروں(بہارستان ناز، تذکرۃ النساے نادری شمیم سخن،تذکرۃ الخواتین ، شاعرات کا تذکرہ،ماہ درخشاں اور شاعرات اردو) نے درج بالا اشعار گنا بیگم، شوخ کی ذیل میں نقل کرکے عجیب و غریب روایات اور حکایات بیان کی ہیں، جن کی کہیں سے بھی کوئی سند دستیاب نہیں ہے۔

دوسرا اس شاعرہ کے حیات و سوانح کے بارے میں بھی تذکرہ نگاروں نے اس کے حالات زندگی بھی درست نہیں لکھے۔ ان تذکرہ نگاروں نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نواب عماد الملک کی زوجہ ہیں۔ جبکہ تاریخ کی کتابوں میں اس کو شجاع الدولہ کی زوجہ قرار دیا گیا ہے۔تاریخ اودھ اور بیگمات اودھ میں یہ لکھا کہ ان کا اصلی نام گنا بیگم تھا اور نواب علی قلی خان مؤلف ریاض الشعرا کی بیٹی گنا بیگم سے نکاح کرکے ان کو عالیہ سلطانہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ نجم الغنی نے تاریخ اودھ میں مسٹر اردن کے حوالے یہ تحریر کیا ہے کہ نواب عماد الملک نے علی قلی خان داغستانی کی بیٹی بنو بیگم سے عقد کیا تھا"[۱۰۲]۔ جس کی وجہ سے تذکرہ نگاروں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ دوسرا تاریخ کی کتابوں سے ان کے شاعر ہونے کے بارے میں بھی کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتی کہ آیا یہ شاعر بھی تھیں یا نہیں۔

نمونۂ اشعار کے اندراجات میں بھی بہت سے ایسے اشعار اس شاعرہ کے ذیل میں درج کیے گئے ہیں اور ان تذکروں میں موجود دوسری شاعرات کے ذیل میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً

اگر ترے لب کے مقابل ہو، مصری چبا جاوں
تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام کھا جاوں[۱۰۳]

درج بالا شعر تذکرہ مسرت افزا میں محمدی بیگم سے منسوب ہے اور اردو تذکروں میں یہ شعر گنا بیگم سے منسوب کیا گیا ہے۔

تذکرہ ہندی(۱۷۹۴ء):

غلام ہمدانی مصحفی کا تذکرہ ہے۔ اردو شعرا کا تذکرہ ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔ سال تصنیف ۱۷۹۴ء ہے۔ اس میں محمد شاہ کے عہد سے لے کر شاہ عالم کے زمانے تک ۱۸۸ شعرا اور شاعرات کا احوال اور ان کے نمونۂ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔تذکرہ ہندی میں مصحفی نے آخر میں تذکرہ شاعرات کے عنوان کے تحت پانچ شاعرات کا ذکر الگ سے کیا ہے۔ اس سے پہلے جتنے تذکروں میں شاعرات کا ذکر ہے کسی نے ایک اور کسی نے دو شاعرات کو شامل

تذکرہ کیا ہے اور وہ بھی حروف تہجی کی ترتیب میں شعرا کے ذکر کے ساتھ ہی کیا ہے لیکن اس تذکرے میں الگ سے شاعرات کے عنوان قائم کرکے اس کے تحت پانچ شاعرات کا ذکر کیا ہے۔ یہ التزام اس سے پہلے کسی تذکرے میں نظر نہیں آتا۔ مصحفی نے دلہن اور جینا بیگم کا صرف نام لکھا اور نمونہ کلام میں صرف ایک ایک شعر پر اکتفا کیا۔ البتہ تین شاعرات گنا بیگم، زینت، موتی بیگم کے مختصر سوانحی حالات کے علاوہ انتخاب کلام کے اچھے خاصے نمونے بھی درج کیے ہیں۔ شاعرات کے منتخب اشعار کے علاوہ ان کی پوری پوری غزلیں بھی درج کی گئی ہیں۔ مصحفی کے اس تذکرے میں اعتدال اور توازن کی کمی نظر آتی ہے۔ مصحفی نے کہیں کہیں طویل نمونۂ کلام کا انتخاب درج کیا ہے اور کہیں کہیں صرف ایک ایک شعر پر اکتفا کیا ہے۔ جیسے شاعرات کے ذیل میں پہلے دو شاعرات کا صرف نام اور تخلص اور صرف ایک ایک شعر کا اندراج کیا ہے اور باقی تینوں شاعرات کے مختصر حالات بھی بیان کیے ہیں اور انتخاب کلام میں پوری پوری غزلیں درج کی ہیں۔

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے حوالے تذکرۃ النساے نادری میں کہیں کہیں مقامات پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں جینا بیگم اور دلہن بیگم اکے حالات و کلام تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے اخذ کیے ہیں۔[۱۰۴]

تذکرہ عشقی (۱۸۰۱ء):

تذکرہ عشقی کے مصنف شیخ محمد وجیہ الدین ہیں۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔ عشقی فارسی کے شاعر تھے اور گاہے بگاہے اردو میں بھی شعر کہہ لیتے تھے۔ یہ تذکرہ انھوں نے ۱۸۰۱ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرے کے مطبوعہ نسخے کو مرتب کرکے ۱۹۵۹ء میں کلیم الدین احمد نے ''دو تذکرے'' کے عنوان سے شائع کیا، اس میں صرف ''س'' تک کے شعرا کو شامل کیا گیا ہے، جس میں ۱۹۲ شعرا میں دو شاعرات گنجین[۱۰۵] اور خالہ بیگم کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حالات زندگی اور کلام دونوں کے اعتبار سے یہ بہت مختصر تذکرہ ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے خالہ بیگم کا ذکر میر حسن کے تذکرے میں بھی ملتا ہے لیکن عشقی کی معلومات کا دار مدار میر حسن کا تذکرہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عشقی میر حسن کے تذکرے میں درج معلومات اور نمونۂ کلام دونوں میں کوئی اضافی معلومات فراہم نہیں کرتا۔ عشقی نے وہی باتیں دہرائی ہیں جو اس سے پہلے میر حسن کے تذکرے میں موجود ہیں۔ میر حسن نے بھی اپنے تذکرے میں خالہ بیگم کا صرف ایک شعر کا اندراج کیا ہے اور عشقی نے بھی وہی شعر اپنے تذکرے میں درج کیا ہے اور حالات زندگی میں بیش تر معلومات وہی ہیں۔ اس تذکرے کا حوالہ بھی تذکرۃ النساے نادری میں براے نام ملتا ہے۔

مجموعہ الانتخاب(۱۸۰۴ء):

شاہ کمال کی تصنیف ہے۔ نثار احمد قریشی کے بقول اس میں شعرا کی تعداد دو چھہتر ہے، نصیر الدین ہاشمی نے دو سو چھبیس ظاہر کی ہے۔ مواد کے اعتبار سے یہ ایک مختصر تذکرہ ہے لیکن اکلام کے نمونے طویل ہیں۔ اس میں غزل کے ساتھ دوسری اصناف سخن مثنوی، قصیدہ، ہجو اور مرثیے بھی شامل ہیں۔ تذکرے کے آخر میں تذکرہ شاعرات کا الگ سے عنوان قائم کرکے چند ایک شاعرات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جن میں چندا، دلہن بیگم، جینا بیگم، گنا بیگم اور زینت کا ذکر شامل ہے شاعرات کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام دونوں مختصر ہیں۔

تذکرۃ النساے نادری میں اس تذکرے کا حوالہ ایک دو مقامات پر نظر آتا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے استفادہ کیا ہے۔ اس ضمن میں تذکرۃ النساے نادری نے زینت کے حالات واشعار[۲۰] اس تذکرے سے اخذ کیے ہیں۔

مجموعہ نغز(۱۸۰۶ء):

حکیم قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۰۶ء ہے۔ یہ تذکرہ اپنی روایت کے مطابق فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ یہ محمد شاہ کے زمانے سے لے کر شاہ عالم ثانی کے عہد کے اختتام تک شعرا کے حالات اور ان کے کلام پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں ہر وضع اور قماش کے شاعر بھی موجود ہیں۔ تذکرے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اپنے عہد کے بیش تر شاعروں سے واقفیت تھی جس کی وجہ سے قاسم کو اپنے عہد کے شعرا کے محاسن اخلاق، قابلیت واستعداد اور ان کے کلام کو قریب سے دیکھنے اور ان پر رائے قائم کرنے کا نہایت اچھا موقع فراہم ہوا۔ یہ تذکرہ اپنے عہد کے سیاسی، معاشرتی اور ادبی ماحول پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس تذکرے میں چھ سو ترانوے ریختہ گو شعرا کے ساتھ چند شاعرات کو بھی شامل کیا ہے۔ قاسم نے اس تذکرے میں شاعرات کا علاحدہ سے ذکر نہیں کیا بلکہ حروف تہجی کی ترتیب سے شعرا کے ساتھ جہاں ان کا نام آگیا، وہیں ان کا ذکر بھی کر دیا۔ اس میں جینا بیگم، دلہن بیگم، گنا بیگم، چندا وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام دونوں کا اندراج ملتا ہے۔ اسپرنگر نے اپنے تذکرے میں چمپا شاعرہ کا ذکر کیا ہے اور حوالہ قدرت اللہ قاسم کے تذکرے کا دیا ہے لیکن مجموعۂ نغز میں چمپا نامی شاعرہ موجود نہیں ہے۔

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس تذکرے کے حوالے بکھری ہوئی صورت میں مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات وکلام اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ جینا بیگم مرزا بابر مغفور کے حالات و اشعار۔[۱۰۷]

۲۔ دلہن بیگم کے حالات و کلام اور نمونۂ اشعار۔[۱۰۸]

طبقات سخن (۱۸۰۷ء):

اس کے مؤلف مبتلا میر ٹھی ہیں اور سال تصنیف ۱۸۰۷ء ہے۔ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔ اس تذکرے کو مصنف نے دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اول میں ماضی و حال کے شعرائے اردو ہیں اور طبقہ دوم فارسی شعرا پر مشتمل ہے۔ تذکرے کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے اس کے بعد دیباچے میں شاعری کی اہمیت اور اس کے آغاز کے بارے میں بحث ملتی ہے۔ تذکرے میں شعرا سے متعلق بہت سی ایسی باتوں کا ذکر ملتا ہے جو کہیں اور درج نہیں ہیں۔ طبقہ اول میں ۱۶۶ شعرا شامل ہیں جن میں تین شاعرات بیگم، بہو بیگم اور گنا بیگم شامل ہیں۔

اس تذکرے کا حوالہ بھی اردو تذکروں میں برائے نام ملتا ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس تذکرے سے براہ راست استفادہ نہیں کیا۔

گلشن بے خار (۱۸۳۴ء):

گلشن بےخار کے مصنف نواب مصطفی خان شیفتہ ہیں۔ اس تذکرے کا سال تصنیف ۱۸۳۴ء ہے۔ تذکرہ کی زبان فارسی ہے۔ یہ تذکرہ اپنے عہد کی بے نظیر تالیف ہے۔ مصطفی خان شیفتہ دہلی کی ان سر برآوردہ شخصیات میں سے ہیں جن کے ذکر کے بغیر دہلی کی علمی و ادبی تاریخ نامکمل رہے گی۔ گلشن بےخار کو اپنے عہد کی اہم ترین تصنیف خیال کیا جاتا ہے۔ اس تذکرے میں چھ سو چوالیس شعرا میں آٹھ شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ شاعرات کا علاحدہ سے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ حروف تہجی کی ترتیب میں جہاں ان کا ذکر آگیا وہیں ان کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے۔ ان شاعرات میں بعض شاعرات کے صرف نام، تخلص اور ایک ایک شعر کا اندراج کیا گیا ہے۔ ان کی زندگی سے متعلق باقی معلومات پر روشنی نہیں پڑتی۔ گلشن بے خار میں جانی، جینا، دولہن، زینت، صاحب، گنا، نازک، نزاکت شامل ہیں۔ اس تذکرے کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس تذکرے میں شعرا پر اظہار خیال کرتے وقت اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ اپنے عہد کی اہم ترین تالیفات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

گلشن بے خار سے تذکرۃ النسائے نادری نے بھرپور اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اس تذکرے کے حوالے تذکرۃ النسائے نادری میں مختلف مقامات پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات و کلام اس تذکرے سے اخذ کر درج کیے گئے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ نزاکت رجو کے حالات اور نمونہ کلام گلشن بےخار سے ماخوذ ہیں۔ البتہ تذکرۃ النسائے نادری

میں اس شاعرات کے حالات و کلام میں اضافہ دیکھا جاسکتا ہے۔اس کا ذکر سراپا سخن اور نغمہ عندلیب میں موجود ہے۔[109]

۲۔ نازک تخلص اور زینت جان نام کے حالات اور نمونہ کلام۔[110]

۳۔ صاحب جی کے حالات و کلام اور حکیم مومن خان مومن سے بیماری کے علاج کا واقعہ اور مومن خان کی مثنوی قول غمیں جو مومن خان نے اس کے حسن و جمال کی تعریف میں لکھی، کا بیان اور مومن خان مومن کی صحبت سے شعر کہنے کا واقعہ گلشن بے خار سے اخذ شدہ ہیں۔[111] اس شاعرہ کا ذکر قطب الدین باطن نے بھی اپنے تذکرے نغمہ عندلیب میں کیا ہے اور درج بالا تمام باتیں جو گلشن بے خار کے مصنف نے اس شاعرہ کی ذیل میں لکھی ہیں، کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ نغمہ عندلیب چونکہ گلشن بے خار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔شیفتہ نے باطن کے استاد نظیر اکبر آبادی سے اچھا سلوک نہیں ہے۔جس کی وجہ سے باطن نے اپنے تذکرے میں اس کا انتقام لیا ہے۔صاحب جی کے حالات و واقعات پر تنقید بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

۴۔ زینت کے حالات و نمونۂ اشعار اور مرزا ابراہیم بیگ کی مقتول کے ساتھ لکھنؤ کی روانگی کا واقعہ اسی تذکرے سے ماخوذ ہے۔[112]

۵۔ جانی کے حالات و نمونہ کلام اور بیگم کا بیماری میں مبتلا ہونا اور ہمدم نامی خواجہ سرا کا عیادت کے لیے آنے کا قصہ گلشن بے خار سے لیا گیا ہے۔لیکن اس شاعرہ کے سوانحی حالات میں مصنف گلشن بے خار نے لکھا ہے کہ جانی قمر الدین مرحوم کی دختر ہیں اور نواب آصف الدولہ کی زوجہ ہیں۔یہ غلطی تقریباً ہر تذکرہ نگار نے دہرائی ہے اور اردو تذکروں کا ماخذ چونکہ یہ تذکرہ رہا ہے اور اس میں بھی یہ غلطی بدرجہ اتم موجود ہے۔تواریخ میں نہ جانی کا قمر الدین کی بیٹی ہونا ثابت ہے اور نہ ہی آصف الدولہ کی بیوی ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جانی المعروف بہ بہو بیگم موتمن الدولہ محمد اسحاق خان کی دختر اور نواب شجاع الدولہ کی زوجہ اور نواب آصف الدولہ کی والدہ ہیں۔[113]

۶۔ نازک حالات اور نمونۂ کلام۔[114]

درج بالا فہرست میں تذکرۃ النساے نادری کے ذیل میں بیان کردہ معلومات کا گلشن بے خار سے تقابل کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری نے ان شاعرات کے حالات اور نمونۂ اشعار گلشن بے خار سے نقل کرتے ہوئے ان کے حالات کے بارے میں تحقیق سے تو کام نہیں لیا ہے اور نہ تبدیلی کی ہے البتہ نمونۂ اشعار زائد درج کیے ہیں۔

تاریخ ادب ہندوستانی (۱۸۳۹ء):

مشہور مستشرق گارساں دتاسی کی تصنیف ہے۔ اس کی اولین اشاعت ۱۸۳۹ء میں ہوئی۔ یہ فرانسیسی زبان میں تصنیف ہوئی۔ اس کے دیباچے میں بہت سی علمی و ادبی بحثوں کو سمیٹا گیا ہے۔ دوسرے اس میں بہت سی ایسی تصنیفات و تالیفات کے حوالے موجود ہیں جن کا ذکر کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اس تذکرے میں تقریباً تین ہزار شعرا اور شاعرات ہیں۔ تین ہزار شعرا میں تقریباً گیارہ شاعرات کے مختصر حالات زندگی اور انتخاب کلام کے نمونے ملتے ہیں جن میں جینا، چمپا، چندا بائی، دلہن، زہرہ، زہرہ، سلطان، شریں، صاحب، گنا، نازک شامل ہیں۔ اس تذکرے میں کچھ شاعرات ایسی ہیں، جن کا ذکر اس سے پہلے کسی تذکرے میں موجود نہیں ہے۔

اس تذکرے کے حوالے جمیل احمد کے تذکرے شاعرات اردو میں کہیں کہیں مقامات پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں زیب النسا مخفی کے اردو میں شعر کہنے کے بارے میں معلومات اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں۔

بہارِ بے خزاں (۱۸۴۵ء):

اس تذکرے کے مصنف احمد حسین سحر ہیں۔ انھوں نے ایرانی شعرا کا ایک تذکرہ طور معنی کے نام سے مرتب کیا تھا اور بعد میں ریختہ گو شعرا کا تذکرہ بہار بے خزاں کے نام سے لکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے شاعرات فارسی کا بھی ایک تذکرہ آئینہ حیرت کے نام سے ۱۸۴۱ء میں لکھا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۴۵ء میں مکمل ہوا۔ تذکرہ فارسی زبان میں لکھا گیا۔ اس تذکرے میں ۸۵ شعرا کے مختصر حالات زندگی اور ان کے کلام کے نمونے درج کیے گئے ہیں۔ ان ۸۵ شعرا میں دو شاعرات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن میں جانی اور جینا بیگم شامل ہیں۔ شعرا کی سوانح کے سلسلے میں یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرے میں شعرا سے متعلق بہت سی نئی معلومات ملتی ہیں۔

اس تذکرے کا حوالہ بھی تذکرۃ النساے نادری میں برائے نام ملتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں نے اس تذکرے سے براہِ راست اخذ و استفادہ نہیں کیا ہے۔

گلدستہ نازنیناں (۱۸۴۵ء):

اس تذکرے کے مؤلف کریم الدین پانی پتی ہیں جو اردو تذکرہ نگاروں کی فہرست میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز تذکرہ نگاری سے کیا اور چھے تذکرے لکھے، جن میں چار مکمل اور دو نامکمل ہیں۔ گلدستہ نازنیناں کریم الدین کا پہلا تذکرہ ہے جو ۱۸۴۵ء کو شائع ہوا۔ یہ تذکرہ اردو زبان میں ہے۔ یہ گلدستہ انھوں نے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر لکھا۔ کتاب کے آغاز میں کتاب لکھنے کی وجہ تالیف، غرض و غایت اور ماہیت پر روشنی

ڈالی گئی ہے۔اس تذکرے میں ۲۷ شعرا اور ۱۰ شاعرات شامل ہیں۔گلدستہ نازنیناں میں مصنف نے آخر میں شاعرات کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ تنبیہ میں اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ ہندوستان میں بعض عورتیں شاعرہ گزری ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شعرا کے تمام ہونے کے بعد کچھ شاعرات کا حال بھی درج تذکرہ کیا جائے[۱۳]۔ مصنف تذکرہ نے شعرا اور شاعرات کے احوال میں بھی کافی معلومات فراہم کی ہیں اور ان کے کلام کے نمونے بھی خاصے طویل ہیں۔اس میں مصنف نے صرف غزل ہی کے اشعار نہیں دیے بلکہ قصائد، رباعیات اور مخمس وغیرہ بھی شامل ہیں۔اس تذکرے میں درج شاعرات میں دولہن، جینا بیگم، جانی، گنا بیگم، زینت، صاحب، نزاکت، دلبر، جان اور ماہ شامل ہیں۔

یہ تذکرہ کئی مقامات پر تذکرۃ النساے نادری کا براہ راست ماخذ بنا۔ تذکرۃ النساے نادری نے اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات وکلام اس تذکرے سے نقل کرکے درج کیے ہیں۔

۱۔ دلہن بیگم کے حالات و اشعار گلدستہ نازنیناں سے اخذ کیے گئے ہیں۔لیکن اس شاعرہ کی ذیل میں تمام تذکرہ نگاروں نے اس کے سوانحی اندراجات میں یہ لکھا کہ مشہور بہ نواب بہو، صبیہ نواب انتظام الدولہ، زوجہ آصف الدولہ ہیں۔لیکن تاریخ کی کتابوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمس النسا بیگم، اعتماد الدولہ نواب قمرالدین خان کے بیٹے نواب انتظام الدولہ کی دختر ہیں، جو نواب قمرالدین کی دختر نہیں بلکہ ان کی پوتی بنتی ہیں اور نواب آصف الدولہ کی زوجہ ہیں۔اردو تذکرہ نگاروں نے دلہن اور شرم تخلص کی شاعرہ جس کا نام نواب شمس النسا بیگم ہے، کے حالات آپس میں خلط ملط کر دیے ہیں۔یہ وہی نواب شمس النسا شرم ہیں جن کو سسرال کی طرف سے دلہن بیگم کا خطاب ملا تھا۔شرم اس کا تخلص تھا، کا اردو تذکرہ نگاروں نے اس شاعرہ کا تذکرہ دو دفعہ لکھ دیا ہے۔بیگمات اودھ سے اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صاحب دیوان شاعرہ تھی۔تذکرہ نگاروں نے اسے ایک زائد شاعرہ کے طور پر لکھ دیا ہے"[۱۱۴]۔

۲۔ دلبر کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۱۱۵]

۳۔ جان کے حالات اور نمونۂ اشعار۔[۱۱۶]

۴۔ ماہ منجھلی بیگم کے حالات اور نمونہ اشعار۔[۱۱۷]

گلستانِ بے خزاں (۱۸۴۵ء):

گلستان بے خزاں قطب الدین باطن کی تصنیف ہے۔اس کا سال تصنیف ۱۸۴۵ء ہے۔یہ تذکرہ گلشن بے خار کے جواب میں ترتیب دیا گیا ہے۔ باطن کا خیال تھا کہ شیفتہ نے اکثر شعرا خاص طور پر نظیر اکبر آبادی کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اس کے جواب میں انھوں نے نغمۂ عندلیب کے نام سے اردو شعرا کا تذکرہ اردو

زبان میں ترتیب دیا۔ جس میں باطن نے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ شیفتہ نے ناانصافیاں کی ہیں اور باطن نے دل کھول کر شیفتہ سے بدلہ لیا ہے۔ اس تذکرے میں ۸۳۵ شعرا شامل ہیں۔ ۸۳۵ شعرا میں سات شاعرات ہیں جن میں دولہن، دلبر، زینت، صاحب، گنا، نازک اور نزاکت شامل ہیں۔ اس تذکرے میں مصنف نے شاعرات کو علاحدہ سے نہیں لکھا حروف تہجی کی ترتیب میں جہاں ان کا نام آگیا وہیں ذکر کر دیا۔

گلستان بے خزاں کے مطالعے سے اور تذکرۃ النساے نادری کے تقابل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ پرشاد نادر نے درج ذیل شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام گلستان بے خزاں سے اخذ کیے ہیں۔

۱۔ جان تخلص کے فیض آبادی ہونے کا تذکرہ۔[۱۱۸]

۲۔ شوخ نواب عماد الملک غازی الدین خان دختر علی و قلی خان کے تحت روایات اور حالات واشعار۔[۱۱۹]

۳۔ تصویر کے حالات اور ان کا نمونہ کلام۔[۱۲۰]

۴۔ دلبر کے حالات و کلام۔ حوالہ نہیں دیا گیا ہے[۱۲۱]۔

اس تذکرے کے حوالے نادر دہلوی کے تذکرے میں جا بجا بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ ان میں سے کسی کا ذکر نادر دہلوی نے کر دیا ہے اور کسی کا نہیں کیا۔

خوش معرکہ زیبا (۱۸۴۶ء):

سعادت خان ناصر کی تصنیف ہے۔ یہ ۱۸۴۶ء میں لکھا گیا ہے۔ اس تذکرے میں تقریباً ۲۰۷ شعرا شامل ہیں۔ اس تذکرے کو حروف تہجی کی ترتیب سے یا طبقاست قائم کر کے نہیں لکھا گیا بلکہ اس میں استاد اور شاگرد کی رو رعایت سے لکھا گیا ہے۔ بیش تر شاعروں کے حالات تفصیلی نہیں ہیں، صرف نام پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ تذکرے کے آخر میں شاعرات کا عنوان قائم کر کے تیرہ شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا گیا ہے جن میں ایک دو شاعرات ایسی ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے کسی تذکرے میں نہیں ملتا۔ ان شاعرات میں شمع، زوجہ منعم، دلہن بیگم، جانی، بیگم، جینا بیگم، گنا بیگم، زینت، نازک، موتی، دلبر چھوٹی بیگم، صاحب، نزاکت، شریں شامل ہیں

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے براہ راست تو نہیں کم و بیش استفادہ ضرور کیا ہے۔ بعض مقامات پر اس تذکرے کے حوالے تذکرۃ النسائے نادری میں جا بجا بکھری ہوئی صورت میں ضرور ملتے ہیں۔ ان میں سے کسی کا ذکر نادر نے کر دیا ہے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات واشعار خوش معرکہ زیبا سے اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ نزاکت کے حالات واشعار۔[۱۲۲]

۲۔ جانی، جینا کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۲۳]

۳۔ شوخ، زینت کے حالات و کلام۔"[۱۲۴]

۴۔ شریں تخلص، بیگا طوائف کے حالات اور نمونہ کلام خوش معرکہ زیبا سے اخذ کیے گئے ہیں۔ حوالہ نہیں دیا گیا"[۱۲۵]۔

البتہ اس تذکرے میں دو شاعرات ایسی ہیں جو کسی بھی اردو شاعرات کے کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً زوجہ منعم اور شمع۔

طبقات الشعرائے ہند (۱۸۴۷ء):

تذکرے کے مؤلف کریم الدین ہیں اور سال تصنیف ۱۸۴۷ء ہے۔ یہ تذکرہ اردو زبان میں ہے۔ جس میں ۹۶۴ شعرا شامل ہیں۔ تذکرے کے مقدمے میں اردو زبان کی پیدائش، رسم الخط اور تذکرہ و تاریخ نگاری پر علمی گفتگو کی گئی ہے۔ تذکرے کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں نو شاعرات ان میں نزاکت، نازک، گنا بیگم، صاحب، دلہن، چندہ، چینا، جینا اور جانی شامل ہیں۔ یہ انیسویں کے وسط کا ایک اہم تذکرہ ہے اور سوانحی اور تنقیدی اعتبار سے یہ دوسرے تذکروں سے مختلف ہے۔ یہ اپنے عہد کے سیاسی و معاشرتی ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔

تذکرۃ النسائے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس تذکرے کے حوالے تذکرۃ النسائے نادری میں مختلف مقامات پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے ذیل میں اس تذکرے سے اخذ و استفادہ دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۔ چندا کا اپنا دیوان کسی مجرے گاہ میں انگریز کو نذر کرنے کا واقعہ۔"[۱۲۶]

۲۔ نزاکت اور نازک کے نمونۂ کلام میں اس تذکرے سے استفادہ دیکھا جا سکتا ہے۔ کریم الدین نے ان شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام خود اپنے سے ما قبل لکھے جانے والے تذکروں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس تذکرے میں بھی وہی باتیں دہرائی گئی ہیں جو اس سے پہلے لکھے جانے والے تذکروں میں مرقوم ہیں۔"[۱۲۷]

اذکار خواتین (۱۸۴۷ء):

اذکار خواتین اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس کی مصنف محترمہ خدیجۃ النساء ہیں۔ اس کا سنہ تالیف ۱۸۴۷ء ہے۔ یہ مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں ۷۳ کے قریب اردو شاعرات کے حالات و نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔ تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے نمونہ کلام اس تذکرے سے اخذ کیے ہیں۔

۱۔ بیگم میر تقی میر کا نمونہ کلام۔[۱۲۸]

۲۔ جعفری کے حالات واشعار۔[۱۲۹]

۳۔ یاد کے حالات وکلام۔[۱۳۰]

۴۔ امیر بیگم کے حالات وکلام۔تذکرۃ الخواتین میں اس کا نام نبڑی بیگم لکھا گیا ہے۔[۱۳۱]

۵۔ کنیز کے حالات واشعار۔[۱۳۲]

۶۔ نظیر کے حالات وکلام۔تذکرۃ الخواتین میں اس کا نام نظیرن لکھا گیا ہے۔[۱۳۳]

سراپا سخن(۱۸۵۳ء):

سراپاسخن کے مؤلف محسن علی محسن ہیں۔ محسن نے اردو شعرا کے دو تذکرے سراپا سخن اور مخزن نکات لکھے ہیں۔سراپاسخن کا سال تصنیف ۱۸۵۳ء ہے۔تذکرہ اردو زبان میں ہے۔اور اس کی ترتیب میں مصنف نے عجیب وغریب طریقہ کار اپنایا ہے۔اس تذکرے میں مصنف نے اعضائے جسمانی کے ردیفوں پر مختلف شعرا کی غزلوں کو جمع کیا گیا ہے۔اس تذکرے میں ۶۳۳ شعرا شامل ہیں ۶۳۳ شعرا میں تین شاعرات کو شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن میں شریں، نزاکت رجو اور نواب بیگم کے نام شامل ہیں۔

تذکرۃ النسائے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے اس سلسلے میں محبوب تخلص نواب محبوب محل بیگم منکوح زوجہ واجد علی شاہ کے حالات اور غزل سراپاسخن سے نقل کی گئی ہے۔[۱۳۴]

گلستان سخن(۱۸۵۵ء):

گلستان سخن مرزا صابر دہلوی کا تذکرہ ہے جو ۱۸۵۵ء میں لکھا گیا۔یہ تذکرہ اردو زبان میں لکھا گیا ہے۔ تذکرے میں صرف ان شعرا کو جگہ دی گئی ہے جو اس وقت حیات تھے اور دہلی سے تعلق رکھتے تھے۔اس تذکرے کے بارے میں بہت سے محققین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ صابر کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ میر زا صابر بخش کے استاد صہبائی کی تصنیف ہے۔اس تذکرے کے بارے میں ناقدین کا یہ خیال بھی ہے کہ گلستان سخن کی تدوین صہبائی نے کروائی اور صابر نے اپنے نام سے چھپوائی[۱۳۵]۔یہ تذکرہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس تذکرے میں بعض معلومات ایسی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتیں۔یہ تذکرہ اپنے عہد کے رجحانات اور ادبی ذوق کی بدلتی ہوئی صورت حال کا پتہ دیتا ہے۔یہ تذکرہ ۵۴۰ شعرا کے تراجم پر مشتمل ہے جن میں دو شاعرات بنو اور ظرافت ہیں۔

تذکرۃ النسائے نادری کے مصنف نے اس تذکرے سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ نادر دہلوی کے تذکرے میں دو مقامات پر اس تذکرے کے حوالے ملتے ہیں۔ اس حوالے سے درج ذیل شاعرات کے حالات واشعار اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ بنو کے حالات و نمونہ اشعار اور آشفتہ کا بنو کے عشق میں گلا کاٹنے کا واقعہ[۱۳۶]

۲۔ ظرافت کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۳۷]

سخن شعرا (۱۸۶۴ء):

عبد الغفور نساخ کا تذکرہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۶۴ء ہے۔ تذکرہ اردو زبان میں ہے اور انیسویں صدی میں اردو شاعروں کا لکھا جانے والا آخری ضخیم تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں قدما سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک سارے شعرا کا تذکرہ شامل ہے۔ اس میں چوبیس سو کے قریب شعرا موجود ہیں اور آخری دس صفحات میں شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ نساخ نے تذکرے کے آخر میں تذکرۂ شاعرات کا عنوان قائم کر کے تقریباً ۳۸ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کا اندراج کیا ہے۔ شاعرات کا یہ اتنا بڑا انتخاب اس سے پہلے شعرا کے کسی اور تذکرے میں نظر نہیں آتا۔ اس سے پہلے کہ تذکروں میں زیادہ سے زیادہ ۲۳ شاعرات کے حالات زندگی مع نمونۂ کلام ملتے ہیں۔ شعرا کے تذکروں میں سخن شعرا پہلا تذکرہ ہے جس نے اپنے تذکرے ۳۸ شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ تذکرہ شاعرات میں شاعرات کا ذکر اچپل سے شروع ہوتا ہے اور نورن شاعرہ پر ختم ہوتا ہے۔ سوانح کے لحاظ سے یہ تذکرہ حد درجہ مختصر ہے۔ شاعرات کے ذیل میں بھی مصنف نے کچھ شاعرات کا صرف نام اور تخلص دیا ہے اور کچھ شاعرات کی سکونت اور وطن کے بارے میں تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے۔

اس تذکرے سے نادر دہلوی نے شاعرات کے حالات و نمونہ کلام کو مرتب کرتے ہوئے وسیع پیمانے استفادہ کیا ہے۔ اس تذکرے کے حوالے نادر دہلوی کے تذکرے میں کئی مقامات پر بکھری ہوئی صورت میں نظر آتے ہیں جن میں کچھ کا ذکر نادر نے کر دیا اور کچھ کا نہیں کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات واشعار اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ زہرہ کے حالات اور نمونۂ اشعار۔[۱۳۸]

۲۔ ملکہ تخلص کے حالات و کلام اور اس کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ۔[۱۳۹]

۳۔ مشتری آغا علی شمس کی شاگرد کے حالات و کلام[۱۴۰]۔

۴۔ امیر کے حالات و کلام سخن شعرا سے لیے گئے ہیں۔ حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔[۱۴۱]

۵۔ رشک محل پنجابن کے حالات و کلام بھی سخن شعرا سے لیے گئے ہیں۔ حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔[۱۴۲]

۶۔ حجابؔ ساکنہ ہاپوڑ کے حالات اور نمونہ بھی سخن شعرا سے لیا گیا ہے۔ حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔[۱۴۳]

۷۔ حورؔ ثانی مناجان نامی ساکنہ لکھنؤ کی حالات اور نمونۂ کلام سخن شعرا سے لیے گئے ہیں۔ حوالہ نہیں ہے۔[۱۴۴]

۸۔ شرمؔ چھوٹے صاحب کے حالات و نمونۂ کلام بھی سخن شعرا سے اخذ شدہ ہیں۔ حوالہ موجود نہیں ہے۔[۱۴۵]

۹۔ عزیزؔ کے حالات وکلام اور سعادت خان یار رنگین کا بیان۔[۱۴۶]

۱۰۔ عفتؔ شاگرد مقصود عالم مقصود کے حالات وکلام۔[۱۴۷]

۱۱۔ فرخؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۱۴۸]

۱۲۔ قمرؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔ سخن شعرا میں اس شاعرہ کے اشعار زائد لکھے گئے ہیں۔[۱۴۹]

۱۳۔ مہتابؔ کے حالات وکلام۔[۱۵۰]

۱۴۔ نازؔ فرخ آبادی کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۵۱]

۱۵۔ نورنؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۱۵۲]

۱۶۔ بیگمؔ میر تقی میر کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۵۳]

۱۷۔ محبوبؔ تخلص اور سلطان جہاں بیگم نام منکوحہ واجد علی بادشاہ کے حالات وکلام۔[۱۵۴]

۱۸۔ قمرؔ تخلص حیدری بیگم کے حالات اور واجد علی شاہ کی حرم کے حالات اور کلام۔[۱۵۵]

۱۹۔ صنمؔ کے حالات اور نمونۂ اشعار۔[۱۵۶]

نسخہ دلکشا (۱۸۷۰ء):

نسخہ دلکشا کے مصنف راجہ جنم جی متر ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۷۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ اس تذکرے میں ۲۳ شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کا اندراج ملتا ہے۔

تذکرۃ النساے نادری میں اس تذکرے حوالے کہیں مقامات پر نظر آتے ہیں۔ نادر دہلوی نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ نادر دہلوی کے تذکرے میں درج کی گئی معلومات اور اس تذکرے میں درج کی گئی معلومات یکساں طور پر ملتی ہیں۔ ان میں سے کسی کا ذکر نادر کر دیا ہے اور کسی کا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس سلسلے میں درج ذیل معلومات اس تذکرے سے اخذ کی گئی ہیں:

۱۔ اچپلؔ کے حالات اور نمونۂ اشعار۔[۱۵۷]

۲۔ بیگم تارا بیگم کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۱۵۸]

۳۔ حجاب کے حالات واشعار۔[۱۵۹]

۴۔ مہتاب کے حالات اور نمونۂ اشعار۔[۱۶۰]

ماہ درخشاں (۱۸۸۳ء):

ماہ درخشاں اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس کے مصنف ابو القاسم محتشم ہیں۔ یہ ۱۸۸۳ء میں مطبع شاہجہانی بھوپال سے شائع ہوا۔ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اس تذکرے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس تذکرے کے حوالے تذکرۃ الخواتین میں کئی مقامات پر بکھری ہوئی صورت میں نظر آتے ہیں جن میں کچھ کا ذکر تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے کر دیا ہے اور کچھ کا نہیں کیا۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات و نمونہ کلام اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ مہتاب کے حالات تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے حالات ماہ درخشاں سے لیے گئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا ہے۔[۱۶۱]

۲۔ ضیا تخلص سکندر جہاں بیگم کے تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے حالات و کلام ماہ درخشاں کے ضمیمہ سے اخذ کیے گئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا ہے[۱۶۲]۔

۳۔ یاسمن کنیز انشا اللہ خان انشا کے حالات اور کلام تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ماہ درخشاں سے لیے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا۔[۱۶۳]

۴۔ یاسمین کے حالات ماہ درخشاں سے اخذ کیے گئے ہیں لیکن نمونہ کلام کا اندراج دونوں میں مختلف ہے۔ یاسمن کے بارے میں تذکرۃ النساء نادری کے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ اس کا یہ نمونہ کلام بزم سخن اور گلدستہ سخن سے اخذ کیا گیا ہے۔ بزم سخن میں یاسمن نامی شاعرہ کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔[۱۶۴]

۵۔ ہوس کے حالات و کلام۔ ماہ درخشاں میں اس کا نام ہوش ہے اور باقی تذکروں میں اس کا نام ہوس درج ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے یہ معلومات ماہ درخشاں سے اخذ کی ہیں لیکن حوالہ موجود نہیں ہے۔[۱۶۵]

۶۔ ہمدم کا تذکرہ ماہ درخشاں میں زائد ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ہمدم کے حالات و نمونہ کلام اس تذکرے سے اخذ کیے گئے ہیں حوالہ نہیں دیا ہے[۱۶۶]۔

۷۔ ہنر کے حالات و نمونہ کلام۔ ماہ درخشاں سے اخذ کیے گئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا ہے۔[۱۶۷]

نوشابہ خاتون کے حالات و نمونہ کلام۔ تذکرۃ النساء نادری میں اور اس بیشتر لکھے جانے والے

تذکروں میں بھی اس شاعرہ کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ صرف ماہ درخشاں کے مصنف نے اس شاعرہ کا تذکرہ لکھا ہے۔[۱۶۸]

۸۔ نقاب کے حالات و اشعار۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے دو نقابؔ نامی شاعرات کا تذکرہ لکھا۔ ماہ درخشاں میں بھی ایک نقابؔ کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔ ماہ درخشاں میں یہ لکھا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے، اس کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ جبکہ بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری میں صرف ایک نقاب نامی شاعرہ کا تذکرہ لکھا گیا ہے ان تذکروں میں اس کا نام، تخلص، جائے پیدائش اور سکونت کا ذکر کیا ہے۔ بہارستان ناز میں اشعار بھی وہی ہیں جو ان تذکروں میں مجہول الحال کے نام پر لکھے گئے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے یہ ایک ہی شاعرہ ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے جو دوسری نقاب کا تذکرہ لکھا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

اول: مجہول الحال نقاب

دوم: حمیدن بائی طوائف[۱۶۹]

۹۔ نورنؔ نامی کے حالات و اشعار۔ اس شاعرہ کا تذکرہ بہارستان ناز میں نہیں ہے۔[۱۷۰]

۱۰۔ نازنینؔ کے حالات و اشعار۔ اس شاعرہ کا تذکرہ تذکرۃ النسائے نادری میں بھی ہے۔ ماہ درخشاں میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ تخلص نازنین ہے اور باقی حال معلوم نہیں ہے۔ جبکہ بہارستان ناز میں اس کا نام، تخلص، سکونت اور اس کی دیگر سرگرمیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔[۱۷۱]

۱۱۔ نزاکت کے حالات و اشعار۔ تذکرہ نویسوں نے تین نزاکت نامی شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔

اول: نزاکت رجو

دوم: نزاکت کندو نامی

سوم: نزاکت بمبئی

البتہ بہارستان ناز میں ایک ہی نزاکت رجو کے حالات اور نمونہ کلام کا تذکرہ ملتا ہے۔[۱۷۲]

۱۲۔ نازک کے حالات و اشعار۔ ماہ درخشاں اور تذکرۃ الخواتین میں تین نازک شاعرات کے حالات و کلام کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔

اول: نازک زینتؔ

دوم: نازک فتنہؔ جان کنیز شاہ رخ میرزا

سوم: نازک بیگمؔ

باقی تذکرہ نویسوں پہلی دو شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام کا تذکرہ لکھا[۱۷۳]۔

۱۳۔ ناز کے حالات وکلام۔ بہارستان ناز کے مصنف نے تین اور تذکرۃ النسائے نادری میں چار ناز تخلص کی شاعرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ماہ درخشاں میں پانچ ناز شاعرات اور تذکرۃ الخواتین میں نو ناز تخلص کی شاعرات کا تذکرہ موجود ہے۔تذکروں کے تقابل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ الخواتین نے پانچ ناز تخلص کی شاعرات کا تذکرہ ماہ درخشاں سے نقل کر کے لکھا ہے لیکن اس تذکرے میں چار ناز تخلص کی شاعرات کا تذکرہ زائد لکھا گیا ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے جو چار ناز نامی شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے وہ درست نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے اپنے تذکرے کی تعداد بڑھانے کے لیے ایک ہی شاعرہ کا تذکرہ دو دو دفعہ لکھ دیا ہے۔[۱۷۴]

۱۴۔ مخمور کے حالات واشعار۔ بہارستان ناز میں اس کے حالات موجود نہیں ہیں۔[۱۷۵]

۱۵۔ مطلوب اور مخمور کا تذکرہ بھی بہارستان ناز نے نہیں کیا۔ماہ درخشاں کے مصنف نے ان کا تذکرہ لکھا ہے۔صاحب تذکرۃ الخواتین نے ان کے حالات و نمونہ اشعار ماہ درخشاں سے براہ راست نقل کیے ہیں۔[۱۷۶]

۱۶۔ منو کے حالات وکلام۔ منو کے حالات و نمونہ کلام کا ذکر بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری میں کیا گیا ہے۔ماہ درخشاں میں اس کا تخلص منور ہے۔صاحب تذکرۃ النساے نادری نے منور نامی ایک زائد شاعرہ کا تذکرہ لکھا ہے اور نمونے کے طور پر صرف ایک مصرع کا اضافہ کیا ہے[۱۷۷]۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اس شاعرہ کے حالات واشعار بغیر حوالے لکھ دیے ہیں۔[۱۷۷]

۱۷۔ مہک کے حالات واشعار۔[۱۷۸]

۱۸۔ ماہ کے حالات و نمونۂ اشعار۔بہارستان ناز اور تذکرۃ النساے نادری کے مصنف تین ماہ تخلص کی شاعر عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔صاحب ماہ درخشاں کے مصنف نے ایک اور تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے چار کا تذکرہ لکھا ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ماہ منجھلی بیگم کے حالات و نمونہ کلام کو دو دفعہ لکھا گیا ہے۔منجھلی بیگم صرف ایک شاعرہ ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے دوسری منجھلی بیگم کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ درست نہیں ہے۔[۱۷۹]

۱۹۔ گوہر کے حالات و نمونہ کلام۔ماہ درخشاں اور تذکرۃ النساے نادری میں دو گوہر نامی شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔بہارستان ناز میں تین اور تذکرۃ الخواتین میں چار گوہر نامی شاعرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے گوہر متخلص بہ اسم اور گوہر خانم کے حالات اور نمونۂ اشعار

ایک دوسرے میں ضم کر کے ایک ہی شاعرہ کا تذکرہ لکھا ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے جو گوہر طوائف اور گوہر پرتاب گڑھ کے حالات و نمونہ کلام کا تذکرہ زائد لکھا ہے وہ درست نہیں ہے۔ان دونوں شاعرات کا وجود مشتبہ ہے کہ یہ دونوں شاعرات بھی ہیں یا نہیں۔[180]

۲۰۔ گیتی آرا کے حالات واشعار۔[181]

۲۱۔ قاتل شاعرہ کے حالات وکلام۔بہارستان ناز کے مصنف نے اس شاعرہ کا تذکرہ نہیں لکھا[182]۔

۲۲۔ قادری کے حالات واشعار۔اس شاعرہ کا تذکرہ باقی تذکرہ نگاروں نے تو لکھا ہے لیکن بہارستان ناز کے مصنف نے اس شاعرہ کا تذکرہ نہیں کیا۔[183]

۲۳۔ عابدہ نواب امراؤ کے حالات و اشعار۔اس شاعرہ کا تذکرہ باقی تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے لیکن بہارستان ناز میں اس کا تذکرہ نہیں لکھا گیا ہے۔[184]

۲۴۔ طالب کے حالات واشعار۔ماہ درخشاں میں اس کا نام طالب لکھا ہے۔ باقی تمام تذکروں میں طلب تخلص کی نسبت اس کا نام بھی طلب ہی لکھا گیا ہے۔[185]۔

۲۵۔ شوخ کے حالات واشعار۔ماہ درخشاں کے مصنف نے دو شوخ شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔

اول: شوخ گنا بیگم زوجہ عمادالملک غازی الدین خان بہادر

دوم: شوخ مولا جان طوائف ساکنہ کانپور۔[186]

تذکرۃ الخواتین کے علاوہ باقی تمام تذکروں میں ایک شوخ گنا بیگم کا تذکرہ ملتا ہے۔

۲۶۔ زہرہ کے حالات واشعار۔ماہ درخشاں اور بہارستان ناز میں چار زہرہ نامی شاعرات کا تذکرہ موجود ہے۔تذکرۃ النساء نادری میں پانچ زہرہ نامی شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے۔تذکرۃ النساء نادری میں منی جان کشمیرن کا تذکرہ زائد ہے۔[187]

۲۷۔ روایہ کے حالات واشعار۔تمام تذکروں نویسوں نے روایہ نامی ایک ہی شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے رابعہ اور روایہ دو شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔باقی تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل روایہ کا اصل نام رابعہ ہی ہے۔جس کی وجہ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ایک ہی شاعرہ کا تذکرہ دو مختلف ناموں سے لکھ دیا ہے۔یہ ایک ہی شاعرہ ہے۔روایہ کا جو تذکرہ لکھا گیا ہے وہ درست نہیں ہے[188]۔

۲۸۔ حسن اور حسین کے حالات و کلام۔ماہ درخشاں کے مصنف نے دو حسنؔ شاعرات اور ایک حسینؔ شاعرہ کا تذکرہ لکھا ہے۔بہارستان ناز کے مصنف نے ان شاعرات کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔ حسین کا تذکرہ
تذکرۃ النساے نادری کے ضمیمے میں موجود ہے۔[۱۸۹]

۲۹۔ تذکرۃ النساے نادری میں دوبہارستان ناز میں ایک ماہ درخشاں کے مصنف نے تین حور نامی شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔تذکرۃ الخواتین میں بھی تین حور نامی شاعرات کا ذکر موجود ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ان تینوں شاعرات کے حالات و کلام ماہ درخشاں سے لیے ہیں۔[۱۹۰]

۳۰۔ حجاب کے حالات و اشعار۔ باقی تذکروں میں پانچ حجابؔ کا ذکر موجود ہے۔بہارستان ناز کے مصنف نے تین حجاب شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔تذکرۃ الخواتین نے بھی پانچ شاعرات کا تذکرہ ماہ درخشاں سے اخذ کر کے نقل کیا ہے لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔[۱۹۱]

گلدستے:

اردو شاعرات کے تذکروں کے ماخذات اپنے عہد کے وہ گلدستے بھی ہیں۔جن سے اردو تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے حالات و کلام کو مرتب کرتے ہوئے وسیع پیمانے پر استفادہ کیا اور ان گلدستوں سے بالواسطہ اور براہ راست معلومات نقل کی ہیں۔اردو تذکروں میں ان گلدستوں کے حوالے بکھری ہوئی صورت میں تذکروں میں مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ذیل میں ان گلدستوں کا اردو شاعرات کے تذکروں سے تقابل کر کے یہ دیکھا جائے گا کہ ان تذکرہ نگاروں نے کس حد ان گلدستوں سے استفادہ کیا ہے اور معلومات نقل کرتے ہوئے ان میں کوئی تصرف یا تبدیلی تو نہیں کی یا ان کے بارے میں مزید تحقیق کر کے معلومات کا اندراج کیا ہے۔ذیل میں زمانی اعتبار سے ان گلدستوں اور رسائل کا فرداً فرداً تجزیہ کیا جائے گا

سیر سیاح(۱۸۷۲ء):

یہ رسالہ ہے۔جس میں شعرا بزم،شاعرے کی طرحی غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔اس گلدستے کی ترتیب منشی انوار حسین تسلیم و نواب احمد حسین خان صاحب نے کانپور کی طرحی غزلیں اور لکھنؤ کی بزم مشاعرہ کا کلام شامل کر کے ۱۸۷۲ء کو مطبع منشی نول کشور پریس سے شائع کروایا۔ حروف تہجی کی ترتیب سے مشاعروں میں پڑھی جانے والی

غزلیات کو اس میں شامل کیا گیا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس گلدستے کے حوالے ملتے ہیں۔ درج ذیل شاعرات کا نمونہ کلام نادر دہلوی نے اس گلدستے سے اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ شریں کا کلام رسالہ سیر سیاح سے نقل کیا گیا ہے۔[۱۹۲]

۲۔ مشتری کے نمونۂ اشعار بھی سیر سیاح سے نقل کیے گئے ہیں۔[۱۹۳]

حدیث قدسی (۱۸۷۳ء):

مخمسات کا مجموعہ ہے۔ اس میں شعرا اور شاعرات کے مخمسات کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کو حافظ انعام اللہ ساکن پانی پت نے اس کو مرتب کر کے با اہتمام محمد عزیز الدین ۱۸۷۳ء میں شائع کروایا۔ تذکرۃ النساے نادری میں گلدستے کے حوالے دو مقامات پر ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات و نمونۂ اشعار اس گلدستے سے لیے گئے ہیں۔

۱۔ اختر محل نواب اختر کے حالات و کلام حدیث قدسی سے لیے گئے ہیں۔ اس شاعرہ کی ذیل میں باقی اشعار کی نشاندہی نہیں ہوتی کہ کہاں تذکرہ نگاروں نے لیے ہیں۔[۱۹۴]

۲۔ کیفی کے حالات اور نمونہ کلام۔[۱۹۵]

گلدستہ نتیجہ سخن (۱۸۸۲ء):

گلدستہ نتیجۂ سخن بنگال کا ایک قدیم گلدستہ ہے۔ یہ گلدستہ کلکتہ سے ہر مہینے شائع ہوا کرتا تھا۔ اس گلدستے کا اجرا ۱۸۸۲ء کو ہوا۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۵ فروری ۱۸۸۲ء کو عمل میں آئی۔ یہ گلدستہ ۵۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ شیخ محمد وزیر اس کے ایڈیٹر تھے اور اس کے مہتمم مولوی عبدالحکیم الصمد کانپوری تھے۔ یہ مطبع رپن پریس سے شائع ہوتا تھا اور ہر انگریزی تاریخ کے پندرھویں تاریخ کو نکلتا تھا۔ گلدستے میں تاریخی حالات مع تصاویر شاہان یورپ و انگلینڈ چھپتے تھے۔ اگرچہ اس گلدستے میں نثر کا حصہ بھی تھا لیکن اس میں نظم کا حصہ زیادہ ہوتا تھا۔ طرحی اور غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ اس گلدستے کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں گھریلو اور پردہ دار خواتین کے کلام کے لیے علاحدہ علاحدہ حصہ مقرر تھا۔[۱۹۶]

تذکرۃ النساے نادری میں اس گلدستے کے حوالے مختلف مقامات پر جا بجا ملتے ہیں نادر دہلوی نے اس گلدستے سے بھرپور استفادہ کیا اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات و کلام اس گلدستے سے اخذ کیے ہیں بعض جگہوں پر حوالہ موجود ہے اور بعض جگہ حوالہ تو موجود نہیں ہے لیکن نتیجہ سخن دیکھنے سے یہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ

یہ حالات و نمونہ کلام مصنف تذکرۃ النساے نادری نے نتیجہ سخن سے لیے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ پری کے حالات و کلام۔[۱۹۷]

۲۔ حور کے حالات و کلام۔[۱۹۸]

۳۔ خورشید کے حالات و نمونہ اشعار نتیجہ سخن سے لیے گئے ہیں لیکن حوالہ موجود نہیں دیا۔[۱۹۹]

۴۔ زیب کے حالات و نمونہ اشعار نتیجہ سخن سے لی گئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا۔[۲۰۰]

۵۔ شباب کے حالات و کلام بھی نتیجہ سخن سے ماخوذ ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔[۲۰۱]

۶۔ شریں کے حالات و کلام۔[۲۰۲]

۷۔ گوہر، معشوق اور نازاں کے حالات و نمونہ کلام بھی نتیجہ سخن سے لیے گئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔ البتہ نازاں شاعرہ کا ذکر ماہ درخشاں بھی میں ملتا ہے۔[۲۰۳]

درج بالا تمام شاعرات کے حالات و نمونہ کلام گلدستہ نتیجہ سخن کے پہلے شمارے فروری ۱۸۸۲ء سے نقل کیے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ درج ذیل شاعرات کے حالات و نمونہ کلام گلدستے کے نویں شمارے اکتوبر ۱۸۸۲ء سے لیے گئے ہیں۔

۱۔ امیر کے حالات و نمونہ کلام۔[۲۰۴]

۲۔ حنا کے حالات و نمونہ کلام لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔[۲۰۵]

۳۔ حیا کے حالات و نمونۂ اشعار حوالہ نہیں دیا گیا۔[۲۰۶]

۴۔ مطلوب کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۰۷]

اسی طرح درج ذیل شاعرات کے حالات و نمونہ کلام گلدستے کے پانچویں شمارے جون ۱۸۸۲ء سے اخذ کیے گئے ہیں۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس کا حوالہ تو موجود نہیں ہے لیکن گلدستے کے تقابل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ معلومات وہاں سے اخذ کی ہیں۔

۱۔ پکھراج کے حالات و نمونہ کلام نتیجۂ سخن سے لیا گیا ہے لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔[۲۰۸]

۲۔ پیاری کے حالات و نمونہ کلام بھی نتیجۂ سخن سے لیا گیا ہے لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔[۲۰۹]

۳۔ حسین، قاتل کے حالات و نمونہ کلام بھی نتیجۂ سخن سے ماخوذ ہے لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔[۲۱۰]

۴۔ مخمور، مہک اور ہنر کا کلام بھی نتیجۂ سخن سے لیا گیا ہے لیکن حوالہ موجود نہیں ہے۔[۲۱۱]

ان کے علاوہ ضیا کے حالات و نمونہ کلام چودھویں شمارے ۱۸۸۳ء سے اور جعفری کے حالات و نمونہ کلام گیارویں شمارے ۱۸۸۲ء سے لیے گئے ہیں۔[۲۱۲]

گلدستہ سخن (۱۸۸۲ء):

اس گلدستے کا اجرا ۱۸۸۲ء کو ہوا۔ اس کی طباعت محلہ حکیماں آگرہ سے ہوتی تھی۔ احمد خان گلدستے کے مالک تھے اور اس کے مہتمم وزیر خان تھے۔ گلدستے کے مدیر لیاقت علی خان تھے۔ یہ مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔ گلدستے میں اردو کے ساتھ فارسی طرحی اور غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ گلدستے میں طرحی اور غیر طرحی کلام کے تحت مدحیہ قصائد و غزلیات شامل ہوتے تھے۔ گلدستے میں بھوپال، حیدر آباد اور دکن کے شعرا کا کلام شامل کیا جا تھا۔ گلدستے کے بھی اپنے قواعد و ضوابط ہوتے تھے۔ جو سال میں صرف ایک بار شائع ہوتے تھے۔ ان قواعد و ضوابط کے مطابق یہ تذکرۃ الشعرا الموسوم بہ گلدستہ سخن ہر ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہوا کرتا ہے۔ جن شعرا کی غزلیات ۲۰ تاریخ تک مطبع پہنچ جائیں گی، ان کا اندراج گلدستہ ہذا میں کیا جائے گا۔ ورنہ آئندہ ماہ ان کا اندراج غیر طرحی کلام میں کیا جائے گا۔ اس گلدستے میں سوائے قواعد و ضوابط کے علاوہ کسی قسم کی کوئی نثر شائع نہیں ہوتی تھی۔ اس گلدستے کے شروع کے شماروں کی صفحات کی ضخامت بیس بیس صفحات تھی اور اگلے شماروں میں ان صفحات کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور بڑھتے بڑھتے ۱۰۶ صفحات تک پہنچ گئی۔ گلدستے میں مقامی شعرا کے علاوہ دکنی شعرا کی کثیر تعداد نظر آتی۔ اس گلدستے کے مالک بھی انیسویں صدی کی ایک اہم شخصیت تھی۔ ان کا شمار صحافتی و طباعتی دنیا میں جانا پہچانا تھا۔ ان کی شہرت کا دارومدار مطبع مفید عام پریس آگرہ کی وجہ سے تھا جو طباعت کے معیار اور اپنی نفاست کی وجہ سے ہندوستان بھر میں مشہور تھا[۲۱۳]۔ تذکرۃ النساء نادری میں اس گلدستے کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف تذکرۃ النساء نادری نے لکھا ہے کہ یاسمن[۲۱۴] کی درج ذیل غزل مطلع انھوں نے اس گلدستے سے نقل کیے ہیں۔

کام آخر ہو چکا، کہ دو! ترے بیمار کا
ہے فقط مشتاق اب وہ شربتِ دیدار کا

کون سے دن رکھنے پھاہا، چارہ گر آتے نہیں
پر یہ بھرنے میں مرے زخم جگر آتے نہیں

طفل سرشک رونے پہ جس دوم مچل گئے

چشموں سے ایک آن میں دریا ابل گئے [۲۱۵]

گلدستہ سخن میں یہ غزلیں موجود نہیں ہے۔

پیام یار (۱۸۸۳ء):

پیام یار کا شمار اردو کے اہم ترین گلدستوں میں ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے آواخر میں اپنے آغاز ہی سے اس کی شہرت کا معیار آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔ اپنی تیس سالہ اشاعتی زندگی میں اس کی شہرت و مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کو اپنے دور میں دو مرتبہ بند بھی ہونا پڑا لیکن پھر بھی اس کی شہرت کا گراف کبھی نیچے نہیں آیا۔ اس کی عظمت و مقبولیت کو دیکھ کر اس کے مقابلے میں متعدد گلدستے شائع ہوئے لیکن جو شہرت پیام یار کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور گلدستے کے حصے میں نہیں آئی۔ کوئی بھی اس کی شہرت و مقبولیت اور معیار کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اردو کا یہ اہم ترین گلدستہ ۱۸۸۳ء میں شائع ہوا۔ شروع میں اس کے صفحات کی تعداد بیس تھی اور بعد میں اس کی صفحات کی تعداد چوبیس کر دی گئی۔ اس کے بعد جب ناول کی قسطوں کو اس میں شامل کیا گیا تو اس کے صفحات کی تعداد بڑھا کر اڑتالیس کر دی گئی۔ چھبیس صفحات پر طرحی اور غیر طرحی کلام ہوتا تھا اور باقی صفحوں پر ناول قسط وار شائع ہوتا تھا۔ شروع میں پیام یار طرحی و غیر طرحی کلام پر مشتمل محض نظم کا گلدستہ تھا۔ اس میں سرورق، حاشیوں یا مہتمم یا مدیر کی نثری تحریر کے علاوہ کوئی نثری تحریر شائع نہیں ہوتی تھی۔ جنوری ۱۸۸۴ء میں ناول کی قسط شامل کرنے سے اس کی تخلیقی نثر میں مزید اضافہ ہوا۔ اس گلدستے میں اپنے عہد کے صف اول کے شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا۔ اپنے معیار اور خصوصیات کے لحاظ سے یہ اردو کا صف اول کا معیاری اور مقبول گلدستہ رہا ہے۔ گلدستوں کی حد تک اردو ادب خصوصاً اردو شاعری کی جو خدمت پیام یار نے سرانجام دی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ شعر فہمی کی فضا کو قائم کرنے سے لے کر معیاری کلام کے ذریعے صاف ستھری ادبی روایت کو برقرار رکھنے میں اس گلدستے کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ اردو کی ادبی روایات میں پیام یار کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اس گلدستے میں شعرا کے طرحی و غیر طرحی کلام کے علاوہ طوائفوں کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ گلدستے کے آخر میں ان طوائفوں کے دو یا تین شعر شائع ہوتے تھے۔

ارباب نشاط میں اس گلدستے کے حوالے جگہ جگہ مختلف مقامات پر نظر آتے ہیں۔ پیام یار سے درج ذیل شاعرات کے حالات وکلام کو اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ آز کے حالات وکلام مئی ۱۸۹۲ء کے شمار سے ماخوذ ہے۔ [۲۱۶]

۲۔ ادا آگرہ کے حالات واشعار فروری ۱۸۸۶ء کے شمارے سے اخذ کیے گئے ہیں۔[۲۱۷]

۳۔ ادا گورکھپور کے حالات ونمونۂ اشعار جنوری ۱۸۸۷ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۱۸]

۴۔ ادا امیر جان کے حالات ونمونہ کلام مارچ ۱۸۸۶ء کے شمارے سے ماخوذ ہیں۔[۲۱۹]

۵۔ ادا بنارسی بی شاب جان کے حالات وکلام جون ۱۸۸۶ء کے شمارے سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۲۰]

۶۔ ادا تخلص بی نور جان طوائف شعلہ پوری کے حالات ونمونہ اشعار جولائی ۱۸۹۱ء سے لیے گئے ہیں۔[۲۲۱]

۷۔ جفا کے حالات واشعار مئی ۱۸۹۱ء کے شمارے سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۲۲]

۸۔ حسن بھرت پور کے حالات ونمونۂ اشعار جنوری ۱۸۸۶ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۲۳]

۹۔ حسین فتحپور کے حالات واشعار اپریل ۱۸۸۶ء کے شمارے سے نقل کی گئے ہیں۔[۲۲۴]

۱۰۔ حسین تخلص بی امیر جان کے حالات ونمونہ کلام اکتوبر ۱۸۹۳ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۲۵]

۱۱۔ حور کے حالات ونمونہ اشعار ستمبر ۱۸۸۷ء کے شمارے سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۲۶]

۱۲۔ شوخ بی روح افزا بیگم کے حالات ونمونۂ اشعار جون ۱۸۹۳ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۲۷]

۱۳۔ شوخ بی نواب جان اجمیر شاعرہ کے حالات واشعار جولائی ۱۸۹۱ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۲۸]

۱۴۔ شوخ ننھی جان ساکنہ الور کے حالات واشعار ۱۸۹۴ء سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۲۹]

۱۵۔ شوخی کے حالات واشعار فروری ۱۸۹۳ء کے شمارے سے ماخوذ ہیں۔[۲۳۰]

۱۶۔ شریں کے حالات ونمونہ اشعار فروری ۱۸۸۲ء سے لیے گئے ہیں۔[۲۳۱]

۱۷۔ صوفی کے حالات ونمونہ کلام دسمبر ۱۸۹۱ء سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۳۲]

۱۸۔ نجف کے حالات وکلام مارچ ۱۸۹۲ کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۳۳]

۱۹۔ قتال کے حالات ونمونۂ اشعار فروری ۱۸۸۷ء سے لیے اخذ شدہ ہیں۔[۲۳۴]

۲۰۔ گلرو اور ملکہ کانپوری کے حالات ونمونہ کلام فروری ۱۸۸۶ء سے لیے گئے ہیں۔[۲۳۵]

۲۱۔ ناز اجمیر اور ناز گلاب جان کے حالات واشعار اپریل ۱۸۸۷ء سے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۳۶]

۲۲۔ ناز بھرت پور کے حالات ونمونۂ اشعار جنوری ۱۸۸۷ء سے نقل ہوئے ہیں۔[۲۳۷]

۲۳۔ ناز دہلی کے حالات ونمونۂ اشعار اپریل ۱۸۹۳ سے اور ناز بی امام باندی کے حالات ونمونۂ اشعار جنوری ۱۸۹۲ء سے لیے گئے ہیں۔[۲۳۸]

۲۴۔ نخو بنارس کے نمونۂ اشعار مارچ ۱۸۹۳ء کے شمارے اور مئی ۱۸۹۳ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۳۹]

نغمۂ دلکش (س۔ن):

نغمۂ دلکش گلدستے کی طرز کا ایک انتخاب ہے جس میں قسم قسم کی ہندی ٹھمریاں، وادھا، ساوری، دکانی پوربی بھجن اور عمدہ عمدہ غزلیں، مارہ ماسہ وغیرہ اور شعرا اور شاعرات کی عمدہ کلام کا انتخاب کر کے شامل کیا گیا ہے۔ اس کے مرتب لچھمن لال ہیں۔ مطبع شوکت الاسلام پاٹانالہ سے شائع کیا گیا۔ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اس گلدستے سے استفادہ کیا ہے۔ اس گلدستے کے حوالے تذکرۃ النساے نادری میں ایک دو مقامات پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات نغمہ دلکش حصہ دوم سے لیے گئے ہیں:

۱۔ چندر سکھی کے حالات وکلام۔[۲۴۰]

۲۔ حیدری یا حیدری کے حالات و نمونہ کلام نغمہ دلکش حصہ اول سے اخذ کیے گئے ہیں۔[۲۴۱]

۳۔ شوخ کے حالات و نمونہ کلام نغمہ دلکش کے حصہ دوم سے ماخوذ ہیں۔[۲۴۲]

۴۔ صنم کے حالات و نمونہ کلام نغمہ دلکش کے دوسرے حصے نقل کیے گئے ہیں۔[۲۴۳]

بہار گلشن حصہ اول (س۔ن):

بہار گلشن میں شعراے اردو زبان کا کلام منتخب کر کے در مطبع ابو العلائی آگرہ سے طبع کرایا۔ اس کے سرورق پر اس کے سنہ اشاعت اور مصنف کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ تذکرۃ النساے نادری میں اس گلدستے کے حوالے ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں شریں کا نمونہ کلام بہار گلشن حصہ اول سے نقل کیا گیا ہے۔[۲۴۴]

جلوۂ یار (۱۹۰۷ء):

یہ گلدستہ ۱۹۰۷ء میں میرٹھ سے جاری ہوا۔ اس کے نگراں محمد اکبر خان وارثی تھے۔ اس کے مرتب منشی محمد اسحق آزاد تھے۔ یہ مطبع شمس الانوار شائع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں نظم و نثر دونوں شامل تھی۔ بتیس صفحات میں سے ۲۲ صفحات نظم کے لیے مختص ہوتے تھے اور باقی دس صفحے نثر پر مشتمل تھے۔ تذکرۃ الخواتین میں اس رسالے کا حوالہ ملتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے شاعرات کے حالات وکلام کو مرتب کرتے ہوئے اس گلدستے سے ضرور فائدہ اٹھایا ہے۔ شرارت کا کلام اس گلدستے سے اخذ کیا گیا ہے۔[۲۴۵]

رسائل:

اردو تذکروں کی معلومات کے ماخذ اپنے عہد کے وہ ادبی رسائل بھی ہیں جن سے اردو تذکرہ نگاروں نے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں ان رسائل کا زمانی اعتبار سے فرداً فرداً جائزہ پیش کیا جائے گا:

رسالہ پیمانہ (س۔ن):

اس رسالے کا اجرا آگرہ سے ہوا۔ ساغر نظامی اس رسالے کے ایڈیٹر ہیں۔ اس رسالے کے نگراں مشہور اہل قلم اور نامور شاعر سیماب اکبر آبادی ہیں۔ یہ خالص ادبی رسالہ ہے۔ اس میں نظم اور نثر دونوں شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں خواتین کی تخلیقات بھی شائع ہوتی ہیں۔ تذکرۃ الخواتین میں اس رسالے کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں پروین اور نسرین کا نمونہ کلام رسالہ پیمانہ سے اخذ کیا گیا ہے۔[۲۴۶]

رسالہ عصمت (۱۹۰۸ء):

رسالہ عصمت ۱۹۰۸ء میں علامہ راشد الخیری نے جاری کیا۔ انھوں نے اس رسالے کی ادارت بھی کی اور خواتین کو تعلیم کی طرف رغبت دلانے، ان کی تربیت کرنے اور ان کے اندر عملی و ادبی صلاحیتیں اجاگر کرنے کی غرض سے خواتین کے فرضی ناموں سے اس رسالے میں مضامین بھی لکھے۔ یہ رسالہ علامہ نے اصلاح نسواں، حقوق نسواں اور تعلیم نسواں کی غرض سے جاری کیا تھا۔ اس رسالے کی بدولت بہت سی مسلم خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی ملی اور اس رسالے کی وجہ سے بہت سی خواتین علم و ادب سے روشناس ہوئیں اور بہت سی لکھنے والیاں متعارف ہوئیں۔ اس رسالے میں نظم و نثر دونوں شائع ہوتی تھی۔ لکھنے والیوں نے زندگی کے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی۔ تذکرۃ الخواتین اور تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے اس رسالے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس رسالے کے حوالے ان تذکروں میں جابجا نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل شاعرات کے حالات و کلام اس رسالے سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ کلثوم کے حالات و اشعار۔[۲۴۷]

۲۔ محترمہ جی بیگم اختر صدیقی کے نمونۂ اشعار عصمت کے مختلف شماروں سے لیے گئے ہیں۔[۲۴۸]

۳۔ ادیب محترمہ شبیر خالدہ کے حالات و اشعار۔[۲۴۹]

۴۔ اکبری محترم خانم کے حالات و اشعار۔[۲۵۰]

۵۔ انجم کے حالات و نمونہ کلام۔[۲۵۱]

۶۔ ثریا کے حالات و اشعار۔[۲۵۲]

۷۔ آرا ریحاں کے حالات و اشعار۔[۲۵۳]

۸۔ زہرا، عصمت کے حالات و نمونہ کلام۔[۲۵۴]

۹۔ قیصر، نوشابہ کے حالات و نمونہ کلام۔[۲۵۵]

رسالہ تہذیب النسواں (س۔ن)

مصنفہ حکیم سید حسین صاحب: اس رسالے میں سے تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے کچھ عالمہ، فاضلہ عورتوں کی ناموں کی فہرست دی ہے۔ تہذیب نسواں کے نام سے رسالہ تو نکلتا تھا، لیکن اس رسالے کے بانی ممتاز علی تھے۔ اور اس کی مدیر محمدی بیگم تھی۔ لیکن رسالہ تہذیب النسواں مصنفہ حکیم سید حسین کے بارے میں خاطر خواہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں ہیں کہ یہ رسالہ کہاں نکلتا تھا۔

خاتون مشرق (۱۹۳۸ء):

رسالہ خاتون مشرق میں ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک وقتاً فوقتاً چھپتا رہا۔ اس رسالے کے نگراں عبد اللہ فاروقی تھے۔ اس رسالے کے حصہ نظم کو بعد میں کتابی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں تقریباً دس کے سال کے نمبروں میں خواتین کے قطعات، نظمیں اور غزلیں شائع ہوئیں، بعد ہ ان کو اس کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کیا گیا ہے۔ شاعرات اردو کے مصنف نے اس رسالے سے استفادہ کیا ہے اور اس کے حوالے اس تذکرے میں مختلف مقامات پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل شاعرات کے حالات و اشعار اس رسالے سے براہ راست اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ محترم ج۔ی، محترمہ شبیر خالدہ اور انجم کا کلام۔[255]

۲۔ رضا بیگم، محترم آر۔ درخشاں کے حالات و کلام۔[256]

۴۔ زہرہ خاتون، ساجدہ خاتون اور محترمہ ناز کے حالات۔[257]

آئینہ (س۔ن):

آئینہ اردو ادب کا ایک علمی و ادبی ماہانہ رسالہ ہے۔ جو الہ آباد خسرو باغ سے نکلتا تھا۔ یہ رسالہ ایک مشترکہ معزز جماعت کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔ جس کے مرتب ابو العالی سید وحید الدین احمد کڑوی ہیں اور اس رسالے کے معاون مدیر صغیر حسین شاہ اسیر ہیں۔ یہ رسالہ تقریباً ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ رسالے کے اندرون صفحے پر رسالے کے قواعد و ضوابط درج ہوتے تھے۔ طبقہ نسواں کے لیے اس رسالے کا ایک الگ حصہ مختص تھا۔ جس میں ان خواتین کے مضامین اور ان کی شاعری شائع کی جاتی تھی۔ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ درج ذیل شاعرات کے حالات و اشعار اس رسالے سے اخذ شدہ ہیں۔ آئینہ ادب کے حوالے تذکرۃ الخواتین میں بکھری ہوئی صورت میں جابجا نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے درج ذیل شاعرات کے حالات اس رسالے سے اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ کنیز فاطمہ کے حالات واشعار بابت اگست ۱۹۲۳ء کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔[۲۵۸]

۲۔ جمال کے حالات ونمونہ کلام۔[۲۵۹]

اخبارات:

اردو تذکروں کی معلومات کے ماخذ اپنے عہد کے اخبارات بھی ہیں جن سے اردو تذکرہ نگاروں نے بھرپور استفادہ کیا۔ ذیل میں ان کا فرداً فرداً جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

اودھ اخبار (۱۸۵۹ء):

ارباب تحقیق کے مطابق اودھ اخبار ۱۸۵۹ء کو جاری ہوا تھا۔ یہ اخبار لکھنؤ کے محلے گنج سے نکلنا شروع ہوا۔ پہلے ہفتہ وار تھا۔ بعد میں ہفتے میں تین بار نکلتا تھا اور ۱۸۷۶ء میں یہ ہر دوسرے روز شائع ہونے لگا اور ۱۸۷۷ء میں یہ روزنامہ بن گیا۔ یہ پرچہ پہلے چار صفحوں پر مشتمل تھا پھر چھ صفحوں پر سولہ صفحوں اور اڑتالیس صفحوں تک چھپتا رہا۔ ابتدا میں اس اخبار کی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ یہ صرف ان خبروں کا مجموعہ ہوتا تھا جو اخباروں کے تاروں یا نوٹوں سے ترجمہ کرکے چھاپی جاتی تھیں۔ بعد اس نے ایسی پالیسی بنائی جو کافی معیاری تھی۔ اس کے مقاصد میں ہندوستانی ادب کی خدمت کرنا، تباہ کن اور ضرر رساں رسم ورواج سے قوم کو بچانا، اصلاحی اور ادبی جماعتوں کا پروپیگنڈہ کرنا اس کا شعار تھا۔ یہ اخبار اپنے عہد کے ادبی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ کی مستند اور باوقار دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اس عہد کے نادر واقعات ملتے ہیں، جن سے موجودہ تاریخ خالی پڑی ہے۔ اس اخبار میں ادبی مضامین کے علاوہ تاریخی، جغرافیائی مضامین اور اعلیٰ پائے کی فارسی، اردو نظمیں، کتابوں اور اخباروں پر بے لاگ تبصرے کیے جاتے ہیں۔[۲۶۰] اردو تذکروں میں اس اخبار کے حوالے بھی بکھری ہوئی صورت میں نظر آتے ہیں۔ تذکرۃ النساء نادری میں اس اخبار کے حوالے ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاہجہاں بیگم کے حالات ونمونہ کلام اس اخبار سے اخذ کیے گئے ہیں[۲۶۱]۔

اتالیق پنجاب (۱۸۷۰ء):

اس رسالے کا اجرا ۱۸۷۰ء میں مسٹر ہولرائڈ کی زیر نگرانی میں ہوا۔ اس رسالے کے اجرا کا مقصد یہ تھا کہ ہندستانیوں کی معلومات میں اضافہ ہو۔ اس رسالے میں تاریخ، جغرافیہ اور سائنس پر نہایت معلوماتی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس اخبار میں سرکاری مدرسوں کی رپوٹیں بھی شائع ہوتی تھی اور علمی تبصرے بھی ہوتے تھے۔ یہ سرکاری اخبار تھا اور ماہانہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر اور معاون دونوں یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ اپنے ہم عصر اخباروں میں آگے بڑھ گیا۔ اس کے مضامین کی خوبی، عبارت کی برجستگی وخوش اسلوبی نے اسے مقبولیت

وعظمت بخشی۔اس کی ایڈیٹری کے فرائض آزاد کے بعد حالی نے بھی اس کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیے۔یہ اخبار زیادہ دیر تک قائم نہ رہا بلکہ پانچ چھ سال کے بعد یہ بند ہو گیا تھا۔دتاسی کے مقالات میں اس رسالے کے مضمونوں کا ذکر ملتا ہے۔ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ اس میں قدیم اور جدید ہندستان کی مشہور و معروف خواتین کے تذکرے بھی ہیں"[۲۶۲]۔

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے گلشن ناز کے مقدمے میں کچھ ہندوستان کی مشہور عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔مصنف تذکرہ نے ہندوستانیوں کو تعلیم کی ترغیب دینے کے لیے ان مشہور عورتوں کا تذکرہ اتالیق پنجاب کے ۱۸۷۲ء کے مختلف رسالوں نقل کر کے لکھا ہے۔اس میں ایک نور جہاں جہانگیر کو چھوڑ کر باقی تمام مشہور ہندوؤں عورتیں ہیں۔مصنف نے اس مقدمے میں ہندوؤں عورتوں کے حالات اور ان کے کارہائے نمایاں اتالیق پنجاب سے نقل کر کے درج کیے ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ گارگی کے علمی مباحثہ کا بیان۔[۲۶۳]

۲۔ مندوری کے شطرنج کے کھیل کی اختراع کا واقعہ۔[۲۶۴]

۳۔ سنکرمتی، بگیا اور بدیاتما کا اپنے زمانے کی فاضلہ ہونے کی دلیل پیش کی گئی ہے۔[۲۶۵]

۴۔ لیلاوتی کے حالات واقعات اور روایات کا بیان۔[۲۶۶]

۵۔ کھوناراجہ بکرماجیت کے منتری کی بیوی اور کھوناز وجہ کنور کے عالمہ اور فاضلہ ہونے کا بیان۔[۲۶۷]

۶۔ میراں بائی، مرگ نینا، رومتی اور اہلیا کے گیتوں کا تذکرہ اتالیق پنچاب سے نقل کیا گیا ہے۔[۲۶۸]

اخبار عام (۱۸۷۱ء):

۱۸۷۱ء کو ہفت روزہ کی صورت میں جاری ہوا۔پھر سہ روزہ ہو گیا اور انیسویں صدی کے آخر میں روزنامہ بن گیا۔چند سال بعد یہ پھر سہ روزہ میں تبدیل ہو گیا اور ۱۹۲۰ء میں یہ پھر روزنامہ بن گیا۔۱۹۳۰ء میں یہ اخبار مکمل طور پر بند ہو گیا۔یہ اخبار عام، خبروں اور تبصروں کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس اخبار کی قیمت ایک پیسہ رکھ کر اور سادہ اور عام فہم زبان استعمال کر کے عوام تک پہنچانے کی بہت کامیاب کوشش کی[۲۶۹]۔اس اخبار کے حوالے بھی شاعرات اردو میں ملتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعرات اردو کے مصنف نے کہیں براہ راست اور کہیں بلواسطہ اس اخبار سے ضرور فائدہ اٹھایا ہے۔اس ضمن میں صفیہ کے حالات و نمونہ کلام اخبار عام سے لیے گئے ہیں۔[۲۷۰]

اخبار وطن (س۔ن):

اس اخبار سے متعلق معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے نکلتا ہے،اس کے بانی کون ہیں۔تذکرہ شاعرات اردو میں اس اخبار کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں۔

اشرف الاخبار(۱۸۷۵ء):

اختر شہنشاہی میں ہے کہ اشرف الاخبار ۱۸۷۵ء کوچہ چیلاں فیض آباد بازار سے شائع ہوا۔ جس کے مالک ریاض الدولہ بہادر محمد مرزا خان ولد مخر الدولہ حافظ مرزا جان اور امدیر مراؤ خان تھے۔یہ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔اس کے اجرا کے بارے میں محققین میں اختلاف ہے۔امداد صابری کے بقول اس کا اجرا ۱۸۶۷ء کو ہوا تھا۔اس ضمن انھوں نے مرزا غالب کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے مولوی یوسف الحق ادیب کو لکھا تھا۔اس خط میں اس اخبار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔دتاسی کے مقالات میں بھی اس اخبار پر تبصرہ ملتا ہے۔اس اخبار کی خوبیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اپنے اعلی معیار کی وجہ سے دہلی کے بہترین اخباروں میں شمار ہوتا ہے[۲۷۱]۔اس اخبار کے حوالے بھی تذکرۃ النساے نادری میں بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔اس ضمن میں زہرہ مشتری اور آغا علی شمس کے درمیان مختلف مباحثوں کو اس اخبار سے اخذ کیا گیا ہے۔[۲۷۲]

اودھ پنچ(۱۸۷۷ء):

اودھ پنچ، لندن پنچ کی طرح کا ایک مزاحیہ اخبار تھا۔اس اخبار کے بانی منشی سجاد حسین تھے۔یہ ہفت روزہ تھا جسے منشی سجاد حسین نے ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے اخبار کا اجرا کیا۔یہ اخبار سیاست کو ظرافت کا جامہ پہنا کر پیش کرتا تھا۔یہ اخبار ہندو مسلم اتحاد اور انڈین نیشنل کانگرس کا موئد، مغربی تہذیب کا مخالف اور مشرقی اقدار کی پاس داری کا علم بردار تھا۔اس رسالے میں مزاحیہ کارٹون اور نظمیں کثرت سے شائع ہوتی تھیں۔اودھ پنچ چھتیس برس کی مسلسل اشاعت کے بعد ۱۹۱۲ء میں بند ہو گیا۔ تذکرۃ النساے نادری میں کہیں کہیں اس اخبار کے حوالے ملتے ہیں۔اس سلسلے میں جہاں متخلص شاہ جہاں بیگم کا نمونہ کلام اودھ پنچ دسمبر ۱۸۸۱ء کے شمارے سے نقل کیا گیا ہے۔[۲۷۳]

پیسہ اخبار(۱۸۷۷ء):

پیسہ اخبار ایک اردو کا روزنامہ تھا۔جسے منشی محبوب عالم نے ۱۸۷۷ء میں فیروز والا سے جاری کیا۔بعد میں یہ لاہور منتقل ہو گیا تھا، شروع میں یہ ہفت روزہ تھا۔اپنی شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر یہ روزنامہ بن گیا۔پیسہ اخبار اپنے اجرا کے ساتھ ہی ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور سیاسی کارکنوں کا مرکز بن گیا تھا۔اس

رسالے نہ صرف اردو ادب کو فروغ دیا بلکہ برصغیر کے ثقافتی ارتقا اور ادبی ارتقا کو قابل قدر ترقی عطا کی۔ اس اخبار کے حوالے بھی تذکرۃ النسائے نادری میں بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔

پنجاب پنچ (س۔ن):

پنجاب پنچ کے بارے میں معلومات نہیں ملتی ہیں کہ یہ کہاں سے نکلتا تھا۔ تذکرۃ النسائے نادری میں اس کا ایک جگہ حوالہ ملتا ہے۔ اس حوالے سے ملکہ تخلص منی جان کا کلام پنجاب پنچ کے جلد ۲ نمبر ۲۶ ص ۱۷۶ مطبوعہ جون ۱۸۷۹ء سے نقل کیا گیا ہے[۲۷۴]

نامعلوم ماخذات

ذیل میں ان شاعرات کی فہرست درج کی جاتی ہے جن کے ماخذات کی نشاندہی کہیں سے نہیں ہوتی۔ تمام تذکروں میں ان شاعرات کے حالات و نمونۂ اشعار کا اندراج تو ملتا ہے لیکن کسی بھی تذکرہ نگار نے ماخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی کہیں اور سے ان کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ ان تذکرہ نگاروں نے یہ معلومات کہاں سے اخذ کی ہیں۔ سب تذکروں میں معلومات یکساں ملتی ہیں تذکروں میں بعض شاعرات کے ذیل اس طرح بھی لکھا گیا ہے کہ "یہ تذکرہ والا لکھتا ہے"۔ "کوئی بازاری عورت ایسے شعر کہتی ہے"۔ "کسی بازاری کا یہ شعر سنا گیا"۔ "شاہد بازاری تھی"۔ "کسی کسبی کے یہ اشعار سنے گئے" وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے بیانات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں انھوں نے ماخذات کی نشاندہی کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دانستہ طور پر ان کو مبہم رکھا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ آرائش کا ذکر تمام تذکروں میں موجود ہے۔[۲۷۵]

۲۔ اشک کسی شہزادی کے حالات و اشعار۔[۲۷۶]

۳۔ احمدی کے حالات و نمونہ اشعار۔ احمدی کا تذکرہ صرف تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے کیا ہے۔ باقی کسی بھی تذکرہ نگار نے اس شاعرہ کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔[۲۷۷]

۴۔ امراؤ حسینی بیگم کے حالات و اشعار۔[۲۷۸]

۵۔ گل کے حالات و کلام۔[۲۷۹]

۶۔ بستی کے حالات و نمونہ کلام۔[۲۸۰]

۷۔ ٹھٹھولی کے حالات و اشعار۔[۲۸۱]

۸۔ حاتم کے حالات و اشعار۔[۲۸۲]

۹۔ حبیبؔ اور خاکساریؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۸۳]

۱۰۔ خورشیدؔ اور ژاژؔ کے حالات واشعار۔[۲۸۴]

۱۱۔ شرفنؔ، عزتؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۸۵]

۱۲۔ مہتابؔ، ناز سومیؔ شہزادی کے حالات واشعار۔[۲۸۶]

۱۳۔ نورنؔ اور ولایتیؔ شہزادی کے حالات واشعار۔[۲۸۷]

۱۴۔ شبنمؔ اور شمشیرؔ کے حالات واشعار۔[۲۸۸]

۱۵۔ گیتی آراؔ کے حالات واشعار۔[۲۸۹]

۱۶۔ حجابؔ اور حیاؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۹۰]

۱۷۔ سائرہؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۹۱]

۱۸۔ شبنمؔ کے نمونۂ اشعار۔[۲۹۲]

۱۹۔ کاملؔ کے حالات واشعار۔[۲۹۳]

۲۰۔ محترم سردار بیگم اور ادا محترمہ کے حالات واشعار۔[۲۹۴]

۲۱۔ اسیرؔ، اما، حجابؔ کے حالات و نمونۂ اشعار۔[۲۹۵]

۲۲۔ دل آراؔ، زینتؔ، ظریفہؔ، کاملؔ، نشترؔ، نقابؔ، نکہتؔ، شکیلہؔ خانم اور نو بیلاؔ کے حالات واشعار کے ماخذ کی نشاندہی نہیں ہوتی ہیں کہ کہاں سے اخذ کیے ہیں۔[۲۹۶]

دوست احباب، معاصرین، ذاتی معلومات اور براہ راست شاعرات سے حاصل کردہ معلومات

ان تصانیف اور تذکروں کے علاوہ ان تذکروں کا دوسرا بڑا ماخذ ان اطلاعات یا معلومات پر مشتمل ہے جو انھیں دوستوں، عزیزوں، ملنے والوں اور جان کاروں سے حاصل ہوئیں۔ ان معلومات کے لیے یہ تذکرہ نگار خود بھی لوگوں سے ملے اور بعض شاعرات سے بھی ان کے مراسم رہے اور ان سے معلومات حاصل کی۔ ذیل میں ان شاعرات کے حالات و کلام کی فہرست مرتب کی جاتی ہے جو انھوں ذاتی ذرائع سے، دوستوں یا اپنے جاننے والوں سے، دیگر معاصرین سے یا براہ راست شاعرات سے حاصل کی ہیں:

۱۔ اسیرؔ بیگمات چغتائیہ کے حالات و نمونہ کلام۔ یہ بیگمات چغتائیہ بھی تھی یا نہیں کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کی تاریخ کی کتابوں سے کوئی نشان دہی ہوتی ہے۔ جاننے والوں سے حاصل کیے ہیں۔[۲۹۷]

۲۔ امیرؔ جان اور امیر لکھنوی کے حالات و کلام۔[۲۹۸]

۳۔ بسم اللہ کے نمونۂ اشعار۔[۲۹۹]

۴۔ پٹا باز کے اشعار۔[۳۰۰]

۵۔ چھوٹے صاحب کے اشعار۔[۳۰۱]

۶۔ حسن متخلص، وزیر جان نام بنت گوہر جان کے حالات و اشعار۔[۳۰۲]

۷۔ زہرہ انبالوی کے اشعار۔[۳۰۳]

۸۔ زہرہ مسماۃ لطیفن کرنال کے حالات و اشعار۔[۳۰۴]

۹۔ زہرہ لکھنوی کے بعض اشعار۔[۳۰۵]

۱۰۔ سردار کے اشعار۔[۳۰۶]

۱۱۔ شریر کے نمونۂ اشعار۔[۳۰۷]

۱۲۔ شریں کے نمونۂ اشعار۔[۳۰۸]

۱۳۔ صنم کے حالات و نمونہ کلام۔[۳۰۹]

۱۴۔ عصمت کا نمونۂ اشعار۔[۳۱۰]

۱۵۔ علی کے اشعار۔[۳۱۱]

۱۶۔ فاطمہ سلطان کے اشعار۔[۳۱۲]

۱۷۔ گنا متخلص بہ اسم کا یہ اشعار۔[۳۱۳]

۱۸۔ گوہر لعل بے بہا کے یہ اشعار۔[۳۱۴]

۱۹۔ لعلن کے اشعار۔[۳۱۵]

۲۰۔ ماہ کے حالات و اشعار۔[۳۱۶]

۲۱۔ مخفی کے اشعار۔[۳۱۷]

۲۲۔ مشتری کا نمونہ کلام۔[۳۱۸]

۲۳۔ معشوق اور اہل کا کے حالات و کلام۔[۳۱۹]

۲۴۔ ناز کے نمونہ کلام۔[۳۲۰]

۲۵۔ یاد کے نمونۂ اشعار۔[۳۲۱]

۲۶۔ ناز چہارمی کے اشعار۔[۳۲۲]

۲۷۔ دونوں نخیبن کے اشعار۔[۳۲۳]

۲۸۔ نزاکت کندوکے اشعار۔[۳۲۴]

۲۹۔ پنہاں کے اشعار۔[۳۲۵]

۳۰۔ شوکت دلہن کے حالات واشعار ۔[۳۲۶]

۳۱۔ عفت کے حالات واشعار ۔[۳۲۷]

۳۲۔ ہمایوں کے حالات واشعار ۔[۳۲۸]

۳۴۔ محترم بی بیگم کے حالات واشعار۔[۳۲۹]

۳۵۔ ادا محترمہ عزیز جہاں کے حالات وکلام۔[۳۳۰]

۳۶۔ انور، حسینی بیگم، حمیدہ، حمیدہ، رابعہ اور باطن کے حالات۔[۳۳۱]

۳۷۔ محترمہ خالدہ بیگم کے حالات ونمونہ کلام۔[۳۳۲]

۳۸۔ راز، رفعت اور روشن کے حالات ذاتی۔[۳۳۳]

۳۹۔ ز۔خ۔ش کے حالات وکلام۔[۳۳۴]

۴۰۔ تاجور، حیدرآبادی، شکیل کے حالات واشعار۔[۳۳۵]

۴۱۔ انوار فاطمہ جعفری کے حالات ونمونہ کلام۔[۳۳۶]

۴۲۔ عبرت اور عفت بنارسی اور غزالہ کے نمونہ کلام۔[۳۳۷]

۴۳۔ مخفی، محترمہ رضویہ، نجمہ صدق اور نسرین کے حالات وکلام۔[۳۳۸]

۴۴۔ نور، محترمہ بلقیس اور محترمہ اقبال کے حالات واشعار۔[۳۳۹]

وہ معلومات جو تمام تذکروں میں یکساں طور پر ملتی ہیں

اردو تذکرہ نگاروں نے اپنے پیش رو اور ماقبل تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے نقالی سے کام لیا ہے اور ان شاعرات کے نام، اقوال، روایات، حکایات، تاریخی واقعات، بیانات اور حالات ونمونۂ اشعار میں سب تذکروں میں یکساں طور پر ملتے ہیں البتہ کہیں کہیں ان کے ناموں میں اختلاف ضرور موجود ہے۔ اگر ایک تذکرہ نگار نے کوئی تاریخی واقعہ، حکایات، روایات بیان کی ہے چاہے وہ تحقیقی اعتبار کتنی ہی نامعتبر کیوں نہ ہو تمام تذکرہ نگاروں نے ایک دوسرے کی نقل کرکے وہی تمام باتیں اپنے تذکروں میں لکھ دی ہیں جس کے نتیجے میں یہ معلومات غلطی کی صورت میں متن در متن کا حصہ بن گئی ہیں۔ ذیل میں ان تمام تذکروں میں مذکور شاعرات کی فہرست پیش کی جاتی ہے جنھوں نے نقالی سے کام لیتے ہوئے بغیر حوالے کے معلومات اپنے اپنے تذکروں میں بجنسہ نقل کی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	بہارستان ناز	تذکرۃ النساء نادری	ماہ درخشاں	شمیم سخن	حدیقہ عشرت	نشاط افزا	ارباب نشاط	تذکرۃ الخواتین	شاعرات کا تذکرہ	شاعرات اردو
۱	آرائش	آرائش						آرائش		
۲	اچپل	اچپل		اچپل				اچپل		
۳۔	اختر	اختر	اختر	اختر		اختر		اختر	اختر	اختر
۴۔	امیر بیگم، تخلص اسیر	امیر بیگم، تخلص اسیر						اسیر، امیر بیگم	امیر بیگم۔ تخلص اسیر	امیر بیگم، اسیر
۴۔	امراؤ جان	امراؤ جان		امراؤ جان		امراؤ جان		امرا ؤ جان		
۵۔	اشک	اشک						اشک		اشک
۶۔	امراؤ تخلص حسینی بیگم	امراؤ تخلص حسینی بیگم		امراؤ، حسینی بیگم				امراؤ، حسینی بیگم	امراؤ، حسینی بیگم	امراؤ، حسینی بیگم
۷۔	امراؤ جان بنت امیر جان	امراؤ بنت امیر جان		امراؤ، بنت امیر جان					امراؤ، بنت امیر جان	
	امیر۔	امیر		امیر				امیر	امیر	
۸۔	امیر	امیر		امیر،				امیر،امیر		

	تخلص امیر جان	تخلص امیر جان		تخلص امیر جان				جان		
۹۔	بسم اللہ	بسم اللہ		بسم اللہ				بسم اللہ	بسم اللہ	بسم اللہ
۱۰۔	بنو	بنو		بنو				بنو	بنو	
۱۱۔	بستی	بستی		بستی				بستی		
۱۲۔	بہو	بہو		بہو				بہو	بہو	بہو
۱۳۔	بیگم دختر میر تقی میر	بیگم دختر میر تقی میر		بیگم، دختر میر تقی میر				بیگم۔ دختر میر تقی میر	بیگم۔ دختر میر تقی میر	بیگم۔ میر تقی میر
۱۴۔	بیگم رشک محل	بیگم رشک محل		بیگم رشک محل				بیگم رشک محل	بیگم رشک محل	
۱۵۔		بیگم۔ تارا بیگم						بیگم، تارا بیگم		
۱۶۔	پارسا	پارسا		پارسا				پارسا	پارسا	
۱۷۔		پٹاباز					پٹاباز	پٹاباز	پٹاباز	
۱۸۔	تسلی	تسلی		تسلی			تسلی	تسلی	تسلی	
۱۹۔	تصویر	تصویر						تصویر	تصویر	تصویر
۲۰۔		ٹھٹھولی						ٹھٹھولی		
۲۱۔	ثریا	ثریا		ثریا				ثریا	ثریا	ثریا
۲۲۔	ثنا	ثنا						ثنا	ثنا	
۲۳۔	جان	جان						جان	جان	
۲۴۔	جانی	جانی		جانی				جانی	جانی	جانی

۲۵۔	جعفری	جعفری		جعفری		جعفر ی		جعفری	جعفری	جعفری
۲۶۔	جمعیت	جمعیت		جمعیت				جمعیت	جمعیت	جمعیت
۲۷۔	جینا	جینا						جینا	جینا بیگم	جینا بیگم
۲۸۔	چندا	چندا	چندا	چندا				چندا	چندا	
۲۹۔	چھوٹے صاحب	چھوٹے صاحب		چھوٹے صاحب			چھوٹے صاحب	چھوٹے صاحب		
۳۰	پری میجو			پری				پری		
۳۱۔	حاتم	حاتم	حاتم	حاتم				حاتم	حاتم	حاتم
۳۲۔		حبیب	حبیب					حبیب		
۳۳۔	حجاب عسکری بیگم	حجاب عسکری بیگم	حجاب، عسکری بیگم	حجاب، عسکری بیگم				حجاب ،عسکری بیگم	حجاب ،عسکری بیگم	حجاب، عسکری بیگم
۳۴۔		حجاب بنی جان		حجاب، بنی جان			حجاب، بنی جان	حجاب، بنی جان	حجاب بنی جان	
۳۵۔	حجاب کشمیرن	حجاب کشمیرن	حجاب کشمیرن	حجاب کشمیرن				حجاب ،کشمیرن	حجاب ،کشمیرن	حجاب کشمیرن
۳۶۔	حجاب نواب بیگم	حجاب ،نواب بیگم	حجاب، نواب بیگم	حجاب، نواب بیگم	حجاب، نواب بیگم			حجاب، نواب بیگم	حجاب، نواب بیگم	حجاب، نواب بیگم
	حجاب منی بائی		حجاب منی	حجاب، منی بائی				حجاب منی بائی		

			جان							
۳۷۔		حجاب عالم	حجاب، عالم					حجاب، عالم	حجاب، عالم	
۳۸۔	حسن	حسن	حسن				حسن	حسن		
۳۹۔	حشمت	حشمت	حشمت	حشمت				حشمت	حشمت	
۴۰	حور مناجان	حور مناجان	حور، مناجان	حور			حور	حور، منا جان	حور	
۴۱		حور، بستی بیگم		حور			حور، بستی بیگم	حور، بستی بیگم	حور	
۴۲۔	حیا تخلص حیات النسا بیگم	حیا تخلص حیات النسا بیگم	حیات، حیات النسا بیگم	حیا، حیات النسا بیگم	حیا۔حیا ت النسا بیگم			حیا، حیات النسابیگم		حیا، حیات النسا
۴۳۔	حیا	حیا						حیا	حیا	حیا
۴۴۔	حیدری	حیدری		حیدری				حیدری		حیدری
۴۵۔	خفی	خفی		خفی				خفی	خفی	خفی
۴۶۔	خاکساری	خاکساری	خاکسار	خاکسار	خاکسار			خاکسار		خاکسار
۴۷	خورشید	خورشید	خورشید	خورشید	خورشید			خورشید	خورشید	خورشید
۴۸۔	دلبر	دلبر	دلبر					دلبر	دلبر	
۴۹۔	دلہن	دلہن		دلہن				دلہن	دلہن	دلہن
۵۰		ڈھب						ڈھب		
۵۱۔	ذلیل	ذلیل	ذلیل					ذلیل	ذلیل	ذلیل

۵۲۔	روایہ	روایہ		روایہ				روایہ	راویہ	روایہ
۵۳۔	رعنائی	رعنائی	رعنائی	رعنائی				رعنائی	رعنائی	رعنائی
۵۴۔	زہرہ بی چھٹن	زہرہ بی چھٹن	زہرہ بی چھٹن	زہرہ بی چھٹن				زہرہ، بی چھٹن	زہرہ، بی چھٹن	
۵۵۔	زہرہ نصیبن	زہرہ نصیبن	زہرہ، نصیبن	زہرہ، نصیبن				زہرہ، نصیبن		
۵۶۔	زہرہ انبالوی	زہرہ انبالوی		زہرہ انبالوی				زہرہ، انبالوی	زہرہ، انبالوی	
۵۷	زہرہ لطیفن	زہرہ لطیفن	زہرہ لطیفن	زہرہ، لطیفن				زہرہ، لطیفن		
۵۸۔		زہرہ منی جان کشمیرن		زہرہ منی جان			زہرہ، منی جان	زہرہ، منی جان	زہرہ منی جان کشمیرن	
۵۹۔		زینت	زینت	زینت			زینت	زینت		
۶۰۔		ژاژ						ژاژ		
۶۱۔	سردار	سردار	سردار	سردار	سردار	سردار	سردار	سردار	سردار	
۶۲۔	سلطان	سلطان		سلطان	سلطان			سلطان		سلطان
۶۳۔	شرارت	شرارت		شرارت			شرارت	شرارت	شرارت	
۶۴۔		شرفن		شرفن			شرفن	شرفن	شرفن	
۶۵۔	شرم۔ چھوٹے صاحب	شرم چھوٹے صاحب	شرم، چھوٹے صاحب	شرم، چھوٹے صاحب				شرم، چھوٹے ،صاحب		

۶۶۔	شرم، شمس النسا بیگم	شرم، شمس النسا بیگم	شرم، شمس النسا بیگم	شرم، شمس النسا	شرم، شمس النسا بیگم			شرم، شمس النسابیگم	شرم، شمس النسا	شرم
۶۷۔	شریر	شریر	شریر	شریر				شریر	شریر	شریر
۶۸۔	شوخ	شوخ	شوخ	شوخ				شوخ		شوخ
۶۹۔	شریں، بیگانام	شریں، بیگانام		شریں، بیگانام		شریں ،بیگا نام		شریں، بیگانام	شریں، بیگانام	
۷۰	شریں	شریں	شریں	شریں				شریں	شریں	شریں
۷۱۔	شریں، وحید	شریں، وحید		شریں، وحید			شریں، وحید	شریں، وحید		
۷۲۔	صاحب امتہ الفاطمہ	صاحب امتہ الفاطمہ	صاحب امتہ الفاطمہ	صاحب امتہ الفاطمہ				صاحب، امتہ الفاطمہ	صاحب، امتہ الفاطمہ	
۷۳۔	صدر	صدر	صدر	صدر				صدر	صدر	صدر
۷۴۔	صنم	صنم	صنم	صنم			صنم	صنم	صنم	
۷۵۔	صنوبر	صنوبر	صنوبر	صنوبر			صنوبر	صنوبر	صنوبر	
۷۶۔	ضرورت	ضرورت	ضرورت	ضرورت				ضرورت	ضروت	ضرورت
۷۷۔	ضیا	ضیا	ضیا	ضیا				ضیا	ضیا	
۷۸۔	طلب	طلب	طلب					طلب		
۷۹۔	ظرافت	ظرافت	ظرافت					ظرافت		
۸۰۔		عابد	عابد	عابد				عابد	عابد	
۸۱۔	عالم	عالم	عالم	عالم				عالم	عالم	عالم

۸۲۔	عزت	عزت	عزت					عزت	عزت	
۸۳۔	عزیز	عزیز	عزیز	عزیز			عزیز	عزیز	عزیز	
۸۴۔	عشرت	عشرت		عشرت			عشرت	عشرت		
۸۵۔	عصمت	عصمت	عصمت	عصمت				عصمت		عصمت
۸۶۔	عفت	عفت	عفت	عفت				عفت		عفت
۸۷۔		علی						علی		
۸۸۔	عیدو	عیدو		عیدو			عیدو	عیدو	عیدو	
۸۹۔	غریب	غریب	غریب	غریب				غریب	غریب	غریب
۹۰۔	فاطمہ ساکنہ آگرہ	فاطمہ ساکنہ آگرہ		فاطمہ				فاطمہ، ساکنہ آگرہ	فاطمہ ،آگرہ	فاطمہ آگرہ
		فاطمہ، سلطان	فاطمہ، سلطان							
۹۱۔	سام فاطمہ							سام فاطمہ		
۹۲۔	فرحت	فرحت	فرحت	فرحت			فرحت	فرحت		
۹۳۔	فرخ	فرخ	فرخ	فرخ			فرخ	فرخ	فرخ	
۹۴۔	فریدن	فردوں	فریدن				فریدن	فریدن	فریدوں	
۹۵۔	قادری	قادری	قادری	قادری				قادری		
۹۶۔	قمر، قمرالنسا	قمر، قمرالنسا	قمر					قمر، قمرالنسا	قمر۔ قمرالنسا	قمر۔ قمر النسا
۹۷۔	قمر، حیدری	قمر، حیدری	قاتل	قمر، حیدری				قمر، حیدری	قمر، حیدری	قمر، حیدری

	بیگم	بیگم		بیگم				بیگم	بیگم	بیگم
۹۸۔	کمن	کمن	کمن					کمن	کمن	
۹۹۔	کنیز، منجھو بیگم	کنیز، منجھو بیگم						کنیز، منجھو بیگم	کنیز، منجھو	
۱۰۰۔	کنیز، فاطمہ بیگم	کنیز، فاطمہ بیگم	کنیز، فاطمہ بیگم	کنیز، فاطمہ بیگم				کنیز ،فاطمہ بیگم		فاطمہ، بیگم
۱۰۱۔	کیفی	کیفی	کیفی	کیفی				کیفی	کیفی	کیفی
۱۰۲۔	گنا بیگم صبیہ علی قلی خان	گنا بیگم، صبیہ علی قلی خان						گنا،صبیہ علی قلی خان		
۱۰۳۔	گوہر، دختر رسالہ دار	گوہر دختر رسالہ دار		گوہر دختر رسالہ دار				گوہر دختر رسالہ دار		گوہر دختر رسالہ دار
۱۰۴۔	گوہر ساکنہ سلطان پور							گوہر ساکنہ ،سلطان پور		گوہر
۱۰۵۔	گوہر ،لعل بے بہا	گوہر لعل بے بہا	گوہر لعل بے بہا	گوہر			گوہر لعل بے بہا	گوہر، لعل بے بہا	گوہر، لعل بے بہا	

۱۰۶۔	گنا	گنا	گنا	گنا				گنا		
۱۰۷۔	گیتی آرا	گیتی آرا		گیتی آرا			گیتی آرا	گیتی آرا		
۱۰۸۔	لطیف، لطیف النسا	لطیف، لطیف النسا						لطیف، لطیف النسا		لطیف النسا
۱۰۹۔		لطیف	لطیف	لطیف				لطیف		
۱۱۰		لطیف، ساکنہ پٹنہ					لطیف، پٹنہ	لطیف، ساکنہ پٹنہ	لطیف	
۱۱۱۔		لعلن	لالن				لعلن	لعلن	لعلن	
۱۱۲۔	ماہ ، منجھ لی بیگم	ماہ، منجھلی بیگم	ماہ منجھلی بیگم	ماہ، منجھلی بیگم				ماہ، منجھ لی بیگم	ماہ، منجھ لی بیگم	ماہ، منجھلی بیگم
۱۱۳۔	ماہ، پردہ نشین	ماہ پردہ نشین		ماہ				ماہ		ماہ
۱۱۴۔	ماہ لقا	ماہ لقا		ماہ لقا			ماہ لقا	ماہ لقا	ماہ لقا	
۱۱۵۔		مبارک						مبارک		
۱۱۶۔	محبوب	محبوب	محبوب	محبوب		محبو ب	محبوب	محبوب	محبوب	
۱۱۷۔	مخفی	مخفی	مخفی	مخفی				مخفی		مخفی
۱۱۸۔	مشتری ، قمر جان	مشتری ،قمر جان	مشتری ،قمرن جان	مشتری ،قمرن جان	مشتری ، قمرن جان			مشتری، قمرن جان	مشتری	
۱۱۹۔	معشوق	معشوق	معشوق	معشوق			معشوق	معشوق	معشوق	

۱۲۰۔	مغل	مغل	مغل	مغل				مغل	مغل	
۱۲۱۔	منو	منو		منو				منو		
۱۲۲۔		منور	منور					منور	منور	
۱۲۳۔	مہتاب	مہتاب	مہتاب				مہتاب	مہتاب		
۱۲۴۔	مہر	مہر	مہر					مہر		
۱۲۵۔	ناز، فرخ آبادی	ناز، فرخ آبادی	ناز فرخ آبادی				ناز، فرخ آبادی	ناز، فرخ آبادی		
۱۲۶۔		ناز ،گیتی آرا		ناز، گیتی آرا				ناز، گیتی آرا	ناز، گیتی آرا	
۱۲۷۔	ناز، تیموری شہزادی	ناز، تیموری شہزادی	ناز، تیموری شہزادی	ناز، تیموری شہزادی				ناز، تیموری	ناز۔ تیموری	ناز، تیموری
۱۲۸۔	ناز۔ امیر جان	ناز،امیر جان	ناز۔ امیر جان	ناز،امیر جان				ناز، امیر جان	ناز۔امیر جان	
۱۲۹۔	ناز، بندی جان		ناز، بندی جان	ناز، بندی جان				ناز، بندی جان		
۱۳۰۔	نازک ۔زینت جان	نازک، زینت جان	نازک، زینت					نازک زینت		
۱۳۱۔	نازک، سیہ فام	نازک، سیہ فام						نازک سیہ فام		

۱۳۲۔	نحیبن	نحیبن						نحیبن		
۱۳۳۔	نحیبند ہلوی	نحیبن دہلوی	نحیبن دہلوی	نحیبن دہلوی				نحیبن دہلوی		
۱۳۴۔	نزاکت ،کندو نامی	نزاکت ،کندو نامی	نزاکت ،کندن	نزاکت کندو، نامی			نزاکت ،کندو	نزاکت، کندو	نزاکت، کندو	
۱۳۵۔	نزاکت ،بمبئ	نزاکت بمبئ	نزاکت ،بمبئ	نزاکت ،بمبئ			نزاکت ،بمبئ	نزاکت، بمبئ	نزاکت، بمبئ	
۱۳۶۔	نزاکت ،رجو	نزاکت ،رجو	نزاکت ،رجو	نزاکت ،رجو		نزا کت		نزاکت، رجو		
۱۳۷	نقاب		نقاب	نقاب			نقاب	نقاب		
۱۳۸۔		نسائی						نسائی		
۱۳۹۔	نازنین		نازنین					نازنین		نازنین
۱۴۰۔		نظیر	نظیرن				نظیر	نظیرن		
۱۴۱۔		نورن	نورن	نورن			نورن	نورن		
۱۴۲۔	وزیر	وزیر	وزیرن	وزیر			وزیر	وزیر		
۱۴۳۔		ولایتی					ولایتو	ولایتی		
۱۴۴۔		ہوس	ہوش					ہوش		
۱۴۵۔	یاس	یاس	یاس	یاس			یاس	یاس		
۱۴۶۔	یاسمن	یاسمن	یاسمن	یاسمن				یاسمن		یاسمن
۱۴۷	یاسمین	یاسمین	یاسمن	یاسمین			یاسمن	یاسمین		
۱۴۸۔		مستور	مستور					مستور		مستور
۱۴۹۔		ہمدم	ہمدم					ہمدم		
۱۵۰		ہنر	ہنر				ہنر	ہنر		

تواریخ:

شاعرات کے حالات و کلام کے ماخذ کا ایک بڑا ذریعہ اپنے عہد کی سیاسی و ادبی تواریخ ہیں۔ جن سے تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے حالات و کلام کے لیے براہ راست اور کہیں بالواسطہ استفادہ کیا۔ان تواریخ کے حوالے ان تذکروں میں کہیں کہیں بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ان تواریخ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

منتخب التواریخ:

اس تاریخ کے مصنف ملا عبد القادر بدایونی ہیں۔کتاب فارسی زبان میں ہے اور عہد اکبری کی تصنیف ہے۔ جسے بعد میں اردو زبان کے قالب میں ڈھالا گیا۔اس کتاب کے مترجم علیم اشرف خاں ہیں۔۲۰۱۸ء میں پرنٹر پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ ملا عبد القادر بدایونی شاعر بھی تھے اور فن تاریخ گوئی میں ان کو منفرد مقام حاصل تھا۔ان کی یہ تصنیف تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ کتاب سلطنت غزنویہ کے بانی امیر ناصر سبکتگین کی تخت نشینی سے لے کر اکبر کی زندگی کے ساٹھ سال کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا اصل ماخذ مرزا نظام الدین احمد کی تاریخ ہے۔ لیکن آخری دو برسوں کے حالات انھوں نے خود تحریر کیے ہیں۔کتاب کے آخر میں عہد اکبری کے شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔تذکرۃ النساے نادری میں ایک مقام پر اس تذکرے کا حوالہ ملتا ہے۔اس سلسلے میں نہانی ہراتی کے حالات و اشعار نادر دہلوی نے اس تاریخ سے نقل کیے ہیں۔[۳۴۰]

تاریخ شعرائے عرب(۱۸۴۷ء):

تاریخ شعرائے عرب کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے۔یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں اشرف علی المطبع العلوم مدرسہ دہلی سے چھپی۔کتاب کو تیرہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ہر ایک حصے میں ایک صدی کے شعرا کا تذکرہ لکھا گیا ہے اس تذکرے میں عرب کے شعرا اور شاعرات کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔تذکرے میں ۳۵۷ شعرا اور شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو قلم بند کیا گیا ہے۔اس میں ابتدا سے لے کر تیرھویں صدی تک کے شاعروں کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔مرأت خیالی کے مقدمے میں مصنف تذکرۃ النساے نادری نے کچھ عرب عورتوں کی شاعری کا تذکرہ کیا ہے۔ان شاعرات کی ذیل میں بیانات کردہ حالات و واقعات اور بیانات کا ماخذ کریم الدین پانی پتی کی تصنیف تاریخ شعراے عرب سے لیے گئے ہیں۔اس سلسلے میں درج ذیل عورتوں کے حالات اس کتاب سے نقل کیے گئے ہیں:

۱۔ آسیا فرعون کی بیوی کے حالات۔[۳۴۱]

۲۔ ذبا نامی شہزادی زمانہ جاہلیت کے حالات۔[۳۴۲]

۳۔ امیہ دخترِ عبدالمطلب کے حالات اور اس کی ذیل میں بیان کردہ روایت کا بیان کہ آں حضرت نے اس کے تمام اشعار سنے تھے۔ اس کی سند کہیں سے نہیں ملتی کہ آں حضرت نے یہ شعر سنے تھے۔[۳۴۳]

۴۔ قتیلہ کے حالات اور جنگ بدر میں اس کے باپ کا قتل ہونے کا واقعہ اور اس کے شعر کہنے کا بیان۔[۳۴۴]

۵۔ ام مسلم کا جنگ جمل میں مارا جانا اور اس کا مرثیہ موزوں کرنے کا بیان۔[۳۴۵]

۶۔ عاتکہ بنت عمرو بن نفیل کے مرثیے کہنے کا بیان اور میسون کے حالات۔[۳۴۶]

۷۔ بنت العجر کے اپنے باپ کے قتل پر مرثیے کہنے کا بیان۔[۳۴۷]

۸۔ عائشہ کا اپنے بچوں پر ذبح ہونے پر نوحہ کہنے کا بیان اور بنت عقیل کا حضرت امام حسین کا سر یزید کے پاس لے جانے پر مرثیہ موزوں کرنے کا بیان۔[۳۴۸]

سرودِ غیبی مسمی بہ و خیابان تاریخ (۱۸۷۵ء):

اس کے مؤلف محمد جو یا مرآبادی ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۷۵ء کو منشی نول کشور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب شاعری کے فن اور فن تاریخ گوئی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کتاب میں چند قواعد تاریخ گوئی کے علاوہ کچھ تاریخ گوئی کی اصطلاحات پر بحث کی گئی ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں ایک مقام پر اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں نواب امراؤ بیگم عابد کے کلام کے تعریفی کلمات کا ایک اقتباس سرود غیبی مسمی بہ خیابان تاریخ سے نقل کیا گیا ہے۔[۳۴۹]

تاریخ دلچسپ اردو (۱۸۹۵ء):

کتاب کے مؤلف مولانا ابوالفصل محمد عباس شروانی ہیں۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ تاریخ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ شہر اورنگ آباد دکن، قلعہ دولت آباد، عمارت ایلور کے قدیم عمارات اور حالات و واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں صوبہ مالوہ کے شہر اوجین، شہر دھار قلعہ مانڈو عمارت سانچی کے عبرت افزا حالات و واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں ایک مقام پر اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں زیب النسا کے ذیل میں بیان کردہ دولت آباد کے قلعہ کے تین کوس کے فاصلے پر خلد آباد موضوع کے مقام پر اونگزیب عالم گیر کی قبر کا کے بارے میں روایات تاریخ دل چسپ سے نقل کی ہیں۔[۳۵۰]

نتائج المعانی (۱۸۷۴ء):

آغا محمود راحت بیگ دہلوی کی تصنیف ہے۔ ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئی جسے بعد میں ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے مرتب کر کے ۱۹۶۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کروایا۔ محمود بیگ مومن خان مومن کے شاگردوں میں سے تھے۔ زیر نظر کتاب راحت کی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں بے شمار تاریخی شخصیات کی جیتی جاگتی تصویریں پیوست ہیں جن کے ساتھ وہ وابستہ رہے یا جنھوں نے ان کی زندگی پر اثرات مرتب کیے۔ تذکرۃ النساے نادری میں ایک دو مقامات پر اس کتاب کا حوالہ ملتا ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب تذکرۃ النساے نادری نے اس کتاب سے ضرور فائدہ اٹھایا ہے۔

مآثر عالمگیری (س۔ن):

اس کتاب کے مؤلف ساقی مستعد خان ہیں۔ محمد ساقی مستعد خان چالیس سال تک وقائع نگار کی خدمت پر مامور رہا جس کی وجہ اسے اورنگ زیب عالمگیر کی حکمت عملیوں کے بارے میں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مآثر عالمگیری میں اس نے چالیس سال کے حالات و واقعات کو نہایت ذمے داری کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کیا۔ مآثر عالمگیری اورنگزیب عالمگیر کی پچاس سالہ عہد حکومت کی جامع اور مستند تاریخ ہے۔ اس کتاب میں مؤرخ نے اورنگ زیب عالمگیر کے کے عہد کو جس طرح زندہ کرنے کی کوشش کی، اس کی مثال کسی اور تاریخ میں نہیں ملتی۔ اورنگزیب کے آخری چالیس سال کے واقعات اس نے خود لکھے اور ابتدائی دس برس کے حالات عالمگیر نامہ مرزا کاظم سے اخذ شدہ ہیں۔ شاعرات اردو کے مصنف نے زیب النسا کے حالات و واقعات، روایات اور بیانات مآثر عالمگیری سے اخذ کیے ہیں۔[۳۵۱]

مآثر الامرا (۱۷۴۲ء):

مآثر الامرا سلطنت مغلیہ کے عہد اکبری سے عہد عالمگیری تک مغل امرا کی سوانح اور ان سے متعلق حالات و واقعات کے لحاظ سے ایک مستند تاریخی تصنیف ہے۔ تقریباً ڈیڑھ صدی سے زائد عرصے پر محیط مغل امرا سے متعلق حقائق اور حالات و واقعات کی ایک تاریخی ماخذ کی حامل تصنیف ہے۔ اس تصنیف کے مصنف صمصام الدولہ شاہنواز خان ہیں۔ یہ تصنیف مغلوں کے عہد کی تواریخ کتب میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ صمصام الدولہ کو تاریخ کے فن سے خاصا شغف تھا۔ انھوں نے عہد اکبری سے لے کر محمد شاہی تک امرا کے مفصل حالات مستند مآخذ کی روشنی میں ترتیب دیے ہیں۔ زیب النسا مخفی کے حالات و واقعات اور روایات 'شاعرات اردو کے مصنف نے اس تصنیف سے اخذ کیے ہیں۔[۳۵۲]

تاریخ جہانگیر:

اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر بنی پرشاد ہیں۔ رحم علی الہاشمی اس کے مترجم ہیں۔ یہ کتاب ترمیم اور اضافوں کے بعد مشتاق بک کارنر لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کے عظیم حکمران نورالدین جہانگیر کے عہد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس تاریخ کا حوالہ تذکرہ شاعرات اردو میں ملتا ہے۔ اس سلسلے میں نور جہاں کے حالات و واقعات اور بیانات اور روایات شاعرات اردو کے مصنف نے تاریخ جہانگیر مؤلفہ بنی پرشاد سے نقل کیے ہیں۔[۳۵۳]

تاریخ ادب اردو (۱۹۲۷ء) :

تاریخ ادبیات اردو کے مصنف رام بابو سکسینہ ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار الہ آباد سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے کیا جو ۱۹۲۹ء میں منشی نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ کتاب اپنے موضوع، مواد، پیش کش اور تنقیدی اعتبار سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے کتاب کے حوالے بھی شاعرات اردو میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف نورس کے بارے میں تفصیلات رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو سے اخذ کی گئی ہیں۔[۳۵۴]

اردو شہ پارے (۱۹۲۹ء):

ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی تصنیف ہے۔ اس تصنیف میں اردو ادب کے آغاز سے لے کر ولی کے زمانے تک شاعروں اور نثر نگاروں کے شہ پاروں سے اہم انتخابات کو پیش کیا گیا ہے۔ شاعرات اردو میں ایک دو مقامات پر اس کتاب کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف نورس کے بارے میں کچھ معلومات اس سے اخذ کی ہیں۔[۳۵۵]

تاریخ ادبیات اردو (۱۸۳۹ء):

اس کتاب کے مصنف گارساں دتاسی ہیں۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی گئی۔۔ فرانسیسی خاتون لیلیان نے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی نگرانی میں تنقیدی حواشی و مقدمے کے ساتھ تینوں جلدوں کا اردو ترجمہ کر کے کراچی یونی ورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تذکرہ شاعرات اردو میں گارساں کی تاریخ ادبیات اردو کا حوالہ ملتا ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے شاعرات اردو کے مصنف نے شاعرات کے کلام کی ترتیب کے لیے اس تاریخ سے استفادہ کیا ہے۔

علمی و تحقیقی کتب:

اردو تذکروں میں کچھ علمی و تحقیقی کتب کے حوالے بھی بکھری ہوئی صورت میں ملتے۔ ان تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے:

نقوش سلیمانی (۱۹۳۹ء):

نقوش سلیمانی سید سلیمان ندوی کی اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے۔ برصغیر میں اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر بحث اور مختلف پراکرتوں کے تغیرات اور ان کا اختلاط کے بارے میں بیانات تذکرہ شاعرات اردو نے سید سلیمان ندوی کی کتاب نقوش سلیمانی سے اخذ کیے ہیں[۳۵۶]۔

مقالات گارساں دتاسی:

گارساں دتاسی کے مقالات کے حوالے تذکرہ شاعرات اردو میں ملتے ہیں۔ تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے زیب النسا مخفی کے اردو دیوان سے متعلق اور اردو شعر زبان میں شعر کہنے کے بیانات گارساں دتاسی کے مقالات سے اخذ کیے ہیں[۳۵۷]۔

انشا مفید النسا (س۔ن):

کتاب کے سنہ اشاعت کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوتی۔ ام المومنین خدیجہ اور زبیدہ زوجہ خلیفہ ہارون الرشید کی شعر گوئی کی دلیل انشا مفید النسا سے اخذ کی گئی ہیں۔[۳۵۸]

اردوے قدیم (۱۹۲۵ء):

اردوے قدیم حکیم شمس اللہ قادری کی تصنیف ہے جس میں عہد بہ عہد اردو کا ارتقا ملتا ہے۔ تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے امیر رحمۃ اللہ علیہ کے دو اشعار اردوے قدیم سے لیے ہیں[۳۵۹]۔

سفر نامے:

تاریخ یوسفی (۱۸۴۷ء):

تاریخ یوسفی المعروف بہ عجائبات فرہنگ یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ ۱۸۴۷ء میں لکھا گیا ہے۔ یہ یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ انگلستان ہے۔ اسے اردو کے اولین سفر ناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری میں ایک آدھ مقام پر اس سفر نامے کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف

تذکرۃ النساے نادری نےاورنگزیب عالمگیر کی قبراور زیب النسا کے مزار کے بارے میں لکھا ہے کہ یوسف خان کمبل پوش نے اپنے سفر نامے تاریخ یوسفی مشہور بہ عجائبات فرہنگ میں یہ لکھا ہے کہ اورنگ آباد میں عالمگیر کا مقبرہ ہے اوراس مقبرے کے پاس زیب النساکا مزار ہے[۳۶۰]۔

ان ماخذات کے علاوہ اردو تذکروں میں مختلف تصانیف کے حوالے ملتے ہیں۔ان تصانیف میں اتھرون وید،ابو حنیفہ ثانی کی کتاب بوستان،ولیل ہند، دکن ٹائمز،جیون چلتر سوانح عمریدیانند سرستی جی مہاراج،سوانح عمری آنندی بائی جوشی ،چین کی ایک کتاب مسمابہ توشن،رفیق ہند، کوہ نور،فرہنگ آصفیہ،شیوسنگھ سروج،ناسخ التواریخ،پرتھوی راج راسو، کدم راؤ پدم راؤ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

درج بالا وہ ماخذات ہیں، جن سے تذکرہ نگاروں نے اخذ واستفادہ کیا۔ان ماخذات کے تعارف و تفصیل اور ان سے اخذ واستفادے کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعرات کے تذکرہ نگاروں میں سے تین تذکرہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے اپنے تذکروں میں ماخذات کی نشان دہی کی ہے۔ان کے مطالعے و تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے تمام تردست یاب ماخذات سے استفادہ کیا۔اخذ واستفادے کے اس عمل میں محض ان کے ہاں قبول کرنے کا رویہ ہی نظر نہیں آتا بلکہ انھوں نے ان میں بعض شاعرات کے بارے میں مزید تحقیق سے کام لیتے ہوئے جو معلومات انھوں تذکروں اور کتابوں سے اخذ کی ہیں،ان پر مزید تحقیق کے بعد کہیں ان کے بیانات کو رد کرتے ہوئے اپنے نتائج اخذ کر کے درج کیے ہیں۔

یہ درست ہے کہ اردو شاعرات کے ان تذکرہ نگاروں نے بھی عربی، فارسی تذکروں کے اصولوں اور اپنے عہد کے تمام ماخذات کو سامنے رکھا۔ جس سے نہ صرف انھوں نے اخذ واستفادہ کیا بلکہ بعض مقامات پر سند کے طور پر حوالوں کا اندراج بھی کیا ہے۔ مگر ان تذکروں کی ایک خامی یہ ہے کہ وہ ماخذات کے بارے میں مکمل طور پر تفصیل فراہم نہیں کرتے۔ بعض اوقات وہ ثانوی ماخذات کو بنیادی ماخذات کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں تحقیقی اغلاط غلطی در غلطی کی صورت متن کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں سے ماخذات کو نقل کرنے کے سلسلے میں ان سے دانستا اور نادانستا لغزشیں ہوئی ہیں۔ جہاں تک اردو تذکروں کے معیار تحقیق کا تعلق ہے تو اردو شاعرات کے تذکروں کو بھی اپنے عہد کے تناظر کے سیاق و سباق میں دیکھنا ضروری ہے۔ کیوں کہ انیسویں صدی کے آخر میں تحقیق کا ابھی وہ معیار قائم نہیں ہوا تھا جیسے آج سائنسی تحقیق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج کے تحقیقی معیارات ایک صدی کے تحقیقی معیارات سے مختلف ہیں۔ اس عہد میں شعرا کے بھی جتنے تذکرے تصنیف ہوئے،ان میں بھی ماخذات کی نشان دہی نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اردو شاعرات کے

ان تذکروں میں نادر دہلوی نے اپنے تذکرے میں سب سے زیادہ ماخذات سے استفادہ کیا ہے اور اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں سے زیادہ تحقیق کر کے معلومات درج کی ہیں۔ اتنے زیادہ ماخذات سے استفادہ کسی اور تذکرے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

ان تمام تذکروں کے جائزے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تذکروں میں بیشتر شاعرات کے حالات وکلام ایک دوسرے کے تذکروں سے بلاواسطہ یہ بالواسطہ مستعار ہیں۔ تذکروں کے ماخذات کے مطالعے اور ان کے تجزیے کے بعد ڈاکٹر رفاقت علی شاہد کی یہ رائے بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ رنج میر ٹھی، صفا بدایونی، محتشم بھوپالی، مہر سندیلوی اور بیسویں صدی میں لکھے گئے تذکروں میں شامل قدیم شاعرات کے حالات وکلام کے بارے میں بیش تر معلومات تذکرۃ النساے نادری بلاواسطہ یا بالواسطہ مستعار ہیں۔ تذکرۃ النساے نادری سے پہلے شاعرات کا صرف ایک تذکرہ بہارستان ناز منظر عام پر آچکا تھا۔ دوسرا اس تذکرے میں تذکرۃ النساے نادری کی بہ دولت شاعرات کی مجموعی تعداد ستر کے قریب تھی۔ درگاہ پرشاد کے تذکروں چمن انداز اور گلشن ناز میں موجود شاعرات کی مجموعی تعداد ۲۰۰ کے قریب تھی۔ تیسری اشاعت میں رنج میر ٹھی نے درگاہ پرشاد کے تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے تذکرے میں شاعرات کی تعداد بڑھا ۱۷۴ کر لی تھی۔ تیسرا باقی تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکرے نادر دہلوی کے بعد لکھے۔ اور ان تذکروں میں بھی بڑے پیمانے پر نادر دہلوی کے تذکروں سے اخذ و استفادہ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ باقی تذکروں کی نسبت تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے شاعرات کے حالات وکلام کی جمع آوری میں جس قدر تحقیق یا کوشش کی، نہ ان کے معاصر تذکرہ نگاروں سے ممکن ہو سکی اور نہ نادر دہلوی کے علاوہ کسی بھی تذکرہ نگار نے اپنے ماخذات کی نشان دہی کی ہے اور نہ کرنا مناسب سمجھا ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاعرات کے حالات وکلام کا بیش تر حصہ تذکرہ النساے نادری سے ماخوذ ہے[۳۶۱] جو تذکرے بیسویں صدی میں لکھے گئے۔ بیسویں صدی کے ان تذکرہ نگاروں نے قدیم شاعرات کے حالات وکلام کو مرتب کرتے ہوئے انیسوں صدی میں لکھے جانے والے تذکروں سے معلومات براہ راست اخذ کی ہیں۔ مگر یہ درست ہے کہ ان میں سے کچھ تذکرہ نگاروں بالخصوص تذکرۃ النساے نادری اور شاعرات اردو نے اپنے عہد کے تمام تحقیقی پیمانوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ماخذات کا استعمال کیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عرفان پاشا،ادبی تاریخ کے ماخذات(لاہور:اظہار سنز،۲۰۱۳)،ص۱۹۔

۲۔ ایضاً،ص۱۹۔

۳۔ ایضاً،ص۱۹۔

۴۔ ایضاً،ص۱۷۔

۵۔ ایضاً،ص۱۸

۶۔ درگاہ پرشاد نادر،تذکرۃ النسائے نادری مرتبہ رفاقت علی شاہد(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۶)،ص۶۸؛ اختر تاباں،ص۱۳؛حدیقہ عشرت،ص۶۔

۷۔ بہارستان ناز، ص۱۰۱؛تذکرۃ النساے نادری،ص۶۹؛حدیقۂ عشرت،ص۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۸۔

۸۔ بہارستان ناز،ص۱۰۱؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۳؛حدیقۂ عشرت،ص۱۱۔

۹۔ بہارستان ناز،ص۱۱۴؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۲۔

۱۰۔ بہارستان ناز،ص۱۱۶؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۵؛حدیقۂ عشرت،ص۱۳۔

۱۱۔ بہارستان ناز، ص۱۲۶؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۲؛حدیقۂ عشرت،ص۱۴؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۲۔

۱۲۔ بہارستان ناز، ص۱۱۰؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۴؛حدیقۂ عشرت،ص۱۲؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۹۔

۱۳۔ بہارستان ناز، ص۱۴۰؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۸؛حدیقۂ عشرت،ص۲۰؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۹۔

۱۴۔ بہارستان ناز، ص۱۳۱؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۷؛حدیقۂ عشرت،ص۱۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۸۔

۱۵۔ بہارستان ناز، ص۹۶؛تذکرۃ النساے نادری،ص۶۴؛حدیقۂ عشرت،ص۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۹۴۔

۱۶۔ بہارستان ناز، ص۱۷۷؛تذکرۃ النساے نادری،ص۸۱؛حدیقۂ عشرت،ص۳۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۴۰۔

۱۷۔ جواہر العجائب،۱۲۸،۱۲۶،۱۲۵،۱۲۴،۱۲۲؛مراۃ الخیال،ص۳۳۷۔ بہارستان ناز، ص۱۴۱؛ تذکرۃ النساے نادری،ص۸۷۔

۱۸۔ بہارستان ناز، ص۱۳۲؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۷؛حدیقۂ عشرت،ص۱۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۵۔

۱۹۔ بہارستان ناز، ص۱۲۵؛تذکرۃ النساے نادری،ص۷۵؛حدیقۂ عشرت،ص۱۳؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۲۵۔

۲۰۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۸۰؛حدیقۂ عشرت،ص۳۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۳۶۔

۲۱۔ جواہر العجائب،ص۱۳۶۔

۲۲۔ ایضاً،ص۱۳۰۔

۲۳۔ جواہر العجائب،ص۱۲۴؛مراۃ الخیال،ص۳۳۷؛آئینہ حیرت،ص۲۔

۲۴۔ جواہر العجائب،ص۴۱۸۔

۲۵۔ جواہرالعجائب،ص۴۰۸؛تذکرۃ النساے نادری،ص۱۹؛حدیقۂ عشرت،ص۵۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۶۲۔

۲۶۔ جواہر العجائب،ص۱۹۹؛ تذکرۃ النساے نادری،ص۱۰۸؛ تذکرۃ الخواتین،ص۱۰۸۔

۲۷۔ جواہر العجائب،ص۱۱۹،۱۱۸؛ تذکرۃ النساے نادری،ص۵۴۔

۲۸۔ جواہر العجائب،ص۱۱۹،۱۱۸؛ تذکرۃ النساے نادری،ص۵۴۔

۲۹۔ بہارستان ناز، ص۱۰۳؛تذکرۃ النساے نادری،ص۱۷؛حدیقۂ عشرت،ص۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۴۔

۳۰۔ بہارستان ناز، ص۹۷؛تذکرۃ النساے نادری،ص۱۷؛حدیقۂ عشرت،ص۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۶۔ مراۃالخیال،ص۱۳۷؛اخترتاباں،ص۷؛ جواہر العجائب،ص۱۲۹۔

۳۱۔ بہارستان ناز، ص۹۷؛تذکرۃ النساے نادری،ص۱۷؛حدیقۂ عشرت،ص۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۶۔ مراۃ الخیال،ص۳۳۶؛ جواہر العجائب،ص۱۲۹۔

۳۲۔ بہارستان ناز، ص۱۱۱؛تذکرۃ النساے نادری ص۷۳؛حدیقۂ عشرت،ص۱۲؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۸۸؛ مراۃ الخیال،ص۳۳۶۔

۳۳۔ جواہر العجائب،ص۱۲۹۔

۳۴۔ اخترتاباں،ص۱۳؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۵؛مراۃ الخیال،ص۳۳۷،۳۳۸؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۷۷،۷۵؛حدیقہ عشرت،ص۱۷؛جواہر العجائب،ص۱۲۸،۱۲۹۔

۳۵۔ حدیقہ عشرت،ص۱۸،۱۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۶،۲۰۵۔

۳۶۔ مراۃ الخیال،ص۳۳۹؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۹۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۲۸۴؛ بہارستان ناز،ص۲۳۷؛حدیقہ عشرت،ص۷۷۔

۳۷۔ تذکرہ حسینی،ص۳۵۹۔

۳۸۔ حدیقہ عشرت،ص۱۸،۱۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۶،۲۰۵۔

۳۹۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۸۸۔

۴۰۔ ایضاً،ص۱۱۲۔

۴۱۔ ایضاً۔ص۸۸۔

۴۲۔ تذکرہ حسینی،ص۲۰۴۔

۴۳۔ تذکرہ حسینی،۱۰۷،۲۰۴،۳۰۵،۳۳۹،۳۵۹،۴۶۰،۴۳۰،۴۳۱،۴۳۲،۴۸۳،۴۸۵۔

۴۴۔ تذکرۃ الخواتین،ص۲۱۷؛جواہر العجائب،ص۱۱۹۔

۴۵۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۸۱۔

۴۶۔ آتشکدہ آذر،ص۳۶۵،۳۶۰،۳۴۵،۸۸،۲۷؛تذکرۃ النساے نادری،ص۸۱۔

۴۷۔ آتشکدہ آزر،ز،ص۲۷؛ تذکرۃ النساے نادری،ص ۷۵۔

۴۸۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۱۱؛جواہر العجائب،ص۱۱۸۔

۴۹۔ آتشکدہ آزر،ز،ص۲۷ ؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۱۲۔

۵۰۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۹۱۔

۵۱۔ آتشکدہ آزر،ز،ص۲۷

۵۲۔ اخترتاباں،ص۴۳؛آئینہ حیرت،ص۷۔

۵۳۔ جواہر العجائب، ص۱۳۰۔

۵۴۔ تذکرۃ الخواتین،۱۹۲،۱۹۱،۱۹۰،۱۸۹؛اختر تاباں،ص۹،۸؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۰۴،۱۰۳؛حدیقہ عشرت،ص۱۲؛بہارستان ناز،ص۱۱۰۔

۵۵۔ نیاز سلطان پوری،اردو تذکرہ نگاری:١٨٣٥ کے بعد،ص٦٦۔

۵۶۔ حنیف نقوی،تلاش و معارف(لکھنؤ:سرفراز پریس،۱۹۸۷)،ص۲۳۴۔

۵۷۔ تذکرۃ الخواتین،ص۱۹۲؛اختر تاباں،ص۹۔

۵۸۔ اختر تاباں،ص۹۔

۵۹۔ ایضاً،ص۱۰۔

۶۰۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۰۴؛تذکرۃ الخواتین،۱۹۳؛اختر تاباں،ص۱۱؛بہارستان ناز،ص۱۱۸؛حدیقہ عشرت،ص۱۳۔

۶۱۔ اختر تاباں،ص۱۰؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۹۴؛تذکرۃ النسائےنادری،ص۱۰۵؛بہارستان ناز،ص۹۶؛حدیقہ عشرت،ص۸۔

۶۲۔ اختر تاباں،ص۱۴،۱۳،۱۲؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۰۶،۲۰۵؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۰۵،۱۰۶،۱۰۷؛بہارستان ناز،ص۱۲۵،۱۲۴؛حدیقہ عشرت،ص۱۷،۱۶،۱۳۔

٦٣۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۰۴؛تذکرۃ الخواتین،۱۹۳؛اختر تاباں،ص۱۱؛بہارستان ناز،ص۱۱۸؛حدیقہ عشرت،ص۱۳۔

۶۴۔ اختر تاباں،ص۳۳،۳۵؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۵۵،۲۴۱،۲۳۶؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۱۳،۱۱۱۔

۶۵۔ اختر تاباں،ص۵۰،۴۷،۴۶؛تذکرۃالخواتین،ص۲۷۲،۲۷۱،۲۸۴؛حدیقہ عشرت،ص۶۵ بہارستان ناز،ص۲۲۷۔

۶۶۔ اختر تاباں،ص۱۳؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۹۶؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۰۵،۱۰۶، ۱۰۷؛حدیقہ عشرت،ص۱۶۔

۶۷۔ اختر تاباں،ص۴۷؛تذکرۃ الخواتین،ص۲۸۰،۲۵۹؛تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۱۵۔

۶۸۔ اختر تاباں،ص۴۳؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۰۔

۶۹۔ ایضاً،ص۱۹۰۔

۷۰۔ ایضاً،ص۱۹۳۔

۷۱۔ ایضاً، ص۲۵۱،۲۵۰۔

۷۲۔ بہارستان ناز، ص۲۰۶؛تذکرۃ النساے نادری ص۸۳؛حدیقۂ عشرت، ص۲۱؛تذکرۃ الخواتین، ص۲۱۷۔

۷۳۔ تذکرۃ النساے نادری ص۷۹؛ تذکرۃ الخواتین، ص۲۲۵۔

۷۴۔ بہارستان ناز، ص۲۰۹؛تذکرۃ النساے نادری ص۸۱؛ تذکرۃ الخواتین، ص۲۴۱۔

۷۵۔ تذکرۃ النساے نادری ص۸۳۔

۷۶۔ ایضاً، ص۷۶۔

۷۷۔ ایضاً، ص۱۰۰۔

۷۸۔ ایضاً، ص۸۱۔

۷۹۔ ایضاً، ص۸۱۔

۸۰۔ ایضاً، ص۱۱۶۔

۸۱۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۸۶،۱۸۵۔

۸۲۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۸۶؛ تذکرۃ النساے نادری ص۱۰۵۔

۸۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص۲۰۸۔

۸۴۔ ایضاً، ص۲۱۴۔

۸۵۔ ایضاً، ص۲۱۸۔

۸۶۔ ایضاً، ص۲۴۹۔

۸۷۔ ایضاً، ص۱۹۷۔

۸۸۔ ایضاً، ص۲۲۵۔

۸۹۔ ایضاً، ص۲۳۲۔

۹۰۔ ایضاً، ص۲۴۳۔

۹۱۔ ایضاً، ص۲۶۲۔

۹۲۔ ایضاً، ص۲۶۳۔

۹۳۔ ایضاً، ص۲۸۵۔

۹۴۔ ایضاً، ص۲۱۹۔

۹۵۔ ایضاً، ص۲۰۹۔

۹۶۔ ایضاً، ص۲۰۳۔

۹۷۔ ایضاً، ص۲۱۷۔

۹۸۔ قدرت اللہ شوق، طبقات الشعرا مرتبہ نثار احمد فاروقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸)، ص۴۰۴۔

۹۹۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۱۶۷۔

۱۰۰۔ مسرت افزا، ص۲۳۳۔

۱۰۱۔ خوش معرکہ زیبا، ۲۰۸۔

۱۰۲۔ تاریخ اودھ، ۱۴۳؛ بیگمات اودھ، ص۲۴۵۔

۱۰۳۔ مسرت افزا، ص۲۳۳۔

۱۰۴۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۱۳۸، ۱۴۹۔

۱۰۵۔ باقی تذکروں میں اس کا نام کنچن ہے۔ قدیم املا میں ''گ'' اور ''ک'' میں فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔

۱۰۶۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۱۵۹۔

۱۰۷۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۱۵۹۔

۱۰۸۔ ایضاً، ص۱۳۸۔

۱۰۹۔ ایضاً، ص۲۰۲۔

۱۱۰۔ ایضاً، ص۲۰۰۔

۱۱۱۔ ایضاً، ص۱۷۳۔

۱۱۲۔ ایضاً، ص۱۵۹۔

۱۱۳۔ ایضاً، ص۱۳۷۔

۱۱۴۔ ایضاً، ص۲۰۰۔

۱۱۵۔ ایضاً، ص۱۱۹، ۱۶۶۔

۱۱۶۔ ایضاً، ص۱۴۸۔

۱۱۷۔ ایضاً، ص۱۳۶، ۱۸۹۔

۱۱۸۔ ایضاً، ص۱۸۹۔

۱۱۹۔ ایضاً، ص۱۶۷۔

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۱۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۲۔

۱۲۳۔ ایضاً، ص ۱۳۷۔

۱۲۴۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۱۲۵۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔

۱۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔

۱۲۷۔ ایضاً، ص ۱۹۹، ۲۰۲۔

۱۲۸۔ جمیل احمد بریلوی، شاعرات اردو، ص ۱۵۱۔

۱۲۹۔ ایضاً، ص ۱۵۴۔

۱۳۰۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔

۱۳۱۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔

۱۳۲۔ ایضاً، ص ۲۰۰۔

۱۳۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۷۱۔

۱۳۴۔ تذکرۃ النساے نادری، ص ۱۹۱۔

۱۳۵۔ سخن شعرا، ص ۲۷۲؛ دستور الفصاحت، ص ۱۰۳؛ ذاکر حسین، امام بخش صہبائی کی علمی و ادبی خدمات (پٹنہ: ڈاکٹر محمد ذاکر حسین، ۲۰۰۲)، ص ۱۰۳۔

۱۳۶۔ تذکرۃ النساے نادری، ص ۱۲۹۔

۱۳۷۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔

۱۳۸۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔

۱۳۹۔ ایضاً، ص ۲۲۴۔

۱۴۰۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۱۴۱۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۱۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۲۔

۱۴۳۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۱۴۴۔ ایضاً، ص۱۲۵۔

۱۴۵۔ ایضاً، ص۱۶۶۔

۱۴۶۔ ایضاً، ص۱۷۸۔

۱۴۷۔ ایضاً، ص۱۷۹۔

۱۴۸۔ ایضاً، ص۱۷۹۔

۱۴۹۔ ایضاً، ص۱۸۳۔

۱۵۰۔ ایضاً، ص۱۹۶۔

۱۵۱۔ ایضاً، ص۱۹۷۔

۱۵۲۔ ایضاً، ص۲۰۵۔

۱۵۳۔ ایضاً، ص۱۳۱۔

۱۵۴۔ ایضاً، ص۱۹۱۔

۱۵۵۔ ایضاً، ص۱۸۲۔

۱۵۶۔ ایضاً، ص۱۷۴۔

۱۵۷۔ ایضاً، ص۱۲۴۔

۱۵۸۔ ایضاً، ص۱۳۲۔

۱۵۹۔ ایضاً، ص۱۴۲۔

۱۶۰۔ ایضاً، ص۱۹۶۔

۱۶۱۔ ایضاً، ص۱۵۶۔

۱۶۲۔ ایضاً، ص۱۱۳۔

۱۶۳۔ ایضاً، ص۱۷۹۔

۱۶۴۔ ایضاً، ص۱۸۰۔

۱۶۵۔ ایضاً، ص۱۸۰۔

۱۶۶۔ ایضاً، ص۱۷۸۔

۱۶۷۔ ایضاً، ص۱۷۷۔

۱۶۸۔ ایضاً، ص۱۷۳۔

۱۶۹۔ ایضاً، ص ۱۷۲۔

۱۷۰۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۱۷۱۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔

۱۷۲۔ ایضاً، ص ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶۔

۱۷۳۔ ایضاً، ص ۱۶۵، ۱۶۴۔

۱۷۴۔ ایضاً، ص ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷۔

۱۷۵۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔

۱۷۶۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۱۷۷۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۱۷۸۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۱۷۹۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۱۸۰۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

۱۸۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔

۱۸۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۱۸۳۔ ایضاً، ص ۱۲۹۔

۱۸۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔

۱۸۵۔ ایضا، ص ۱۱۷۔

۱۸۶۔ ایضاً، ص ۹۶۔

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۹۶۔

۱۸۸۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۱۸۹۔ ایضاً، ص ۵۵۔

۱۹۰۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۱۹۱۔ ایضاً، ص ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸۔

۱۹۲۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔

۱۹۳۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۱۹۴۔ ایضاً،ص۱۲۵۔

۱۹۵۔ ایضاً،ص۱۸۴۔

۱۹۶۔ امداد صابری،گلدستہ صحافت(دہلی: نعمانی پریس،۱۹۸۴ء)،ص۱۷۴۔

۱۹۷۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۲۱۳۔

۱۹۸۔ ایضاً،ص۲۱۶۔

۱۹۹۔ ایضاً،ص۲۱۷۔

۲۰۰۔ ایضاً،ص۲۱۹۔

۲۰۱۔ ایضاً،ص۲۱۹۔

۲۰۲۔ ایضاً،ص۲۲۰۔

۲۰۳۔ ایضاً،ص۲۲۳،۲۲۱۔

۲۰۴۔ ایضاً،ص۲۱۲۔

۲۰۵۔ ایضاً،ص۲۱۶۔

۲۰۶۔ ایضاً،۲۱۶۔

۲۰۷۔ ایضاً،ص۲۲۳۔

۲۰۸۔ ایضاً،ص۲۱۳۔

۲۰۹۔ ایضاً،ص۲۱۴۔

۲۱۰۔ ایضاً،ص۲۱۶۔

۲۱۱۔ ایضاً،ص۲۲۴،۲۲۳۔

۲۱۲۔ ایضاً،ص۲۲۰۔

۲۱۳۔ گلدستہ صحافت،ص۱۶۸۔

۲۱۴۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۲۰۸۔

۲۱۵۔ ایضاً،ص۲۰۸۔

۲۱۶۔ ارباب نشاط،ص۲۔

۲۱۷۔ ایضاً،ص۳۔

۲۱۸۔ ایضاً،ص۳

۲۱۹۔ ایضاً، ص۳۔

۲۲۰۔ ایضاً، ص۴۔

۲۲۱۔ ایضاً، ص۴۔

۲۲۲۔ ایضاً، ص۷۔

۲۲۳۔ ایضاً، ص۸۔

۲۲۴۔ ایضاً، ص۸۔

۲۲۵۔ ایضاً، ص۹۔

۲۲۶۔ ایضاً، ص۱۰۔

۲۲۷۔ ایضاً، ص۱۷۔

۲۲۸۔ ایضاً، ص۱۷۔

۲۲۹۔ ایضاً، ص۱۸۔

۲۳۰۔ ایضاً، ص۱۸۔

۲۳۱۔ ایضاً، ص۱۸۔

۲۳۲۔ ایضاً، ص۱۹۔

۲۳۳۔ ایضاً، ص۲۸۔

۲۳۴۔ ایضاً، ص۳۱۔

۲۳۵۔ ایضاً، ص۲۵،۲۲۔

۲۳۶۔ ایضاً، ص۲۶۔

۲۳۷۔ ایضاً، ص۲۷۔

۲۳۸۔ ایضاً، ص۲۸۔

۲۳۹۔ ایضاً، ص۳۰۔

۲۴۰۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۲۱۵۔

۲۴۱۔ ایضاً، ص۲۱۹۔

۲۴۲۔ ایضاً، ص۲۱۹۔

۲۴۳۔ ایضاً، ص۲۲۰۔

۲۴۴۔ ایضاً، ص ۲۲۰۔

۲۴۵۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۸۵۔

۲۴۶۔ ایضاً، ص ۲۷، ۱۶۹۔

۲۴۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۲۴۸۔ شاعرات اردو، ص ۲۱۹۔

۲۴۹۔ ایضاً، ص ۲۵۸۔

۲۵۰۔ ایضاً، ص ۲۶۲۔

۲۵۱۔ ایضاً، ص ۲۶۶۔

۲۵۲۔ ایضاً، ص ۳۰۱۔

۲۵۳۔ ایضاً، ص ۲۶۸۔

۲۵۴۔ ایضاً، ص ۴۴۳۔

۲۵۵۔ ایضاً، ص ۵۵۲۔

۲۵۶۔ ایضاً، ص ۲۶۶، ۲۵۸، ۲۳۹۔

۲۵۷۔ ایضاً، ص ۲۸۵، ۲۴۳، ۲۸۱۔

۲۵۸۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۳۹۔

۲۵۹۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۲۶۰۔ امداد صابری، تاریخ صحافت۔ جلد اول (کلکتہ، حسن زمان، ۱۹۵۳)، ص ۵۸۔

۲۶۱۔ تذکرۃ النساے نادری، ص ۲۱۴۔

۲۶۲۔ تاریخ صحافت، ص ۳۲۵۔

۲۶۳۔ تذکرۃ النساے نادری، ص ۸۵۔

۲۶۴۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۲۶۵۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۲۶۶۔ ایضاً، ص ۵۹۔

۲۶۷۔ ایضاً، ص ۵۹۔

۲۶۸۔ ایضاً، ص ۶۰، ۶۱۔

۲۶۹۔ تاریخ صحافت،ص۵۹۔

۲۷۰۔ شاعرات اردو،ص۵۴۷۔

۲۷۱۔ تاریخ صحافت،ص۲۷۵۔

۲۷۲۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۱۵۵۔

۲۷۳۔ ایضاً،ص۲۱۴۔

۲۷۴۔ ایضاً،ص۲۲۳۔

۲۵۷۔ ایضاً،ص۱۲۴۔

۲۷۶۔ ایضاً،ص۱۲۷۔

۲۷۷۔ تذکرۃ الخواتین،ص۸۔

۲۷۸۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۱۲۸۔

۲۷۹۔ تذکرۃ الخواتین،ص۷۹۔

۲۸۰۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۱۲۸۔

۲۸۱۔ ایضاً،ص۱۳۵۔

۲۸۲۔ ایضاً،ص۱۴۱۔

۲۸۳۔ ایضاً،ص۱۲۷۔

۲۸۴۔ ایضاً،ص۱۶۰،۱۴۸۔

۲۸۵۔ ایضاً،ص۱۷۸،۱۶۵۔

۲۸۶۔ ایضاً،ص۱۹۸،۱۹۶۔

۲۸۷۔ ایضاً،ص۲۰۵۔

۲۸۸۔ شاعرات اردو،ص۴۸۹۔

۲۸۹۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۱۸۸۔

۲۹۰۔ شاعرات اردو،ص۳۵۰،۳۳۴۔

۲۹۱۔ تذکرۃ الخواتین،ص۷۵۔

۲۹۲۔ ایضاً،ص۸۳۔

۲۹۳۔ شاعرات اردو،ص۵۸۵۔

۲۹۴۔ ایضا، ص۲۳۰، ۲۷۰۔

۲۹۵۔ ایضاً، ص۷۰۲۹۵، ۷۰۸، ۷۱۱، ۷۱۲، ۲۶۴، ۲۰۷، ۲۲۱، ۵۸۵، ۳۳۳، ۳۵۰۔

۲۹۶۔ ایضاً، ص ۵۸۵، ۳۳۳، ۳۵۰، ۷۰۲۹۵، ۷۰۸، ۷۱۱، ۷۱۲، ۲۶۴، ۲۰۷، ۲۲۱۔

۲۹۷۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۱۲۷۔

۲۹۸۔ ایضاً، ص۱۲۸۔

۲۹۹۔ ایضاً، ص۱۲۹۔

۳۰۰۔ ایضاً، ص۱۳۳۔

۳۰۱۔ ایضاً، ص۱۴۱۔

۳۰۲۔ ایضاً، ص۱۴۳۔

۳۰۳۔ ایضاً، ص۱۵۳۔

۳۰۴۔ ایضاً، ص۱۵۳۔

۳۰۵۔ ایضاً، ص۱۵۵۔

۳۰۶۔ ایضاً، ص۱۶۰۔

۳۰۷۔ ایضاً، ص۱۶۶۔

۳۰۸۔ ایضاً، ص۱۷۰۔

۳۰۹۔ ایضاً، ص۱۷۴۔

۳۱۰۔ ایضاً، ص۱۷۸۔

۳۱۱۔ ایضاً، ص۱۷۹۔

۳۱۲۔ ایضاً، ص۱۸۰۔

۳۱۳۔ ایضاً، ص۱۷۶۔

۳۱۴۔ ایضاً، ص۱۷۸۔

۳۱۵۔ ایضاً، ص۱۸۹۔

۳۱۶۔ ایضاً، ص۱۸۹۔

۳۱۷۔ ایضاً، ص۱۹۹۔

۳۱۸۔ ایضاً، ص۱۹۲۔

۳۱۹۔ ایضاً، ص۱۸۹۔

۳۲۰۔ ایضاً، ص۲۰۶۔

۳۲۱۔ ایضاً، ص۱۹۸۔

۳۲۲۔ ایضاً، ص۲۰۱۔

۳۲۳۔ ایضاً، ص۲۰۱۔

۲۲۴۔ ایضاً، ص۲۰۳۔

۳۲۵۔ تذکرۃ الخواتین، ص۳۳۔

۳۲۶۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

۳۲۷۔ شاعرات اردو، ص۱۸۹۔

۳۲۸۔ ایضاً، ص۷۵۴۔

۳۲۹۔ ایضاً، ص۵۰۲۔

۳۳۰۔ ایضاً، ص۲۳۰۔

۳۳۱۔ ایضاً، ص۳۴۰،۲۲۹،۲۶۷۔

۳۳۲۔ ایضاً، ص۲۸۵۔

۳۳۳۔ ایضاً، ص۴۰۲،۴۰۱،۴۰۰۔

۳۳۴۔ ایضاً، ص۴۰۷۔

۳۳۵۔ ایضاً، ص۵۴۷،۳۰۱۔

۳۳۶۔ ایضاً، ص۳۴۷۔

۳۳۷۔ ایضاً، ص۵۶۶،۵۵۰،۵۶۸۔

۳۳۸۔ ایضاً، ص۷۵۲،۶۳۸،۶۰۵،۵۹۲۔

۳۳۹۔ ایضاً، ص۷۶۳،۷۱۲۔

۳۴۰۔ تذکرۃ النساے نادری، ص۹۶۔

۳۴۱۔ ایضاً، ص۵۴۔

۳۴۲۔ ایضاً، ص۵۴۔

۳۴۳۔ ایضاً، ص۵۴۔

۳۴۴۔ ایضاً،ص۵۵۔

۳۴۵۔ ایضاً،ص۵۵۔

۳۴۶۔ ایضاً،ص۵۵۔

۳۴۷۔ ایضاً،ص۵۵۔

۳۴۸۔ ایضاً،ص۵۵۔

۳۴۹۔ ایضاً،ص۱۷۷۔

۳۵۰۔ ایضاً،ص۸۴۔

۳۵۱۔ شاعرات اردو،ص۷۱۔

۳۵۲۔ ایضاً،ص۷۲۔

۳۵۳۔ ایضاً،ص۷۲۔

۳۵۴۔ ایضاً،ص۷۵۔

۳۵۵۔ ایضاً،ص۹۲۔

۳۵۶۔ ایضاً،ص۵۹۔

۳۵۷۔ ایضاً،ص۷۱۔

۳۵۸۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۴۹۔

۳۵۹۔ شاعرات اردو،ص۶۹۔

۳۶۰۔ تذکرۃ النساے نادری،ص۶۹۔

۳۶۱۔ ایضاً،ص۱۴۔

باب چہارم:

تذکروں میں رسمیات تحقیق کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

باب چہارم:

تذکروں میں رسمیات تحقیق کا تنقیدی مطالعہ

زیر نظر باب میں تحقیق کے لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے تذکروں میں رسمیات تحقیق کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے گا۔تذکروں میں تحقیقی معیار کی جانچ پڑتال کے لیے ایک نظریاتی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا ہے جس کو بنیاد بنا کر تذکروں کے تحقیقی معیار کو دیکھا جائے گا اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ ان تذکروں نگاروں نے تحقیق کے کن کن لوازمات کو مد نظر رکھا ہے اور کون کون سے اصولوں کی پیروی کی ہے اور مجموعی طور پر ان تذکروں کا معیار تحقیق کیا ہے؟لیکن اس سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نظری فریم ورک کیا ہے؟ تحقیق میں اس کی کیا اہمیت وافادیت ہے؟اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اور ایک تحقیقی مقالے میں اس کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے۔

اکیسویں صدی سائنس و دریافت کی صدی ہے۔پوری دنیا انقلابی تبدیلیوں کی زد میں ہے۔زندگی کے ہر شعبے میں مقابلے کی فضا موجود ہے۔عالمگیرت کے باعث عالمی منظر نامے پر جہاں زندگی کے ہر شعبے میں حیرت انگیز طور پر تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں،وہیں زبان وادب کا شعبہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔زبان وادب میں جہاں دوسری اصناف میں تبدیلیاں رونما ہوئیں،وہیں تنقید کے شعبے میں بھی غیر معمولی تبدیلیاں آئیں۔ان انقلابی تبدیلیوں کی وجہ سے زبان وادب کو ماپنے کے نئے پیمانے اور معیارات مقرر ہوئے اور ادب کا مطالعہ ان نئے پیمانوں اور معیارات کی روشنی میں کیا جانے لگا۔ادب کو ان متنوع علوم کی بصیرت،نئے نظریات اور نئے معیارات اور پیمانوں کی روشنی میں پڑھنے اور جانچنے کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔زبان وادب کا مطالعہ بھی روایتی طریقوں کے بجائے جدید سائنسی اصولوں کی روشنی میں کیا جارہا ہے۔نئے تنقیدی نظریات سامنے آرہے ہیں،جن کو بنیاد بنا کر ادبی مطالعے پیش کیے جارہے ہیں۔انگریزی زبان میں اس طرح کے ادبی متون پر ان نظریات کے اطلاق کا سلسلہ نیا نہیں ہے لیکن اردو ادب میں ادبی متون پر ان نظریات کا اطلاق بیسویں صدی میں ساٹھ کی دہائی کے بعد ہوا۔جب ساختیات اور پس ساختیات کے مباحث نے سر اٹھایا اور ادبی متون کا مطالعہ ساختیات اور پس ساختیات کے تناظر میں کیا جانے لگا۔

تھیوریز دراصل ادب کو سمجھنے کا ایک پیمانہ ہیں۔جیسے ان نظریات میں ساختیات،پس ساختیات،رد تشکیلیت،جدیدیت،مابعد جدیدیت،تانیثیت،ماحولیاتی تنقید وغیرہ۔ان نظریات نے ادب کو سمجھنے کے لیے کچھ اصول یا تنقیدی آلات فراہم کیے ہیں جن کو مد نظر رکھتے ہوئے ادبی متون کا تجزیہ و مطالعہ کیا جاتا ہے،جیسے رد تشکیل میں متن کی مختلف معنیاتی پرتوں کی گرہ کشائی کی جاتی ہے۔تانیثیت میں صنفی مطالعات کیے جاتے ہیں۔پس ساختیاتی

اور مابعد نوآبادیات میں ادبی متون کے نئے معنوی انسلاکات کی گرہ کشائی کی جاتی ہے۔ یہ نظریات نئے تنقیدی آلات ہیں جو ادبی متون کی تعبیر و تجزیے کا عمل ایک نئے زاویے سے کرتے ہیں۔

تحقیقی مقالے میں کسی بھی نظریے کا اطلاق بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ تھیوری اصل میں ایک نظریہ ہے۔ کوئی بھی تحریر ایک مخصوص سوچ اور نظریے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ اسی مخصوص سوچ اور نظریے کو معلوم کرنے کے لیے تھیوریوں کا وجود عمل میں آتا ہے۔ جب یہ معلوم کرنا ہو کہ متن سے کیا چیز اخذ کرنی ہے یا کون سی چیز اخذ ہوتی ہے اور اپنے مطلوبہ متن سے نتائج اخذ کرنے کے لیے یہ ادبی تھیوریاں ہمیں نظریاتی ڈھانچے کی طرف راہ دکھاتی ہیں۔ یہ نظریاتی ڈھانچہ مختلف نظریات کی مدد سے تشکیل دیا جاتا ہے۔ جس میں باقاعدہ طور کسی کام کو کرنے کے لیے ایک منظم طریقہ کار وضع کیا جاتا ہے اور اس طریقہ کار کا اطلاق کسی بھی متن پر لاگو کر کے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اصل میں تحقیق کا مسئلہ کیا ہے اور اسے کس طریقے سے حل کیا جائے گا۔ یہی نظریاتی فریم ورک تحقیقی مقالے میں ایک راہنما کا کردار ادا کرتا ہے جو مقالے کے تعبیر و تجزیے کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتا ہے اور ایک حتمی راہ فراہم کرتا ہے جو مقالے کی بنیاد ہوتی ہے۔

تحقیق میں نظری خاکے کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے کیوں کہ جدید تحقیق کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی متن کے تجزیے کے لیے کسی نظریاتی ڈھانچے یا فریم ورک کا استعمال عمل میں لایا جائے اور اس فریم ورک کو بنیاد بنا کر کسی بھی متن پر اس کا اطلاق کر کے نتائج اخذ کیے جائیں۔

تحقیقی مقالے میں نظریاتی فریم کا اطلاق نئے نئے رخ سامنے لاتا ہے۔ یہ اپنی توجہ صرف متن پر مرتکز کرواتا ہے اور وہاں سے نت نئے معنی سامنے آتے ہیں۔ متن کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہ تحقیقی سوالات کے جوابات تلاشنے میں معاونت فراہم کرتا ہے۔ فریم ورک کا استعمال کسی بھی متن کو معروضی اور سائنسی بناتا ہے اور استدلال پیدا کرتا ہے۔

موضوع کی قدر و قیمت کو بڑھاتا ہے۔ وضاحتی اور تجرباتی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے تحقیقی خاکے کی تیاری میں بھی معاونت فراہم کرتا ہے۔ نظریاتی فریم ورک بلاشبہ تحقیقی مقالے کی وقعت، اہمیت اور حیثیت میں اضافہ کرتا ہے۔ نظریاتی فریم ورک کے ذریعے نہ صرف متون کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے بلکہ ادب کے مطالعے میں ایک نیا پن بھی متعارف ہوتا ہے۔ فریم ورک کے اطلاق کے ذریعے ہی سے تحقیق میں سائنسی ثبوت مہیا کر کے اپنی تحقیق کو رائے و تاثر کے بجائے معروضی طریقے سے نتائج برآمد کیے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان و ادب میں اس طرح کی تحقیق کو اہمیت دی جاتی ہے۔ البتہ اردو ادب میں اس طرح کے تحقیقی مطالعات کا رجحان بیسویں صدی میں ساٹھ کی دہائی کے بعد سامنے آنا شروع ہوا۔ جس کے نتیجے میں بیسویں صدی میں کیے جانے والے تحقیقی مطالعات

اور ساٹھ کی دہائی کے بعد ہونے والے مطالعات میں واضح فرق دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جدید نظریات نے ادب کے میدان میں قدم رکھا تو ان نظریات کی وجہ سے متن کو ماپنے، دیکھنے اور سمجھنے کے پیمانے اور معیارات نہ صرف بدل گئے، بلکہ متن تو وہی رہا لیکن ان کے دیکھنے کے زاویے میں بڑی حد تک تبدیلی آئی۔ ان تھیوریوں سے پہلے ادب کو دیکھنے کا کوئی ایسا طریقہ کار یا ڈھانچا موجود نہیں تھا جس کی مدد سے ادب کا ہر سمت میں مطالعہ و تجزیہ کیا جاسکے۔ ادب کا ماپنے کا یہ طریقہ یا سانچہ نظریاتی فریم ورک نے فراہم کیا۔ مغرب میں اس طرح کی جانے والی کئی تحقیقات سامنے آچکی ہیں لیکن اردو ادب میں اب اس طرح کی تحقیقات کا رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ نظریاتی ڈھانچے کی مدد سے ادب کا مطالعہ و تجزیہ کیا جا رہا ہے، چاہے تحقیق کا شعبہ ہو یا فکشن کی تنقید کا ان کے تعبیر و تجزیے کے لیے کسی نہ کسی نظریاتی ڈھانچے کا اطلاق کیا جاتا ہے اور نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

زیر نظر تحقیق اردو شاعرات کے تذکروں کے تحقیقی معیار کے مطالعے پر مشتمل ہے۔ شاعرات کے ان تذکروں میں تحقیقی معیار کو دیکھنے کے لیے حافظ محمود شیرانی کے مقالات اور ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی کتاب اصول تحقیق و ترتیب متن میں پیش کردہ نکات کی بنیاد پر ایک نظری ڈھانچا ترتیب دیا گیا ہے جس کا اطلاق ان زیر تحقیق تذکروں پر کر کے نتائج مرتب کیے جائیں گے۔ اس نظری ڈھانچے میں جن نکات کی بنا پر زیر نظر تذکروں کا مطالعہ و تجزیہ کیا جائے گا، وہ حسب ذیل ہیں:

ارتکاز:

ارتکاز سے مراد یہ ہے کہ زیر تحقیق متن میں متعلقہ مواد کو غیر متعلقہ مواد سے علیحدہ کیا گیا ہے یا نہیں اور محقق نے کن امور پر توجہ مرکوز کی ہے اور کن امور کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر کسی تذکرے میں متعلقہ شاعر (خواہ وہ خاتون ہو یا مرد) کی شکل و صورت کے بیان پر زیادہ توجہ دی گئی ہے یا اس کے کلام کی خوبیوں یا خامیوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ اصول اس لیے اہمیت رکھتا ہے کہ خواتین کے تذکروں میں عام طور پر ان نکات کو نظر انداز کیا گیا ہے جو مرد شعرا کے تذکروں میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی شکل و صورت اور دیگر شخصی کوائف کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔

تضاد:

اس اصول کی رو سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ محقق کے بیانات میں تضاد تو نہیں پایا جاتا۔ بعض اوقات کسی شاعر کے سوانح و آثار کے بارے میں اس شاعر کے بیان کے دوران ایک قسم کی بات لکھی جاتی ہے لیکن کسی اور شاعر کے بیان میں پہلے شاعر کے متعلق کوئی متضاد رائے سامنے آجاتی ہے جس سے اصل حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔

استدلالیت:

اس اصول کے مطابق ہر واقعے کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جیسے ہم دلیل کی مدد سے پہچان سکتے ہیں۔ دیکھا جانا چاہیے کہ شاعرات کے تذکروں میں جو واقعات درج کیے گئے ہیں ان کی کوئی عقلی و منطقی دلیل دی گئی ہے یا نہیں؟

معروضیت:

تذکرہ نگار کے لیے لازم ہے کہ اپنے پیش نظر مندرجات کے بارے میں قطعی طور پر غیر جانب دار رہے۔ ذاتی پسند و ناپسند کو دخل حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ اس اصول کی رو سے خواتین کے تذکرہ نگاروں کی معروضیت کو پرکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے لیے دیگر مآخذ سے تقابلی مطالعہ کرکے مصنفین کی معروضیت کو جانچا جائے گا۔

تحقیق متن:

متن میں الحاق اضافہ و تصرف نہ صرف خواتین بلکہ مرد شعرا کے معاملے میں بھی اکثر کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی ایک شاعر کے شعر کو کسی دوسرے شاعر سے منسوب کردینا وغیرہ۔ اس اصول کے تحت ایسے الحاق و اضافات کی نشان دہی کی جائے گی۔

ماخذات:

اس اصول کے تحت نہ صرف بنیادی و ثانوی ماخذات کو پرکھا جائے گا اور ان کی درجہ بندی کرکے یہ دیکھا جائے گا کہ تذکرہ نگاروں نے کن اور کس معیار کے ماخذات کا استعمال کیا ہے، بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کیا انھوں نے دیگر معاصر شہادتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے یا نہیں؟

ارتکاز:

تذکروں میں پیش کردہ افراد کا سرا سری ذکر کرنا فائدے مند نہیں ہوتا بلکہ تذکرہ نگار کو چاہیے کہ وہ فرد کی زندگی سے متعلق ضروری اور اہم امور پر مبنی معلومات کو قارئین کے سامنے پیش کرے۔ تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی فرد کی تعارفی پیش کش میں اس کی شخصیت کے اہم پہلوؤں کی نشاندہی کرے مثلاً لقب، تخلص، خطاب، کنیت، سال جائے پیدائش، اس کا زمانہ، ذریعہ معاش، مشغلے، احباب، سماجی رابطے اور کارگزاریاں وغیرہ۔ یعنی اس اصول کے ذریعے اخذ و ترک کا طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔ یعنی شخصیت کے حالات اور کارناموں کو اخذ کرنے اور جانچ پڑتال کے بعد غیر متعلقہ مواد کو الگ کرکے اس کی زندگی کے اہم اور ضروری پہلوؤں کی نشان دہی کرکے درج تذکرہ کی جائیں۔ تاکہ قارئین کسی بھی شخصیت کے اہم امور اور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرسکے اور اپنی رائے قائم کرسکیں۔ اردو شعرا کے کچھ تذکروں میں ان تمام پہلوؤں کا کسی نہ کسی حد تک التزام ملتا ہے اور کچھ تذکرہ نگاروں نے

شعرا کے حیات و سیرت کے ان پہلوؤں پر توجہ ضرور دی ہے لیکن اس کے برعکس شاعرات کے تذکروں میں شاعرات کے حیات و سیرت کے ان تمام پہلوؤں پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ شاعرات کے تذکرہ نگاروں نے شاعرات کی سیرت وحیات پر جامع روشنی ڈالنے کے علاوہ ان کے دیگر شخصی کوائف کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ اگر اس اصول کے محلات نظر کو اردو شعرا کے تذکروں کی نسبت اردو شاعرات کے تذکروں پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صورت حال کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان میں اردو تذکرہ نویسی کی تاریخ پر ہلکی سی نگاہ ڈالی جائے تو بے محل نہ ہو گی۔ ہندوستان میں تذکرہ نویسی کے تقریباً دو سو برس اور اردو شعرا کی تذکرہ نویسی کے تقریباً ایک سو برس بعد شاعرات کی تذکرہ نویسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان تین سو برس میں شعرا کے سیکڑوں تذکرے معرض وجود میں آئے لیکن بد قسمتی سے ہندوستان میں شاعرات کے چند ایک تذکرے نظر آتے ہیں اور وہ بھی فارسی شاعرات سے متعلق ہیں، لیکن تین سو برسوں میں اردو شاعرات کے کسی تذکرے کی نشاندہی نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں کچھ تذکرہ نویسوں نے شعرا کے ذکر کے ساتھ اکا دکا شاعرات کے ذکر کو بھی شامل کیا ہے، لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ شعرا کے تذکروں کے مقابلے میں شاعرات کے تذکروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔

اٹھارہویں صدی جہاں اردو زبان و ادب کی تاریخ میں عہد زریں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صدی میں ہمیں بحیثیت فن کار کسی بھی خاتون کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس صدی میں کسی خاتون کا شاعرہ ہونا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ دوسرا ماضی پر اگر نگاہ دوڑائی جائے تو مشرق کے سماجی ڈھانچے میں عورت کو ہمیشہ دوسرے درجے کی مخلوق سمجھتا رہا۔ اس کے فکر و خیالات پر معاشرتی ضابطوں کو مسلط کیا گیا۔ ان معاشرتی و سماجی ضوابطوں اور قوانین کی وجہ سے عورت کی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کے مواقع بہت کم میسر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم شاعری کی روایت میں شاعرات کا ذکر خال خال نظر آتا ہے۔ اسی طرح جب تذکرہ نویسی کا سلسلہ شروع ہوا تو شعرا کے سیکڑوں تذکرے لکھے گئے۔ لیکن انیسویں صدی کی آخری چند دہائیوں میں شعرا کے مقابلے میں قدیم شاعرات کے حالات و کلام کو جمع کرنے کی جو کوشش ہوئیں یا جو تذکرے منظر عام پر آئے بد قسمتی سے شعرا کے مقابلے میں شاعرات کے تذکروں کی تعداد ابہت کم نظر آتی ہے۔

اردو شعرا کی تذکرہ نویسی اپنے ارتقائی سفر میں مختلف تبدیلیوں سے گزری ہے۔ ان تذکرہ نگاروں نے کسی نے اصلاح سخن کی طرف توجہ دی، کسی نے شعرا کے حالات کو اختصار کے بجائے جامعیت کا جامہ پہنایا۔ ان میں سے بعض تذکرہ نگاروں نے شعرا کی سوانح کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ شعرا کے حالات زندگی کو تفصیل سے بیان کیا اور واقعات کی تاریخوں کا بھی تعین کیا۔ بعض نے تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے تذکرے لکھے۔ تذکرہ نویسی میں تاریخ

نگاری کا رجحان پیدا کیا۔ کسی تذکرہ نویس نے شعرا کی شخصیت پر زور دیا، کسی نے انتخاب کلام کو زیادہ قابل توجہ اور موزوں بنانے کی کوشش کی۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے اپنے تحقیقی و تنقیدی مزاج کی وجہ سے شعرا کا بہترین انتخاب کلام پیش کیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے سنین کا اہتمام کیا۔ کچھ تذکرہ نویسوں نے عہد اور طبقات قائم کر کے شعرا کو عہد اور طبقات میں تقسیم کر دیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لسانیات، زبان وادب کی ماہیت اور تاریخ سے بھی بحث کی ہے۔ تیسرا شعرا کے تذکرے مختلف النوع مقاصد کے تحت لکھے گئے جس کی وجہ سے ان تذکروں میں رنگا رنگی اور تنوع کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ شاعرات کے تذکروں میں نہ ہی تنوع اور رنگا رنگی کا عنصر نظر آتا ہے اور نہ ہی ان تذکروں میں تاریخی ترتیب یا شاعرات کے سوانحی کوائف اور نمونہ کلام میں بہتری نظر آتی ہے

ان کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شعرا کے مقابلے میں شاعرات کے حالات و کلام پورے طور پر دستیاب نہیں ہیں۔ بہت سی شاعرات ایسی ہیں۔ جن کے اصل نام تک معلوم نہیں ہو سکے، ان تذکروں میں زمانی تقسیم مفقود نظر آتی ہے جس کی وجہ سے ان شاعرات کے زمانے کا تعین کرنا بھی مشکل ہے کہ کون سی شاعرہ کس عہد سے تعلق رکھتی تھی۔ اکثر شاعرات کے ذیل میں سنین پیدائش اور وفات کا تعین بھی نہیں ملتا اور نہ ہی ان کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ نمونہ کلام میں صرف ایک دو شعر اور کہیں کہیں صرف ایک مصرع پیش کر دیا گیا ہے۔ ان تذکروں میں اکثر شاعرات کے سنے سنائے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ ان کے دواوین کو بھی محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کی وجہ سے اس عہد کی کسی ایک شاعرہ کا دیوان بھی موجود نہیں ہے، سوائے چند ایک اشعار کے علاوہ جو ان تذکروں میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں شعرا کے تذکروں کے مقابلے میں ان تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے حالات و کلام کو بہتر بنانے سے زیادہ ان کی شکل و صورت پر اپنی توجہ مرتکز کی ہے۔

اردو شاعرات کے تذکروں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں بیشتر شاعرات کے حالات و کلام اس قدر مختصر ہیں کہ ان کا تجزیہ کرنا اور ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا اور کسی نتیجے پہنچنا یقیناً مشکل کام ہے ۔ تذکروں میں مذکور بیشتر شاعرات طوائفوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں طبقہ امرا اور عام گھریلو شاعرات بہت کم ہیں۔ البتہ ان تذکروں میں موجود بعض شاعرات کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے بعض شاعرات کے جو تھوڑے بہت حالات، واقعات کا اندراج کیا ہے، وہ زیادہ تر ان شاعرات کے کلام کی خوبیوں، خامیوں کی نشاندہی کرنے اور ان کے حالات اور نمونہ کلام کو بہتر اور موزوں بنانے، کے بجائے ان کے شخصی خدوخال کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تذکرہ نگاروں نے ان شاعرات کی شخصیت کے حالات اور قابل تعریف گوشوں کی گرہ کشائی کرنے کے بجائے، ان شاعرات کے شخصی حالات و کوائف کا مرقع پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ان تذکروں سے چند ایک مثالیں نقل کر کے پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ امیر جان امیر کے بارے میں لکھتے ہیں: "کہتے ہیں کہ بہت بھلے مانسوں کو ٹیڑی کی طرح چاٹ گئی۔"[۱]

۲۔ اچپل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " آنکھوں کے اندھوں، گانٹھ کے پوروں کا مال چکھوں سے لے لینا اس کا کام ہے۔۔۔ سنا ہے کہ رنڈی ہے بقول اودھ پنچ شہر برباد کی پگڈنڈی ہے"۔[۲]

۳۔ بیگم (رشک محل) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "دل اب بھی کھلا ہوا ہے مگر چہرہ بزیر نقاب ہے۔"[۳]

۴۔ بدلا جان کے بارے میں رقم طراز ہیں: "یاروں کی یار ہے۔ عیاروں سے دن رات عیاری کا کام ہے۔ گو سانولی ہے مگر معشوق کی بھی آن ہے۔ کیوں حضرت! اس "گو کہ" کیا معنی ہیں؟ سانولی صورت میں کیا برائی ہے، مجنوں نے اسی رنگ پر تو خاک اڑائی ہے۔"

۵۔ پری کے بارے میں بارے میں لکھتے ہیں: " ناچنا، گانا، حاجت روائی، بوالہواساں ان کا کام ہے۔"[۴]

۶۔ سردار کے بارے میں لکھتے ہیں: "نہ بے حجابی کا غم ہے، نہ پردہ نشینی کی شادی۔۔۔ سائے میں براتیں اور بے سائے میں بے مغزوں کو چاند بجاتی ہیں۔"[۵]

۷۔ نازک کے بارے میں لکھتے ہیں:"نازک اندام، نقشہ اچھا مگر سیاہ فام۔ مشکی رنگ، دنیا سے نرالے ڈھنگ۔ بی کالی فتن نام، دانا آدمی کو بے وقوف بنالینا اس پر تمام۔"[۶]

۸۔ مشتری کے بارے میں لکھتے ہیں: "اپنے تئیں فلک چہارم سے بھی بلندی پر سمجھتی ہے۔ جب کمان زبان کو کوزہ کرتی ہے تو بے تحاشا زبان آوران زمان کو گرم و سرد سناتی ہے، اپنے نزدیک اوروں کو مچھلی کی طرح بھونتی ہے۔۔۔ گویا یہ مردانہ دم مارتی ہے مگر ان کے روبرو اس کی تمام نفسانیتیں بے سود ہیں۔"[۷]

۹۔ اچپل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " اس کے مزاج کی اچپلاہٹ کو دیکھیے کہ چلبلاہٹ کے مارے اپنا احوال بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔[۸]

۱۰۔ آرائش کے بارے میں لکھتے ہیں: "کبھی بازار دہلی کی زیبائش بڑھاتی تھی، اب کسی کے گھر کی نمائش کر رہی ہے۔"[۹]

۱۱۔ حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں: "حسن خداد کی شعاعیں چھن چھن کر آرہی ہوں اور مشتقان دیدار کو محو تماشا

بنا رہی ہوں۔[۱۰]

۱۲۔ شرم کے بارے میں لکھتی ہیں: "یہ شگوفہ رعنائی اسی سرزمین سے پھوٹا، یہیں نشو و نما پا کر کھلا اور بالآخر عمر طبعی کو پہنچ کر یہی مرجھا گیا۔"[۱۱]

۱۳۔ ناز دومی کے بارے میں لکھتے ہیں:" نہایت شوخ مزاج، بڑی چالاک،زبان دراز،چال باز،چلتی اوزار،رنڈیوں میں مشہور روزگار ہے۔"[۱۲]

۱۴۔ نازک کے بارے میں لکھا ہے: "چال بازی کہ اپنا ثانی نہ رکھا۔۔۔جو اس کے پنجے میں پھنسا،اس کے چھکے چھوٹے گئے۔اس آفت جاں کی بدولت ایک دو بے چارے مارے بھی گئے۔ بعض اس کی کھیکھڑ سہارے گئے۔"[۱۳] وہ مزید لکھتے ہیں:" ایک دفعہ بہروپن نے شہزادی کے بھیس میں ایک رئیس زادہ کو،دام تزویر میں پھنسایا۔۔۔اس سادہ لوح کو چٹخادیا۔ باوجود ایسی چالاکیوں کی یہ دل ربا، فریب دل اپنے آشناؤں کی ایسی خاطر مدارت کرتی تھی کہ جس کی نظیر میں نے کئی اور نہیں دیکھی۔یہ مثل اسی کے واسطے درست ہے۔"آن سے مارے،تان سے مارے،ران سے مارے،جان سے مارے"[۱۴]

۱۵۔ زہرہ پانچویں کے بارے میں لکھتے ہیں:" یہ رنڈیاں منہ زور مشہور ہیں۔اچھے اچھے استادوں پر طعن کرتی ہیں،
شاید تخلص کے اثر سے آسمان پر ماؤں دھرتی ہیں۔"[۱۵]

۱۶۔ گوہر پڑتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:" سلطان پور کے مدرسہ نسواں میں کسب کمال کیا۔طغری ظہوری کے سارے ورق چاٹ گئیں۔انگریزی کتابوں کو پوٹین کی طرح نگل گئی۔"[۱۶]

۱۷۔ امیر کے سلسلے میں لکھا: "رشک حسن فروشان بازاری ہے۔بے وفائی کی دوست اور دشمنِ وفاداری ہے۔"[۱۷]

۱۸۔ کمن کے بارے میں لکھتے ہیں:" بھرت پور کے کسی بازار میں بیٹھتی تھی،شام کے وقت اس کی دکان پر مجوہ بھنگ نوشاں ہوتا۔جب سب کو نشے چڑھتے تو باہم ان کو خوب چھننتی۔رفتہ رفتہ ضلع جگت پھکڑپن میں طاق اور شہرہ آفاق ہوگئی۔"[۱۸]

۱۹۔ بزرگی کے بارے میں لکھتے ہیں:" ایک کشمیری کنجری،یعنی کسبی تھی۔"[۱۹]

۲۰۔ کمن کے بارے میں لکھا ہے:"کمن نامی بازار بھرت پور کی بھنگیرن، سبزہ رنگ تھی، جس کے سامنے ضلع جگت اور پھکڑپن میں اچھے اچھوں کی عقل دنگ تھی۔"[۲۰]

۲۱۔ صنوبر کے بارے میں لکھتے ہیں:" جالندھر کی طوائفوں میں کوئی کنجری تھی جو مدت تک دہلی میں رہ کر رہ گرائے عقبا ہوئی۔"[۲۱]

تذکروں میں مذکور بہت سی شاعرات ایسی ہیں، جن کے اصل نام اور تخلص بھی معلوم نہیں ہے۔ اگر بعض کا نام معلوم ہے تو تخلص معلوم نہیں اور تخلص معلوم ہے تو نام معلوم نہیں۔ مثلاً چند ایک مثالوں کی فہرست ان تذکروں سے منتخب کر کے ذیل میں دی جارہی ہے۔

۱۔ ہوس کے بارے میں لکھتے ہیں: " ہوس تخلص کسی مجہول الحال کی یہ مقال ہے۔"[۲۲]

۲۔ لاعلم؛"شعر لاحقہ کی نسبت سنا ہے کہ کسی عورت کا کلام ہے۔"[۲۳]

۳۔ ژاژ کے بارے میں لکھتے ہیں: " اس تخلص کی کوئی بازاری عورت تھی۔"[۲۴]

۴۔ طلب کے بارے میں لکھا ہے: " اگرچہ مجہول الحال ہے مگر شیریں مقال ہے۔"[۲۵]

۵۔ حاتم کے بارے میں لکھتے ہیں: " تخلص کسی پردہ نشین عورت کا ہے۔"[۲۶]

۶۔ تارا بیگم کے بارے میں رقم طراز ہیں: "تارا بیگم مجہول الحال کی یہ مقال ہے، صاف صاف بول چال ہے۔"[۲۷]

۷۔ " آرزو تخلص کی کوئی سمرقندی خوش گو تھی۔"[۲۸]

۸۔ "آرزوئی تخلص کی یہ خوش خیال بھی سمرقندی تھی۔"[۲۹]

درج بالا امثلہ سے ان شاعرات کے نام، تخلص اور ان ایک ایک شعر یا مصرعے کے علاوہ کسی بھی قسم کی معلومات نہ ان تذکرہ نگاروں نے فراہم کی ہیں اور نہ ہی کہیں سے ان کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان سرسری اور سطحی معلومات کے اندراج کی وجہ سے بہت سی شاعرات کا وجود بھی مشتبہ نظر آتا ہے، ان کو پہچاننا اور ان کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شاعر بھی ہیں یا نہیں یا جو اشعار تذکروں میں مذکور ہیں، وہ ان کے ہیں یا کسی اور کے۔

تذکروں میں شخصیت کے حالات کافی جانچ پڑتال کے بعد درج تذکرہ کرنے کے علاوہ تذکروں میں شاعروں کا معیاری کلام شامل کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے صاحب نگارشات کے نمونۂ نگارشات میں سے معیاری کلام کو منتخب کر کے درج کرنا ضروری ہے یعنی ہر شاعر کے کلام کو اس طرح سے منتخب کر کے درج کیا جائے جو نہ صرف صاحب نگارشات کے فکر و فن کی نمائندگی کرے بلکہ اس کے مطالعے سے اس کی فنی خوبیاں اور خامیاں پوری طرح عیاں ہو سکیں۔ نمونہ کلام کی پیش کش میں بھی اخذ و ترک کے اصول اور معیار کا پاس رکھنا اہمیت کا حامل ہے۔ قدیم تذکروں میں عموماً اس طرف سے بے اعتنائی نظر آتی ہے۔ بعض شعرا کے نمونہ کلام بہت طویل ہیں اور بعض شعرا کے نمونہ کلام میں صرف ایک شعر دیا گیا ہے۔ البتہ بعض تذکروں میں شعرا کے منتخبات کلام نہ صرف معیاری اور موزوں ہیں بلکہ شعرا کے دواوین سے ان کی بہترین کلام کو منتخب کر کے درج کیا گیا ہے۔ شعرا کے مقابلے میں شاعرات کے تذکروں

میں منتخبات کلام بھی انتہائی مختصر اور غیر معیاری ہیں۔ بلکہ شاعرات کے تمام تذکروں میں جو زیادہ تر نمونۂ اشعار کا اندراج ملتا ہے، وہ پست اور رکیک اشعار پر مبنی ہے، ان شاہدان بازاری کے کلام کا زیادہ تر حصہ فحاشی وابتذال پر مشتمل ہے جن کی مثالیں یہاں منتخب کر کے نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً

دلبر کا یہ شعر:

قسمت میں ہماری نہ ہوا، ہائے، صد افسوس!
اک روز لپٹ کر شب مہتاب میں سونا[30]

منی بائی حجاب کا یہ شعر:

ان سے کہہ دو ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی
وعدہ ہم سے ہو، رہو غیر کے گھر وصل کی رات
شوخ ہو، بے باک ہو، سفاک ہو، چالاک ہو
کیوں شب وصلت میں مجھ سے آپ شرمانے لگے[31]

زہرہ انبالوی کا یہ شعر:

جان جاتی ہے تمہارے ہجر میں
اب لپٹ جاؤ! خدا کے واسطے[32]

زہرہ لکھنوی:

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دس اور دیجیے
تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے[33]

شریں لکھنوی:

رات باقی ہے ٹھہر جا، ابھی جلدی کیا ہے
دلِ شیدا مجھے بیتاب نہ کر وصل کی رات[34]

زینب کا یہ شعر:

اجل جو حسرتِ بوس و کنار میں آئی
چمٹ کے قاتل نے خوب پیار کیا[35]

جان کا یہ شعر:

جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا
ایک بوسے پہ لے لو! ستا ہے[۳۶]

ناز کے یہ شعر:

منہ سے بولو تو سہی کاہے کی گھبراہٹ ہے
بات کی بات میں ہوتی ہے سحر وصل کی رات[۳۷]

صنم کے یہ شعر:

چھاگلیں یار کی کرتی ہیں قیامت برپا
سیکڑوں بار بجاتی ہیں گجر وصل کی رات[۳۸]

زہرہ کا یہ شعر:

بوسہ دیں گے نہ وہ تجھے زہرہ
منہ لگاتا ہے کون سائل کو[۳۹]

ہوس کا یہ شعر:

عمر انساں جس قدر بڑھ جائے ہے
اتنی ہی دیکھو ہوس ہو جائے ہے[۴۰]

ان تذکروں میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو سنے سنائے ہیں جن کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ ان کا کہا ہوا کلام ہے یا ان کے مداحوں میں سے کسی نے ان کے نام کر دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ علی کے بارے میں لکھتے ہیں: "پورب کے طالب علم کی زبانی میں نے سنا ہے کہ علی بخش نامی لکھنؤ کی شاہد بازری، صاحب دیوان، متمول و مخیر، حسینہ و جمیلہ؛ آتش و ناسخ کے زمانے میں شعلہ فشاں گزری ہے مگر افسوس کے اس شاعرہ کا صرف ایک ہی مصرع سنایا تھا، وہی لکھا گیا ہے":

ع الٰہی گھر گئے اب کس شتر قطار میں ہم"[۴۱]

۲۔ منور کے بارے میں رقم طراز ہیں: "سنا ہے کہ اچھے شعر کہتی ہے لیکن اس کا کلام ہاتھ نہیں آیا، صرف ایک مصرع سنا گیا ہے جو اس نے اپنے نام کے سجع میں کہا ہے۔

یاالٰہی! دل منور بخش!"[۴۲]

۳۔ مستور لکھنؤ کی کسی خانگی کا یہ شعر سنا گیا ہے:

خزاں میں بھی نہ کسی حال کم ہوئی وحشت

رہا ہے اپنا گریباں بے رفو برسوں [۴۳]

۴۔ ہلال کے بارے میں لکھتے ہیں: ”میں نے یہ شعر خود اس کی زبانی سنے ہیں، نہیں معلوم یہ اس کے شعر ہیں یا کسی کے۔

دیکھتا ہے جو کوئی غور سے ان کی جانب
ہاتھ رکھ لیتے ہیں وہ پھولوں کے رخساروں پر“ [۴۴]

ان شاہدان بازاری کے کلام کی بابت وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان کا کلام ہے یا کسی نے ان کے نام کر دیا ہے۔ کیونکہ تذکروں میں مذکور شاعرات کی اکثریت فرقہ بازاری سے تعلق رکھتی ہے۔ اس عہد میں کوٹھوں پر شعر و سخن کی محفلیں جمتی تھی، جہاں شرفا اور شعرا جاتے تھے، جس کی وجہ سے بعض شاعرات ان کی صحبت کی وجہ سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئیں یا ان کی صحبت نے انہیں شاعر بنا دیا اور بعض شاعرات دوسروں کے اشعار کو معمولی تغیر و تبدل کے بعد ان کو اپنے نام سے منسوب کر لیتی تھی۔ دوسرا درج بالا بیانات میں بہت سی شاعرات کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ صاحب دیوان شاعرات ہیں لیکن ان کے نمونہ کلام کا صرف ایک مصرع نقل کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا یہ صاحب دیوان شاعرات تھی یا نہیں۔ اگر تھیں تو صرف ان کا ایک شعر یا مصرع سب تذکروں میں کیوں درج ہے؟

تضاد:

اردو شاعرات کے تذکروں کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے نظر آتے ہیں، جہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگار اپنے بیانات کے سلسلے میں تضاد کا شکار نظر آتے ہیں۔ وہ کسی بھی شاعرہ کے سیرت و سوانح کو بیان کرتے ہوئے یا کسی خیال کو پیش کرتے ہوئے یا نمونہ کلام کا اندراج کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ پیچھے کیا لکھ آئے ہیں۔ یا کسی شاعرہ کے سوانح کے بیان میں کوئی بات لکھی جاتی ہے، جب کسی دوسری شاعرہ کے سوانح اور آثار کے بارے میں کوئی خیال یا بیان پیش کیا جاتا ہے تو پہلے شاعرہ کے بارے میں کوئی متضاد رائے سامنے آتی ہے جس سے اصل حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ مثلاً ان تذکروں میں بہت سے مقامات پر یہ تذکرہ نگار کسی ایک شاعرہ کے سوانح اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج کرتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ اسی شاعرہ کا ذکر دوسرے نام کے ساتھ کر کے وہی حالات اور اشعار لکھ دیتے ہیں جو وہ پہلی دفعہ کسی شاعرہ کے ذیل میں درج کر چکے ہوتے ہیں۔ اردو تذکروں میں اس قسم کی کئی مثالیں ملتی ہیں، ان متضاد بیانات کی تفصیل نیچے دی جا رہی ہے۔

۱۔ بادشاہ خاتون کا تذکرہ اردو تذکرہ نویسوں نے دو دو دفعہ لکھ دیا ہے۔ ایک جگہ بادشاہ خاتون کا تذکرہ ”ب“ کی ردیف کے تحت کیا ہے اور یہاں اسے شہزادی قطب الدین محمد سلطان کرمانی کی بیٹی لکھا ہے اور دوسری دفعہ

اسی شاعرہ کا ذکر ''ل'' کی ردیف کے تحت لالہ خاتون کے نام سے کیا ہے۔ یہاں یہ لکھا ہے کہ لالہ خاتون نامی مردانہ، بنت قطب الدین محمد ولایت کرمان کی حکمران تھی۔ مثلاً

بادشاہ خاتون کا پہلی دفعہ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: '' بادشاہ خاتون نامی ایک شہزادی قطب الدین محمد سلطان کرمانی کی بیٹی، سلطان قازان کے وقت میں خوش نویس شاعرہ گزری ہے''مثلاً یہ شعر

دورن پردۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ من ست

مسافران ہوارا گزر بہ دشوار یست [۴۵]

دوسری جگہ ایسی شاعرہ کا ذکر دوسری جگہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''لالہ خاتون نامی مردانہ، بنت قطب الدین محمد ولایت کرمان کی حکمران تھی۔'' مثلاً یہ شعر

دورن پردۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ من ست

مسافران ہوارا گزر بہ دشوار یست [۴۶]

۲۔ سلطان کے بارے میں لکھا ہے کہ خدیجہ سلطان بیگم نام دختر علی قلی خان۔ آگے جا کر یہ لکھتے ہیں کہ خان مذکور اس پر نہایت شیفتہ و فریفتہ تھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سلطان کا علی قلی خان کی بیٹی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں علی قلی خان کی دو بیٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن کے نام گنا بیگم اور بنو بیگم ہیں، جن کی تفصیل پیچھے دی گئی ہے۔ [۴۷]

۳۔ چندا کا ذکر تذکرہ نویسوں نے تین دفعہ کیا ہے۔ ایک دفعہ چندا کے نام سے اور دوسری جگہ ماہ لقا کے نام سے اور تیسری دفعہ ماہ کے نام۔ تینوں جگہ راجہ چندولال کی رنڈی ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ تحریر کیا ہے تو دوسری جگہ لکھا ہے کہ صاحب دیوان ہے۔ لیکن نمونے کے طور پر صرف اس کا ایک شعر درج کیا ہے [۴۸]۔

۴۔ عالم کے بارے میں لکھا ہے کہ عالم تخلص ہے محل خاص واجد علی شاہ صاحب کی ہے۔ اور اس کو صاحب دیوان لکھا ہے۔ نمونے کے طور پر صرف ایک شعر درج کیا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ اسی عالم کا ذکر حجاب کے تحت کر دیا ہے۔ یہاں بھی یہ لکھ دیا ہے کہ عالم تخلص منکوحہ واجد علی شاہ صاحب اختر کا۔ یہاں ان تذکرہ نویسوں نے عالم تخلص منکوحہ واجد علی شاہ کا ذکر دو دفعہ کر دیا ہے۔ یعنی ایک دفعہ ''ع'' ردیف میں عالم کے تحت اور دوسری جگہ ''ح'' کی ردیف حجاب کے تحت۔ لیکن تاریخ کی کتابوں میں حجاب کا واجد علی شاہ

کے نکاح میں آنا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔عالم کا واجد علی شاہ کے نکاح میں آنا ثابت ہے لیکن حجاب کا کہیں سے ثابت نہیں ہے"[۴۹]

۵۔ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف حجاب تخلص کی شاعرہ نواب بیگم کے تذکرہ میں یہ لکھتے ہیں کہ " میرا قیاس چاہتا ہے کہ حجاب مذکورہ بالا شاید یہی ہو،ایسی وجہ سے میں نے اسی سبب سے اس کو پانچویں حجاب قرار نہیں دیا۔"یعنی انھوں نے عالم کے تحت واجد علی شاہ کی دو بیویوں کا تذکرہ لکھ دیا ہے۔پانچویں حجاب ،نواب بیگم کے بارے میں انھوں نے جو تذکرہ لکھا ہے۔کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ واجد علی شاہ کی حرم محترم تھی۔[۵۰]

۶۔ تذکرہ نویسوں نے اس شاعرہ کا تذکرہ دو دفعہ لکھا ہے ایک دفعہ "د" کی ردیف میں دلہن کے نام سے اور دوسری دفعہ "ش" کی ردیف میں شرم تخلص کے نام سے۔پہلی دفعہ دلہن بیگم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے" مشہور بہ نواب بہو،صبیہ انتظام الدولہ زوجہ آصف الدولہ"۔اس شاعرہ کا ذکر دوسری دفعہ شرم تخلص کے ذیل میں کرتے ہوئے اس کو بنت قمر الدین قرار دیا ہے۔تاریخ کی کتابوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلہن کو سسرال کی طرف سے دلہن کا خطاب ملا تھا،اس کا اصل نام شمس النسا بیگم تھا اور یہ صاحب دیوان شاعرہ تھی،شرم تخلص کرتی تھی۔دوسرا اس کی سوانحی حالات بیان کرنے میں بھی تذکرہ نویسوں نے ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ یہ انتظام الدولہ کی صبیہ تھی اور دوسری جگہ یہ لکھ دیا ہے کہ یہ حکیم قمر الدین خان صاحب کی دختر نیک اختر تھی۔بیگمات اودھ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمس النسا بیگم شرم اعتماد الدولہ نواب قمر الدین خان وزیر اعظم دہلی کے بیٹے نواب انتظام الدولہ خان خاناں کی دختر ہیں جو نواب قمر الدین کی دختر نہیں بلکہ پوتی بنتی ہے۔دستیاب شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دلہن شاعرہ نہیں ہے بلکہ یہ شمس النسا شرم کا خطاب تھا جو اسے سسرال کی طرف سے ملا تھا۔تذکرہ نویسوں نے غلط فہمی کی بنا پر ایک ہی شاعرہ کا تذکرہ دو دو دفعہ لکھ دیا ہے۔[۵۱]

۷۔ علی شاعرہ کو صاحب دیوان لکھا ہے اور نمونے کے طور پر اس کا صرف ایک مصرع تحریر کیا ہے۔[۵۲]

۸۔ آرزو اور آرزوئی دو شاعرات کا تذکرہ لکھ دیا ہے اور دونوں کے ذیل میں یہ لکھ دیا ہے یہ سمرقندی ہیں۔دیگر معاصر ماخذات کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی شاعرہ ہے جس کا تذکرہ تذکرہ نویسوں نے دو دفعہ کر دیا ہے۔[۵۳]

۹۔ ماہ کے اردو اور فارسی دو دیوان کا تذکرہ کیا ہے مگر نمونے کے طور پر صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہے۔[۵۴]

اسی طرح تذکرہ نگار ایک دوسرے کے تذکروں سے معلومات نقل کرتے ہوئے بھی تضادات کا شکار نظر آتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ بسم اللہ کے بارے میں تذکرۃ النساے نادری میں لکھا ہے کہ میرے عنایت منشی انعام اللہ سے مشورہ سخن رہا۔ جب کہ تذکرۃ الخواتین نے بسم اللہ کے بارے میں معلومات نقل کرتے ہوئے منشی انعام اللہ کو منشی انعام اللہ خان یقین شاگرد مظہر جان جاناں قرار دیا ہے جب کہ تذکرۃ النساے نادری اوربہارستان ناز میں ان کا نام منشی انعام اللہ درج ہے۔ تذکروں کے مطالعے سے کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ منشی انعام اللہ خان یقین مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے اور وہ ۱۳۰۰ ہجری میں زندہ تھے۔ تذکرۃ النساے نادری کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منشی انعام اللہ بیگ دہلی میں سرکاری مدرسے میں فارسی کے استاد تھے۔ جب کہ انعام اللہ خان یقین کا انتقال بقول مرزا فرحت اللہ بیگ ایک صدی پہلے ہو چکا تھا۔[۵۵]

۲۔ سومی شاعرہ کے بارے میں معلومات کے اندراج میں تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے تذکرۃ النساے نادری سے معلومات نقل کرتے ہوئے سومی کا تذکرہ زائد لکھ دیا ہے جب کہ تذکرۃ النساے نادری کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے ناز تخلص کی چار شاعرات کا تذکرہ اول، دومی، سومی، چہارمی کے طور پر کیا ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ناز کا تذکرہ بھی لکھ دیا ہے اور سومی کا تذکرہ اپنے پاس سے اختراع کر کے زائد لکھ دیا ہے۔ اور اشعار دونوں کی ذیل میں ایک ہی درج کیے ہیں۔ باقی تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تذکرۃ الخواتین نے جو سومی کا تذکررہ زائد لکھا ہے، وہ غلط لکھا ہے۔ سومی شاعر نہیں ہے بلکہ یہ ناز تخلص کی شاعرہ کا تذکرہ مصنف نے سومی کی ذیل میں بھی کر دیا ہے اور ناز کی ذیل میں بھی۔ مثلاً

تذکرۃ النسائے نادری میں اس شاعرہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ " نازؔ، سومی: ایک شہزادی تیموریہ خاندان کی، پیرو مذہب امامیہ، دہلی میں عمر رسیدہ موجود ہے۔" مثلاً یہ اشعار

شور ہے اس کی بیوفائی کا
بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا
دامِ زلف سیہ ارے توبہ
نہ بنا ڈھب کوئی رسائی کا
کر غلامی علی کی تو، اے نازؔ!

ہے اگر دھیان بادشاہی کا
مجھ سے روٹھا، وہ یار جانی ہے
جان جانے کی یہ نشانی ہے[۵۶]

جب کہ تذکرۃ الخواتین کے مصنف ان تذکروں سے معلومات نقل کرتے ہوئے پہلی دفعہ اس کا تذکرہ سومی کو شاعرہ کا درجہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " سومی خاندان تیموریہ کی ایک معزز خاتون تھی۔۔۔۔ نہایت عمدہ شعر
کہتی تھی۔ غدر کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک سلامت رہی۔ دو ایک شعر یادگار ہیں درج کیے جاتے ہیں" مثلاً یہ شعر

شور ہے اس کی بیوفائی کا
بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا
دام زلف سیہ ارے توبہ
نہ بنا ڈھب کوئی رسائی کا

آگے جا کر وہ اسی شاعرہ کا ذکر دوسری دفعہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک شہزادی کا تخلص ہے جن کا نام عالم آرا تھا۔ خاندان تیموریہ سے تھی۔۔۔"

اس شاعرہ کی معلومات کے اندراج میں بھی مصنف تذکرۃ الخواتین تضاد کا شکار ہیں۔ اسی تذکرے میں عالم تخلص کی شاعرہ واجد علی شاہ کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ عالم آرا کا تخلص ناز لکھ دیا ہے۔ باقی تذکروں کے مطالعے سے کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ ناز تخلص کی شاعرہ کا نام عالم آرا ہے۔ عالم آرا کا تخلص ناز نہیں تھا بلکہ اس کا تخلص عالم ہی تھا۔

مصنف تذکرۃ الخواتین نے سوانح وآثار کے اندراج کے علاوہ نمونۂ اشعار کے اندراج میں غلطی یہ کی ہے کہ باقی تذکروں سے ناز سومی کے آدھے اشعار انھوں نے سومی شاعرہ کا زائد تذکرہ اپنے پاس سے اختراع کر کے اس کے ذیل میں درج کر دیے ہیں اور آدھے اشعار ناز شاعرہ کا تذکرہ لکھ کر اس کے ذیل میں نقل کر دیے ہیں۔ مثلاً درج بالا دو شعر سومی کی ذیل میں نقل کیے ہیں اور باقی اشعار ناز کی ذیل میں نقل کیے ہیں۔ مثلا یہ شعر

شور ہے اس کی بیوفائی کا
بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا

کر غلامی علی کی تو، اے نازؔ!
ہے اگر دھیان بادشاہی کا
مجھ سے روٹھا،وہ یار جانی ہے
جان جانے کی یہ نشانی ہے[57]

۳۔ اسی طرح تذکرۃ النساے نادری میں اوربہارستان ناز میں روایہ کا جوتذکرہ کیا گیا ہے۔ روایہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان دونوں تذکرہ نگاروں نے یہ لکھ دیا ہے کہ اس شاعرہ کا اصل نام رابعہ ہے۔تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے روایہ کی معلومات کو بھی نقل کرتے ہوئے ایک شاعرہ کا تذکرہ دو ناموں سے کر دیا ہے۔رابعہ اور روایہ۔ معلومات اوران کے نمونہٴ اشعار میں بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی۔وہی معلومات اور نمونہ کلام ایک شاعرہ کے ذیل میں لکھ دیا ہے۔دوسری میں بھی وہی معلومات اور نمونہٴ کلام کا اندراج کیا ہے جو وہ پہلے شاعرہ کے ہاں درج کر چکے تھے ۔روایہ ایک ہی شاعرہ ہے، رابعہ کا جوتذکرہ لکھا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ باقی تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایہ کا اصل نام ہی رابعہ ہے۔ مصنف تذکرۃ الخواتین نے اپنے تذکرے کی شاعرات کی تعداد کو بڑھانے کے لیے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے۔ان کے تذکرے میں اس طرح کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے تذکرے میں شاعرات کی تعداد میں اضافے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ مثلاً

تذکرۃ النسائے نادری اوربہارستان ناز راویہ کا تذکرہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

دہلی میں سیتارام کے بازار میں کوئی چھپی بچی اس تخلص سے اپنا رنگ جماتی ہے۔۔بعد میں تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ شاعرہ دراصل شیخ زادی کسی ڈاکٹر کی بیٹی ہے اور اس کا نام رابعہ ہے۔'' مثلاً یہ شعر اس شاعرہ کے ان تذکروں میں درج ہیں۔

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا
دے اپنی محبت مجھے،اے بار خدا
کر دور دل زار کا آزار خدایا
الہیٰ! سب گنہ سے پاک کر کر
مجھے لے جائیو جنت کے در پر[58]

صاحب تذکرۃ الخواتین رابعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"رابعہ ایک خاتون کا نام ہے۔ یہ شاعرہ کسی ڈاکٹر کی صبیہ اور کسی حکیم کی اہلیہ تھی۔ اور یہ شعر

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا

آگے جا کر راویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"راویہ۔ دلی سیتارام بازار میں کوئی چھیپی رہتا تھا، اس کی لڑکی کا تخلص تھا۔ پہلا شعر رابعہ کے ہاں بھی درک کیا ہے اور اس کے ہاں بھی اس کا اندراج ملتا ہے۔ مثلاً

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا
دے اپنی محبت مجھے، اے بار خدا
کر دور دل زار کا آزار خدایا
الٰہی! سب گنہ سے پاک کر کر
مجھے لے جائیو جنت کے در پر"[59]

۴۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اپنا تذکرہ لکھتے وقت کچھ اصول مقرر کیے تھے کہ ان اصولوں کی مدد سے یہ تذکرہ لکھا جائے گا۔ انھوں نے تذکرہ لکھتے وقت ایک یہ شرط رکھی تھی کہ طوائفوں اور پردہ نشین خواتین کے درمیان حدِ امتیاز قائم کرنے کے لیے طوائفوں کے سامنے (ط) کا نشان لگا دیا جائے گا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ فرقہ بازاری سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن بہت سے مقامات پر طوائفوں کے سامنے ایسی کوئی علامت ظاہر نہیں کی گئی ہے لیکن کے ان کے احوال لکھتے وقت ان کے طوائف کے طور پر تذکرہ لکھ کر ان کے سامنے ایسی کوئی علامت ظاہر نہیں کی ہے کہ یہ طوائف ہے یا باعصمت۔ لیکن تذکرے کا مطالعہ کرتے وقت ایسے کئی مقامات آتے ہیں، جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ شاہدان بازاری کے فرقے سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ باعصمت ہیں لیکن مصنف تذکرہ کی یہ شرط کہیں موجود ہے اور کہیں موجود نہیں ہے۔ کہیں باعصمت خواتین کا تذکرے کے سامنے "ط" کی علامت موجود ہے اور کہیں شاہدان بازاری کے سامنے اس قسم کی کوئی علامت نظر نہیں آتی ہے۔

۵۔ تذکرۃ الخواتین میں حسن اور ہنر کی ذیل میں حالات ایک جیسے درج ہیں، جس سے غالباً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ہی شاعرہ کا تذکرہ دو دفعہ لکھ دیا ہے۔ مثلاً

حسن کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے صاحب مصنف لکھتے ہیں:

''حسن تخلص گنا جان نام دربھنگہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی، ہنر تخلص کرتی تھی۔''[۶۰]

آگے اسی شاعرہ کا تذکرہ دوسری دفعہ ہنر کے نام سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''گنا جان طوائف دربھنگہ کی رہنے والی طوائف کا تخلص تھا''۔[۶۱]

۶۔ شاعرات کا تذکرہ از نسیمہ دہلوی نے تین امراؤ تخلص رکھنے والی خواتین کا تذکرہ اپنے سے بیش تر تذکروں سے معلومات نقل کرتے ہوئے تینوں شاعرات کے حالات ایک امراؤ حسینی شاعرہ کے حالات میں ضم کر کے صرف ایک شاعرہ کا تذکرہ لکھ دیا ہے، جب کہ باقی تذکروں میں تین علاحدہ علاحدہ امراؤ تخلص رکھنے والی شاعرات کا تذکرہ ملتا ہے۔[۶۲]

۷۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے زینت اور نازک دو شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔ ان دونوں شاعرات کے ذیل میں جو باتیں درج کی گئی ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی شاعرہ ہے، جس کو صاحب مصنف نے ایک شاعرہ کے حالات اور نمونہ کلام کو آپس میں یکجا کر کے دونوں شاعرات کے حالات ایک ہی شاعرہ کے ذیل میں تحریر کیے ہیں۔ حالات اور نمونہ کلام کا اگر تقابل کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حالات اور نمونہ کلام دونوں میں وہی ہیں، جو وہ زینت کے نام پر لکھ چکے ہیں اور بعد میں مصنف نے وہی حالات نازک کے تحت بھی درج کر دیے ہیں۔ مثلاً

زینت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: '' زینت بیگم نام دہلی کی شاہد بازاری تھی''۔ اور یہ شعر

ہے نالۂ و زاری کا مرے شور فلک پر
پردۂ بت مغرور کوئی کان دھرے ہے

پھر نازک کی ذیل میں جا کر لکھتے ہیں کہ: زینت جان طوائف دہلوی کا تخلص تھا۔ اور یہ شعر

ہے نالۂ و زاری کا مرے شور فلک پر
پردۂ بت مغرور کوئی کان دھرے ہے[۶۳]

اسی طرح نمونہ کلام کے اندراج میں بہت سے ایسے اشعار کا اندراج موجود ہے جو ایک سے زائد شاعرات کے ذیل میں نقل کیے گئے ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے ایک ہی شعر دو دو شاعرات کے ذیل میں نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل میں یہ اشعار کس شاعر یا شاعرہ کے ہیں۔ مثلاً یہ شعر

بیاں میں کس کروں جا کے اب گلہ دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہووے گا فیصلہ دل کا[64]

یہ شعر دلہن کی ذیل میں بھی درج کیا گیا ہے اور جانی تخلص کی شاعرہ کے تحت بھی تذکرہ نگاروں نے درج کیا ہے۔

شوخ کی ذیل میں اشعار نقل کرتے ہوئے اردو تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ ایک روز نواب صاحب نے یہ شعر موزوں کیا:

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی، تس پر یہ حال
شمع سی، ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

اس کا جواب اس بدیہہ گو نے یہ دیا ہے۔

پردۂ فانوس میں رکھتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹ لو اس کی زبان جو شمع کو بولے چھنال[65]

یہ اشعار تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں شمع نامی شاعرہ کی ذیل میں آئے ہیں۔ اردو تذکرہ نگاروں میں سے کسی تذکرہ نگار نے شمع نامی شاعرہ کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔ اردو تذکروں میں یہ اشعار شوخ کی ذیل میں نقل ہوئے ہیں۔ جن سے ان اشعار کی اصل حقیقت مشکوک نظر آتی ہے۔ دوسرا ان اشعار کے بارے میں یہ جاننا بھی مشکل ہیں کہ اصل میں یہ کس کے شعر ہیں۔ کیونکہ یہ اشعار ایک سے زیادہ شاعرات کی ذیل میں نقل ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ درج ذیل شعر اردو تذکروں میں دو شاعرہ کی ذیل میں درج ہوا ہے۔ درج ذیل شعر اردو تذکروں میں شوخ سے منسوب کیا گیا ہے۔

مقابل ہوا گر لب کے ترے مصری، چبا جاوں
تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام کھا جاوں

تذکرہ مسرت افزا میں یہ شعر محمدی شاعرہ سے منسوب ہے۔ تذکرہ مسرت افزا کے مصنف نے اس شاعرہ کے بارے میں اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ

> شیخ ولی اللہ محب کہتے ہیں کہ وہ ایک فاحشہ اور عیاش عورت تھی۔ نواب شجاع الدولہ کے بہادر کے لشکر میں اسمعیل خان کے رسالے میں رہتی تھی۔ بدیہہ گو اور حاضر جواب تھی۔ اس کا ڈیرہ جوانان ظریف اور یاران حریف کے جمع ہونے کی جگہ تھا اور اس کی قیام گاہ تماش بین رنگین مزاج لوگوں کا مرکز تھی۔ بہت دماغ دار کشیدہ مزاج تھی۔ آنے والوں کی طرف بہت کم توجہ کرتی تھی۔ ناز و انداز سے اپنے آپ کو بے حد آراستہ رکھتی تھی اور عیاشی کے سلسلے میں خواص سے بہت بے التفاتی برتتی تھی۔ ایک دن میں اس کو دیکھنے گیا۔ ملاحت و نزاکت کی جس قدر تعریف سنی تھی۔ اس سے زیادہ پایا۔ ہندی و فارسی کے اساتذہ کے ہزارہا شعر اس کو یاد تھے اور بر محل پڑھتی تھی اور خود بھی فی الفور پر مضمون اور رنگین اشعار موزوں کر لیا کرتی تھی۔ نزاکت اور زنانہ انداز کو بہت خوبی نبھاتی تھی۔[۶۶]

درج بالا بیان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شعر محمدی بیگم کا ہی ہے۔ کیونکہ اردو تذکرہ نگاروں نے محمدی شاعرہ کا تذکرہ نہیں لکھا۔

درج ذیل شعر تذکرۃ الخواتین میں دو نقاب کے تحت درج کیے گئے ہیں۔ ایک نقاب حمیدن بائی کلکتوی کے ذیل میں دوسری نامعلوم نام شاعرہ کے ذیل میں۔

دور سب سے بزم جاناں میں بیٹھا رہ گیا
یہ نہ بولا ہائے کوئی ایک پیمانہ اسے[۶۷]

اس شعر کے بارے میں آسی نے لکھا ہے یہ شعر دونوں نقاب کی ذیل میں آیا ہے فتح مبین کہا جاسکتا ہے کہ اصل میں اس شعر کا مصنف کون ہے۔ باقی تذکرۃ النساے نادری اور بہارستان ناز تذکروں میں ایک ہی نقاب حمیدہ بائی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور درج بالا شعر بھی ایک ہی نقاب شاعرہ سے منسوب کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی نقاب شاعرہ ہے، جس کا تذکرہ مصنف تذکرۃ الخواتین نے دو دفعہ لکھ دیا ہے اور اشعار کے اندراج میں بھی مصنف نے ایک شاعرہ کے اشعار دوسری میں بھی نقل کر کے دوسری شاعرہ کا زائد تذکرہ لکھ دیا ہے۔ تذکرۃ الخواتین کا مصنف خود ان دونوں کے اشعار اور حالات کے اندراج میں تضاد کا شکار ہے۔ اس طرح کی غلطی مصنف نے ایک جگہ نہیں بلکہ کہیں جگہ دہرائی ہیں۔

درج ذیل شعر تذکرۃ الخواتین میں سلطان کے نام پر بھی درج کیا گیا ہے اور سردار نامی شاعرہ کے تحت بھی درج کیا گیا ہے۔

لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دل میں یہ اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن یہ گل تو روز خزاں نہ ہوگا[68]

تذکرۃ النساے نادری سے اس کا تقابل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا شعر سردار کا ہی ہے سلطان کا نہیں۔ چونکہ صاحب تذکرۃ النسا کے بیان کے مطابق یہ ایک محفل میں انھوں نے خود سردار کے یہ شعر سنے تھے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے۔ آسی صاحب یہ شعر دو شاعرات کے تحت نقل کرتے ہیں اور ساتھ حاشیے میں یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ یہ شعر سردار کے ہاں بھی درج کیا گیا ہے۔

کرتیاں جالی کی پہنے ہیں جوانان حسین
حسن کی فوج میں دیکھے یہ زرہ پوش نئے[69]

درج بالا شعر تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے پٹہ باز کے ذیل میں بھی درج کیا ہے اور چھوٹے صاحب کے ذیل میں بھی۔ چھوٹے صاحب کے تحت اس شعر کا اندراج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ شعر چمن انداز سے نقل کیا ہے۔ چمن انداز دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر مصنف نے چھوٹے صاحب کے ذیل میں درج نہیں کیا بلکہ پٹہ باز کے تحت درج کیا ہے اور ساتھ تنبیہ میں واضح بھی کر دیا ہے کہ یہ شعر پٹہ باز کا نہیں ہے بلکہ کسی اور شاعر کا ہے۔

درج ذیل شعر بھی دو شاعرات زینت اور نازک کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے۔ اس شعر کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ کس شاعرہ کا شعر ہے۔ اسی شعر کو دوسری بار دوسری شاعرہ نازک کے تحت درج کرتے ہوئے یہ بھول گئے ہیں کہ یہ شعر اس سے پہلے زینت کے ذیل میں بھی اس کا اندراج کر چکے ہیں۔

ہے نالہ وزاری کا مرے شور فلک پر
پردۂ بتِ مغرور کوئی کان دھرے ہے[70]

شاعرات کا تذکرہ از نسیمہ دہلوی نے وزیر خیر آبادی کا تذکرہ لکھا۔ وزیر آبادی کا تذکرہ لکھتے وقت جو اشعار اس نے وزیر خیر آبادی کے تحت نقل کیے ہیں۔ باقی تذکروں میں نازک تخلص، فتن جان کے ذیل میں ان کا اندراج ملتا ہے۔[71]

تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے ناز تخلص، بندی جان عظیم آبادی اور ناز تخلص، بی جان فرخ آبادی کے نمونۂ اشعار آپس میں یکجا کر کے ایک ہی شاعرہ سے منسوب کر کے لکھ دیے ہیں۔ بہارستان ناز میں بندی جان عظیم آبادی کے درج ذیل اشعار درج ہیں۔

ان کو جانا تھا مرے پاس گر وقت اخیر　　شکل اک بار مجھے اور دکھاتے جاتے
ناتوانی کا برا ہو نہیں اٹھنے دیتی　　رہ گئے کوچہ دل دار میں جاتے جاتے
ان کی محفل میں کہاں ہم غریبوں کا گزر　　دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں جاتے جاتے
سر محفل میں رقیبوں سے الجھ پڑھتا ہوں　　گو وہ ہر بات پہ زانو ہیں دباتے دباتے
خیر وہ بھی ہمیں کیا یاد کریں گے اے نازؔ
دل و دیں ان کو دیے جاتے ہیں جاتے جاتے

ہاتھ جینے سے جبکہ دھو بیٹھے　　بحر الفت میں دل ڈبو بیٹھے
ہم تو جاتے جاتے او ستم ایجاد　　تیرے پہلو میں چاہے جو بیٹھے
میری تربت دکھا کے کہتے ہیں　　اپنے ہاتھوں یہ جان کھو بیٹھے[72]

بہارستان ناز میں یہ اشعار بندی جان عظیم آبادی کی ذیل میں موجود ہیں اور تذکرۃ الخواتین میں یہ اشعار بی جان فرخ آبادی کی ذیل میں نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً تذکرۃ الخواتین میں یہ شعر بندی جان فرخ آبادی کی ذیل میں نقل کیے گئے ہیں۔

زہرہ بلائیں لینے لگی آسماں پر　　توڑا لیا جو ناچ میں اس نے اٹھا کے ہاتھ
ان کو جانا تھا مرے پاس گر وقت اخیر　　شکل اک بار مجھے اور دکھاتے جاتے
ناتوانی کا برا ہو نہیں اٹھنے دیتی　　رہ گئے کوچہ دل دار میں جاتے جاتے
ان کی محفل میں کہاں ہم غریبوں کا گزر　　دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں جاتے جاتے
سر محفل میں رقیبوں سے الجھ پڑھتا ہوں　　گو وہ ہر بات پہ زانو ہیں دباتے دباتے
خیر وہ بھی ہمیں کیا یاد کریں گے اے نازؔ
دل و دیں ان کو دیے جاتے ہیں جاتے جاتے
ہاتھ جینے سے جبکہ دھو بیٹھے　　بحر الفت میں دل ڈبو بیٹھے
ہم تو جاتے جاتے او ستم ایجاد　　تیرے پہلو میں چاہے جو بیٹھے
میری تربت دکھا کے کہتے ہیں　　اپنے ہاتھوں یہ جان کھو بیٹھے[73]

شمیم سخن دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمیم سخن میں یہ شعر بندی جان عظیم آبادی کے تحت نقل کیے گئے ہیں۔ چوں کہ شمیم سخن تذکرۃ الخواتین کا ماخذ رہا ہے۔ اس لیے تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے بندی جان عظیم آبادی کے ذیل میں جو اشعار درج کیے ہیں، وہ شمیم سخن سے اخذ شدہ ہیں۔ مصنف تذکرۃالخواتین نے بندی جان فرخ آبادی کے ذیل میں اشعار نقل کرتے ہوئے غلطی یہ کی ہے کہ بہارستان ناز میں جو اشعار بندی جان عظیم آبادی کے ذیل میں اشعار موجود تھے، وہاں سے وہی اشعار نقل کرتے ہوئے بی جان فرخ آبادی کے ذیل میں نقل کر دیے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے کیوں کہ بہارستان ناز میں بی جان فرخ آبادی کی ذیل میں صرف ایک شعر درج ہے۔ مصنف تذکرۃ الخواتین نے زیادہ نمونہ کلام دینے کے لیے ایسا کیا ہے۔ ایسی غلطیاں اس تذکرے میں جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہیں۔

رنج میرٹھی نے دل آرام کو جہانگیر شاہ بادشاہ سے منسوب کیا ہے۔ پھر چند سطروں بعد اسے جہانگیر بادشاہ کر دیا اور پھر آگے جا کر اس کی بیگم کا نام نور جہاں کے نام سے اس کا تذکرہ لکھ دیا۔"[44]

زاہدو ہم سے کیوں تنفر ہے
صنعت کردگار ہم بھی ہیں[45]

درج بالا شعر تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے گوہر نامی دو شاعرات سے منسوب کرکے دونوں کے تحت درج کیا گیا ہے۔ ایک گوہر بیگم کی ذیل میں اور دوسرا معمولی تغیر کے باعث گوہر پرتاب گڈھ کے ذیل میں بھی موجود ہے۔ اشعار کا اندراج کرتے ہوئے مصنف یہ بھول گئے ہیں کہ یہ شعر اس سے پہلے کسی اور شاعرہ کے ذیل میں درج کر چکے ہیں۔ اس طرح کے بہت سی مثالیں موجود ہیں، جو ان تذکروں میں بکھری ہوئی صورت میں ملتی ہیں، جن کی تفصیل اوپر دی گئی ہے۔

استدلالیت:

اردو تذکروں میں جہاں بہت سی مستند باتیں درج تذکرہ کی گئی ہیں۔ وہاں ان تذکروں میں بہت سے مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں کچھ شاعرات کے حالات مشتبہ ہیں اور اکثر جگہوں پر جو بیانات، واقعات اور روایات درج کی گئی ہیں، ان کی نہ تو کوئی منطقی دلیل پیش کی گئی ہے اور نہ ہی ان واقعات، روایات اور بیانات کی کہیں سے کوئی سند ملتی ہے۔ اکثر سنی سنائی باتیں درج تذکرہ کی گئی ہیں۔ ذیل میں ان واقعات، روایات اور بیانات کی فہرست دی جاتی ہے:

۱۔ امیہ عبدالمطلب کی ذیل میں جو باتیں درج کی گئی ہیں ان کی نہ تو کوئی ٹھوس دلیل پیش کی گئی ہے اور نہ ہی ان باتوں کی کہیں سے کوئی سند ملتی۔ مثلاً امیہ دختر عبدالمطلب کی ذیل میں یہ لکھا ہے کہ آں حضرت نے وہ تمام اشعار سنے تھے۔آں حضرت کے شعر سننے سے متعلق سند کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔[۷۶]

۲۔ تذکرہ نویسوں نے پانچ حجاب کا تذکرہ لکھا ہے۔ حجاب نواب بیگم کو واجد علی شاہ کی بیوی قرار دیا۔ حجاب کا تذکرہ لکھتے ہوئے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ نواب بیگم عرف چھوٹی بیگم، دختر داروغہ اعظم علی خان فرزند نواب معتمد الدولہ بہادر شاہ غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ۔ ان تمام بیانات کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ تاریخ کی کتابوں میں نواب بیگم کا واجد علی شاہ کے نکاح میں آنا کی کوئی سند موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کا تاریخ سے واجد علی شاہ کی بیوی ہونا ثابت ہے اور نہ ہی حرم ہونے کی کہیں سے کوئی سند دستیاب ہے۔ دوسرا ان تذکرہ نویسوں نے یہ لکھا ہے کہ اعظم علی خان فرزند نواب معتمد الدولہ بہادر شاہ غازی الدین حیدر۔ اعظم علی خان معتمد الدولہ کے فرزند نہیں ہیں اور معتمد الدولہ غازی الدین حیدر کے بھائی بھی نہیں ہیں۔ چھوٹی بیگم نواب معتمد الدولہ کی صاحبزادی بھی نہیں ہے۔ حجاب نہ معتمد الدولہ کی صاحبزادی ہے اور نہ واجد علی شاہ کی بیوی ہونا تاریخ سے ثابت ہے۔ اعظم علی خان کے بارے میں تاریخ اودھ میں یہ لکھا ہے کہ یہ ایک بازاری ناخواندہ شخص معتمد الدولہ کا رفیق کار تھا جو رفتہ رفتہ کڑور پتی بن گیا۔[۷۷]

۳۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے بیگم میر تقی میر کے تذکرے میں لکھا ہے کہ "بیگم دختر میر تقی میر شادی کے چند ہی روز بعد دنیا سے رخصت ہوئیں اور جن کی جوانا مرگی پر میر ایسے مستغنی المزاج شاعر کو خون کے آنسو رونا پڑا۔" ان تمام بیانات میں نہ تو کوئی صداقت موجود ہے اور نہ ہی ان کی کہیں سے کوئی سند ملتی ہے۔ مثلاً میر تقی کی میر بیٹی کی شادی کے ذکر کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتی۔ البتہ اس بیگم میر تقی میر کی ذیل میں جو شعر لکھا گیا ہے، اس کے بارے میں تحقیق ہو گیا ہے کہ یہ میر تقی میر کا نہیں ہے بلکہ کسی اور شاعر کے شعر کو ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔[۷۸]

۴۔ خدیجہ سلطان علی قلی خان والہ داغستانی کی بیٹی ہونے کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں، وہ سراسر سطحی اور تحقیق سے عاری ہیں، کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ خدیجہ سلطان علی قلی خان والہ داغستانی کی دختر زر ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں علی قلی خان والہ داغستانی کی صرف دو بیٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن کی تفصیل پیچھے دی گئی ہے۔[۷۹]

۵۔ بیگم رشک محل پنجابن کا واجد علی شاہ کے متاع میں آنا تاریخ سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی ان باتوں کا کہیں ذکر ملتا ہے کہ اسے رشک محل کا خطاب دیا گیا اور وہ ان کے ساتھ کلکتہ بھی گئی ہو۔ بیگمات اودھ اور تاریخ

اودھ میں واجد علی شاہ کی جن بیویوں کو خطاب دیے گئے یا جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ حضرت محل، نواب اختر محل، پری محل، سکندر محل، سرفراز محل، چتر محل، ممتاز محل، عاشق محل وغیرہ۔ تاریخ کی کتابوں میں رشک محل نامی واجد علی شاہ کی کسی بیوی کا تذکرہ نہیں ملتا جو معزول کیے جانے کے بعد واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتے بھی گئی ہو۔[۸۰]

۶۔ شریں، رضیہ سلطانہ کے بارے میں جو باتیں درج تذکرہ کی گئی ہیں اور جو بیانات اور روایات نقل کیے گئے ہیں، وہ تاریخی شواہد سے عاری ہیں۔ ان بیانات اور روایات کے کہیں سے کوئی شواہد دستیاب نہیں ہیں۔

۷۔ زیب النسا مخفی کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ مثلاً تذکروں میں مذکور ہے کہ مخفی کا جو دیوان موجود ہے، وہ زیب النسا مخفی کا ہے۔ اس سلسلے میں محققین میں اختلاف ہے، کچھ اس کو زیب النسا کا دیوان مانتے ہیں، کچھ اس کا دیوان نہیں مانتے۔ اس حوالے سے خلیل الرحمان داؤدی لکھتے ہیں کہ یہ دیوان مخفی ایرانی کا ہے۔ مخفی ایک ایرانی شاعر تھا، گیلان کا بادشاہ تھا۔ شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان آیا، یہ دیوان اسی مخفی کا ہے۔ زیب النسابنت عالمگیر اگر مخفی تخلص کرتی اور یہ دیوان یادگار چھوڑتی تو معاصر تذکرہ نگار اس کا ضرور تذکرہ کرتے۔ جتنی بھی اس عہد کی تاریخیں لکھی گئی، جن میں شہزادی کے حالات تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں، ان میں کہیں بھی اس بات کا ذکر موجود نہیں ہے کہ زیب النسا کا تخلص مخفی تھا اور اس نے کوئی دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ بہر جس دیوان کا زیب النسابنت عالمگیر سے منسوب کیا گیا ہے، وہ زیب النسا کا نہیں بلکہ مخفی ایرانی کا ہے۔[۸۱] مثلاً جن تاریخوں میں شہزادی کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ ملتا ہے، ان میں منتخب اللباب، عالمگیر نامہ، مآثر الامرا وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرا زیب النسا کے بارے میں اردو تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ وہ اردو میں بھی شعر کہتی تھی۔ زیب النسا کی اردو میں شعر گوئی کے ٹھوس ثبوت نہیں ملتے، صاحب جلوہ خضر نے لکھا ہے کہ ایک پرانی بیاض میں شہزادی کے اردو اشعار میری نظروں سے گزرے ہیں[۸۲]۔ مغل اور اردو میں بھی زیب النسا کے اردو میں شعر گوئی کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی[۸۳]۔

۷۔ نور جہاں کے بارے میں جو باتیں درج کی گئی۔ مثلاً بعض تذکرہ نویسوں نے نور جہاں کے بارے میں لکھا ہے کہ اردو میں شعر کہتی تھی اور نمونے کے طور ان کے اردو اشعار بھی پیش کیے ہیں یہ تمام باتیں تحقیقی شواہد سے عاری ہیں۔ صاحب تذکرۃ الخواتین نے نور جہاں کا تذکرہ نور تخلص سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے بیگم کا تخلص مخفی لکھا ہے، مگر میں اسی تخلص کو زیادہ قرین قیاس جانتا ہوں، اسی

تخلص سے اس کا تذکرہ لکھتا ہوں۔اس کے علاوہ ان تذکروں میں نور جہاں سے متعلق لطائف وظرائف کا احاطہ کیا ہے، جو سراسر قیاسات پر مبنی ہیں۔

۸۔ عصمتی نواب جہاں آرا کے سلسلے میں جو کچھ درج تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی بھی کہیں سے کوئی سند نہیں ملتی۔ تمام بیانات اور روایات کی تصدیق کہیں سے نہیں ہوتی۔ [۸۴]

۹۔ اشک کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کسی شہزادی کا تخلص ہے اور اس کا مقام دہلی ہے۔اشک کی شہزادی ہونے کے شواہد کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہیں۔

۱۰۔ آرام زوجہ جہاگیر بادشاہ کے بارے میں جو بیانات، روایات اور واقعات درج کیے گئے ہیں، ان تمام باتوں کا وجود مشتبہ بھی ہے بلکہ آرام زوجہ جہانگیر کو وجود بھی مشتبہ ہے۔

۱۱۔ جاناں بیگم دختر عبد الرحیم خان خاناں کے متعلق یہ روایت تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے بیان کی ہے اور یہ بے سر و پا روایت تاریخی صداقت سے عاری ہے۔ مثلاً تذکروں میں جاناں بیگم دختر عبد الرحیم خان خاناں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ :

> جاناں بیگم، دختر نیک اختر عبد الرحیم خان خاناں۔ نہایت پارسا تھی، جس کے حسن کا شہرہ سن کر شہزادہ سلیم نے شادی کا پیغام کیا۔ خان ذیشان نے اس کے دانت توڑ کر، باکتر حضور میں لا حاضر کیا۔ طالب نے بہ کمال افسوس اس کی عفت پر آفریں فرما مورد الطاف شاہانہ فرمایا۔[۸۵]

۱۲۔ تذکرہ نویسوں نے ایک شاعرہ شرف النسا کا تذکرہ لکھا ہے۔ جو زوجہ مرزا کوچک مرحوم دہلی نسل تیموریہ سے تھی اور نمونے کے طور پر صرف دو اشعار پیش کیے ہیں۔تذکرہ خواتین بزم تیموریہ میں اس شاعرہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا جو تیموری نسل سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ تذکرہ تیموری خواتین کی حیات و خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں اٹھارھویں صدی کی ایک بنگال کی شاعرہ کا تذکرہ ملتا ہے اور ان کی ایک اردو مثنوی کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔اس کے علاوہ نصیر الدین ہاشمی نے بھی ایک دکنی مرثیہ گو شاعرہ کا ذکر کیا ہے، جس کا نام شرف النسا تھا۔ وہ بھی یہی تخلص استعمال کرتی تھی۔ لیکن اس شاعرہ کے زمانے اور اس کے حالات زندگی کے بارے میں مصنف موصوف کو بھی کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی کتاب اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ میں اس کے سوانحی حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے مشہور سپہ سالار میر میراں سید اشرف کی پوتی اور سید غلام دستگیر قادری کی بی بی تھی۔ یہ قدیم طرز کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھیں۔ان کے کلام کا ایک مکمل مجموعہ کلام کا مخطوطہ

کتب خانہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ جس میں زیادہ تر غزلیات، کچھ نعتیہ قصیدے موجود ہیں۔[۸۶] تذکرہ نگاروں نے اس شاعرہ کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ یہ زوجہ مرزا کوچک مرحوم نسل تیموریہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مرزا کوچک دہلوی کی زوجہ ہونا بھی تاریخ شواہد سے عاری ہے۔

۱۳۔ لااعلم اور اس کی ذیل میں بیان کردہ روایات کی کہیں سے کوئی سند نہیں ملتی۔ بلکہ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے اپنے تذکرے میں شاعرات کی تعداد بڑھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔[۸۷]

۱۴۔ چند اکی ذیل میں بعض باتیں جو درج تذکرہ کی گئی ہیں مثلاً اس کی وفات کے بعد کئی من سونا چاندی اور بہت سا جواہر اس کی نوچیوں نے باہم تقسیم کیا، ان تمام باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے، تحقیق سے عاری ہیں اور غلط ثابت ہو چکی ہیں۔[۸۸]

۱۵۔ صاحب تذکرۃ اخواتین نے زیب النسا کے بارے میں لکھا ہے کہ زیب اور مخفی دونوں تخلص استعمال کرتی تھی، مخفی تخلص کے بارے میں پیچھے تفصیل گزر چکی ہے۔ لیکن زیب تخلص بھی استعمال کرتی تھی، کے بارے میں کہیں سے بھی کوئی سند نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ صاحب تذکرۃ الخواتین نے زیب النسا کے سلسلے میں مختلف روایات اور واقعات بیان کیے ہیں، یہ سب واقعات تحقیق سے عاری ہیں، ان واقعات میں کسی بھی قسم کی کوئی صداقت نہیں ہے مثلاً تذکرہ مخزن الغرائب کے حوالے سے لکھا ہے کہ

۱۔ زیب النسا کے اشعار کی بیاض پانی میں گر گئی تھی، جس کی وجہ سے اس کا کلام ضائع ہو گیا ہے۔

۲۔ ایک جگہ اور لکھا ہے کہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ زیب النسا بکری کو بچہ دیتے ہوئے دیکھا چونکہ وہ نہایت تکلیف میں تھی۔ زیب النسا ہنسی اور یہ شعر پڑھا۔ اس کے اس شعر کا وجود بھی مشتبہ ہے کہ یہ شعر زیب النسا کا ہے یا کسی اور کے شعر کو ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

۳۔ ایک جگہ یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی کنیز آئینہ اٹھا کر زیب النسا کے پاس لا رہی تھی۔ آئینہ گر گیا۔ کنیز زیب النسا کے پاس آئی تو زیب النسا نے کہا کہ کیا ہوا۔ کنیز نے یہ مصرع پڑھا

ع از قضا آئینہ چینی شکست زیب

شاعرانہ ترنگ میں بیٹھی ہوئی تھی یہ مصرع موزوں کر کے اس مصرع کے ساتھ چسپاں کر دیا اور یہ اچھا خاصا شعر ہو گیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست
خوب شدا اسباب خود بینی شکست[۸۹]

یہ تمام باتیں محض قیاسات پر مبنی ہیں، ان روایات اور واقعات کی تصدیق تاریخ کی کتابوں سے نہیں ہوتی اور نہ ہی وہاں اس طرح کا واقعات اور روایات کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱۶۔ گیتی آرا کے بارے میں بھی کہیں سے کوئی شواہد نہیں ملتے کہ اس شہزادی کا تعلق تیموری خاندان سے ہے۔ اردو تذکرہ نگاروں نے اس شاعرہ کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ گیتی آرا متخلص بہ اسم۔ فارسی خواں ہے۔ گو عام پیشہ کرتی ہے مگر اپنے تیئں شہزادی بتاتی ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا ہے۔

ہم نشیں ہیں وہ کہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا
یا ہمیں وہ نہ رہا یا وہ زمانہ نہ رہا[۹۰]

۱۷۔ اسیر کے بارے میں بھی جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بابت وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیگمات چغتائیہ میں سے تھی، کتابوں میں اس کے بیگمات چغتائیہ میں سے ہونے کے بارے میں کچھ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

۱۸۔ تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اپنی عورتوں کو جاہل رکھا ہے۔ مزید لکھا ہے کہ اہل ہنود نے اپنی عورتوں کو اس وقت سے جاہل رکھنے شروع کیا ہے، جب سے مسلمان اس ملک پر قابض ہوئے ہیں۔ آگے جا کر وہ یہ لکھتے ہیں کہ اب بھی ہندوستان میں مدراس زنانہ جگہ جگہ کھل گئے ہیں۔۔۔ لیکن ہندوستانیوں کے کیا کہنے کہ ایسے عہد دولت میں بھی وہ اگر اپنی عارضی جہالت نہ چھوڑیں تو مجبوری ہے۔[۹۱] ان تمام بیانات میں سوائے متعصبانہ جذبات و خیالات کے اظہار کے علاوہ تحقیقی شواہد سے عاری نظر آتے ہیں۔

۱۹۔ شوخ کے بارے میں بھی تذکرہ نویسوں نے اس کو زوجہ نواب عماد الملک غازی الدین خان بہادر مرحوم وزیر عالم گیر ثانی قرار دیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں زوجہ نواب عماد الملک ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ تاریخ اودھ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شجاع الدولہ کی زوجہ ہیں۔ تاریخ اودھ اور بیگمات اودھ میں یہ لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ نے علی قلی خان والہ داغستانی کی بیٹی گنا بیگم سے نکاح کر کے ان کو عالیہ سلطان کا خطاب دیا تھا۔ نجم الغنی نے تاریخ اودھ میں مسٹر اردن کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ عماد الملک نے علی قلی خان داغستانی کی بیٹی بنو بیگم سے نکاح کیا تھا۔ درج بالا بیانات سے اس بات کی تصدیق

ہو جاتی ہے کہ یہ عماد الملک کی بیوی نہیں ہے بلکہ نواب شجاع الدولہ کی بیوی ہیں۔تذکرہ نویسوں کو اس شاعرہ کے سوانح کے اندراج میں غلط فہمی ہوئی ہے۔"[۹۲]

معروضیت:

معروضیت یا غیر عصبیت اچھے تذکروں کا ایک عمدہ وصف ہے۔تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ افراد کی سیرت و سوانح کے بیان میں اور نمونۂ اشعار کے انتخاب میں غیر جانبدار رہے۔احباب و اغیار سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔اردو شعرا کے تذکروں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو تذکروں میں یہ وصف خال خال ہی ملتا ہے۔شعرائے ریختہ کے تذکروں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بعض تذکرے پیش رو تذکرہ نگاروں کی تقلید میں لکھے گئے اور بعض تذکرے ایک دوسرے تذکرے کے رد عمل کے طور پر سامنے آئے۔ان تذکروں میں نفرت و عناد اور حسد و رقابت اور جانبداری کی عام کار فرمائی نظر آتی ہے۔مثلاً تذکرہ نویس نے بعض شعرا کو ذاتی عناد یا کم فہمی کی بنا پر مطعون کیا یا وہ مقام نہیں دیا جس کا وہ مستحق تھا اور بعض شعرا کو اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر تذکرہ نویس نے تذکرے میں مناسب مقام عطا اور ان کی تعریف و تحسین میں بھی زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے اور ان شعرا کے شہرت کے گراف کو مزید اوپر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔اسی طرح اردو شاعرات کے تذکروں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعرات کے تذکروں میں اس طرح کی ذاتی نفرت و عناد کی کار فرمائی تو نظر نہیں آتی۔دوسرا شاعرات کے یہ تذکرے سوانح و نمونہ کلام کے اعتبار سے حد درجہ مختصر ہیں۔جس کی وجہ سے ان تذکروں کا اس طرح سے مطالعہ و تجزیہ کرنا اور کوئی حتمی رائے دینا مشکل ہے لیکن ان تذکرہ نگاروں کے جن جن شاعرات سے ذاتی مراسم تھے،ان شاعرات کا تذکرہ لکھتے وقت تذکرہ نویسوں نے ان کا تذکرہ بڑے لگاؤ اور دلچسپی کے ساتھ کیا ہے۔مثلاً بہت سی شاعرات کا تذکرہ لکھتے وقت تذکرہ نویس ان شاعرات کے ساتھ اپنے ذاتی چاؤ، لگاؤ اور دلچسپی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے ۔

۱۔ گوہر پرتاب گڑھ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" سلامتی سے کچھ گاہ بھی لیتی ہیں مگر اپنا ہی کلام، ہم سے غریبوں کی نہ دعا قبول ہوتی ہے نہ سلام"۔[۹۳]

۲۔ شریر کے بارے میں لکھتے ہیں:" راقم بھی بوجہ میاں جان صاحب شفیق موصوف سے چشم آشنا ہے۔"[۹۴]

۳۔ نقاب حمید بھائی کے لیے رقمطراز ہیں کہ" چوٹی ناگن ہے، زلف بلا ہے، گانے میں بھی خوب صورت گلا ہے۔ان کے ناچ کے ٹھاٹھ نامی۔۔ کو انگلیوں پر نچاتے ہیں۔بھاؤ میں لبھاؤ ہے، بگڑنے نے بھی بناؤ ہے۔ سولہ برس کا سن، جوانی کے ارمان نکلنے کے دن۔یہ رشک زہرہ شاگرد بی حجاب ہے، اپنی ہمشیر کلامی سے مشق سخن کرتی ہے"۔[۹۵]

۴۔ صنم درگاہ بائی کے بارے میں لکھتے ہیں: " ایک مرتبہ راقم بھی اپنے ایک خلاصہ مخلصاں محمد اشرف خاں رئیس آگرہ کے ساتھ اس شاعرہ سے ملا تھا۔ ذہن اس کا اس زمانے میں بھی بلا تھا۔ عربی کی چند کتابیں بھی گھول کر پی بیٹھی ہے، دنیا کے سارے مزے حاصل کیے بیٹھی ہے۔"[۹۶]

۵۔ بستی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " اجلاس گورنمنٹی میں جو راقم کا جانا آگرہ ہوا تھا، اسی زمانے میں مجھ سے ملنے آئی تھی۔ صورت میں اگرچہ اچھی نہ تھی، الا طبیعت اچھی رکھتی تھی"۔[۹۷]

۶۔ منی بائی حجاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "عمر میں انیس سال کی گرہ پڑی ہے۔ شاعری کے رستے میں قدم توڑ رکھا ہے مگر سنبھل کر چلیں، یہ منزل کڑی ہے۔ پہلے ہم سے گداختہ دلوں سے اپنا دل لگائیں۔ معشوق کو بلائے طاق رکھیں، عاشق بن جائیں۔ آج کل کی شاعرہ سے اب بھی بہتر ہیں، مشتری اور زہرہ کی ہم سر ہیں۔ دور دور کی سیر کر چکی ہیں۔ پیمانۂ لطف زندگی خوب بھر چکی ہیں۔ ایک ہم سے بھی ملاقات ہوئی باقی ہے۔ یقین ہے کہ یہ آرزو بر آئے گی، اگر سچی مشتاق ہے۔ المختصر یہ منتخب ان کے اشعار حوالہ کلک سامری کردار ہیں۔"[۹۸]

۷۔ ڈھب کے بارے میں لکھتے ہیں: " نازک بدن، خوش اندام، خوب صورت، نیکو افعال، سترہ اٹھارہ برس کا سن و سال، بقول حسن

ع جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نشۂ حسن میں سرشار مگر ہنوز لذائذ دینوی سے مجہور و بر کنار کوئی ہندنی پردہ نشین یوں شکر شکن سنی گئی ہے۔ گو حرف آشنا نہیں مگر ہم سایہ کے موزوں طبعوں سے ایسی ہو گئی ہے کہ معاملہ بندی میں گاہ گاہ بول اٹھتی ہے۔ کس قیامت کا حسن پایا تا۔ مجھے اس سے دلی پاک محبت تھی۔ یہ پاک بھی بہ نظر الفت دیکھا کرتی تھی۔"[۹۹]

۸۔ مشتری کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " تخلص ہے اس زہرہ جبیں کا جس کا مشتری ہر ایک عطارد خصال ہے۔۔۔۔ یہ لولی لکھنوی مثل اپنی بہن زہرہ کے آغا شمس کی شاگردی پر نازاں ہے۔ ہر طرح سے شاداں و فرحاں ہے۔"[۱۰۰]

۹۔ نزاکت کے سلسلے میں لکھتے ہیں: "خوش حالی والی دلی کی کنچنی، مشہور ڈیرہ دار ہے۔ گو ناخواندہ ہے مگر طبیعت موزوں رکھتی ہے۔ ستار خوب بجاتی ہے۔"[۱۰۱]

۱۰۔ سردار کے بارے میں رقمطراز ہیں: "یہ عورت گو ناخواندہ ہے مگر شعر کہتی ہے، طبیعت موزوں رکھتی ہے۔ سردار میں اب تک شرافت کی بو بائی جاتی ہے۔ بات کی بڑی پکی ہے، دل لگی میں یکی ہے۔"[۱۰۲]

۱۱۔ زہرہ مسماۃ الطیفن طوائف کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" ماہ جمال، مہر تمثال۔ فارسی مع قاعد جانتی ہے اور اردو کے فقرات رنگین و دلچسپ خوب لکھتی تھی، فارسی گفت گو بھی بہت صاف، بامحاورہ کرتی تھی، الحق دو ہزار آدمی میں مستثنا تھی۔ سنہ ۱۸۵۷ میں اس تنگ نائے چار آخشجی سے عالم جاودانی کو رہ گرا ہوئی۔"[۱۰۳]

۱۲۔ خفی کے بارے میں لکھتے ہیں:" زبان انگریزی سے بہرہ ور، فارسی خوانی و خوش خطی میں صاحب ہنر ہے۔ میں نے اس ہاتھی کی تحریر، بخط انگریزی و فارسی جلی قلم کی دیکھی ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب لکھتی ہے۔ خاص خاص مردوں کو بھی اصلاح دیتی ہے۔"[۱۰۴]

۱۳۔ علی کے بارے میں لکھتے ہیں:" صاحب دیوان، متمول و مخیر، حسینہ و جمیلہ، آتش و ناسخ کے زمانے میں شعلہ فشاں گزری ہے"۔[۱۰۵]

۱۴۔ گل کے بارے میں لکھتے ہیں: "شعر کہتی تھی۔ موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ گویا کہ ایک مے دوآتشہ کر کے پلاتی تھی اور ارباب ذوق کو مست بناتی تھی۔"[۱۰۶]

۱۵۔ شرارت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" ڈیرہ دار طوائف ہے۔ نہایت مشہور و معروف حسین اور خلیق ہے۔ راقم الحروف نے ۱۹۰۸ میں اس کو دیکھا تھا۔ وہ زمانہ اس کے شباب کا تھا۔ زبان کے شعر خوب ہوتے ہیں۔"[۱۰۷]

۱۶۔ ناز کے بارے میں لکھتے ہیں:" بلا کی طبیعت پائی ہے۔ کم سنی و کم استعدادی پر قیامت اٹھائی ہے۔"[۱۰۸]

۱۷۔ بیدلی کے بارے میں لکھتے ہیں:"خوش طبع، خوش کلام، حسن سیرت اور صورت دونوں میں فرد۔ عقل میں فرزانہ"۔[۱۰۹]

۱۸۔ رحیمن کے بارے میں لکھتے ہیں: "ایک بت بازاری، بے مہری و وعدہ خلافی سے عاری۔۔ خوش گلو، خوش ادا، نازک اندام یہ خوش خرام تھی۔"[۱۱۰]

اس کے علاوہ شاعرات کے حالات اور نمونہ کلام کو بھی تذکروں میں مناسب مقام عطا کیا۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی اور نمونہ کلام میں بھی ان کی نظموں اور غزلوں کے علاوہ اچھے اور معیاری اشعار کو منتخب کر کے درج تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان تذکروں بہت سی شاعرات ایسی ہیں جن کے حالات زندگی اور معیاری نمونہ کلام کا اندراج تو در کنار تذکرہ نویس ان کے نام بتانے سے بھی قاصر نظر آتے ہیں۔ بہت سی شاعرات کے ذیل میں صرف یہ لکھ کر سبکدوش ہوگئے ہیں کہ کسی مجہول الحال کا صرف یہ شعر یا مصرع نظر آیا تو درج تذکرہ کر دیا گیا۔ تذکرہ نویسوں نے بعض شاعرات کا تذکرہ لکھتے ہوئے ان کی خوبیوں اور خامیوں کو

اجاگر کرنے کے بجائے ان کے حسن و جمال کا تذکرہ چٹخارے لے لے کر کیا ہے اور ہر ایک کے خال وخط وضاحت سے بیان کیے ہیں اور بعض شاعرات کی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے بجائے ان کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ مثلاً امیر جان امیر کے بارے میں لکھتے ہیں: " بہت بھلے مانسوں کو ٹیڑی لکیر کی طرح چاٹ گئی۔"[۱۱]

۲۔ اچپل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " آنکھوں کے اندھوں گانٹھ کے پوروں کا مال چکموں سے لے لینا اس کا کام ہے۔ سنا ہے کہ رنڈی ہے، بقول اودھ پنچ شہر بربادی کی پگ ڈنڈی ہے۔"[۱۲]

۳۔ بدلا کے بارے میں لکھتے ہیں: " یاروں کی یار ہے، عیاروں سے دن رات عیاری کا کام ہے۔ گو سانولی صورت ہے مگر معشوق کی بھی آن ہے۔ کیوں حضرت "گو" کے کیا معنی ؟ سانولی صورت میں کیا برائی ہے ؟ مجنوں نے تو اسی رنگ پر خاک اڑائی ہے۔ گانے میں بیجو باورے کی روح کو باورا بنادیا، ناچ میں پرکاش کو چکرادیا۔ تان سین اب تک قبر میں تان لیتے وقت انہیں کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں۔"[۱۳]

۴۔ گوہر پڑتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: " سلطان پور کے مدرسہ نسواں میں کسب کمال کیا۔ طغری ظہوری کے سارے ورق چاٹ گئیں۔ انگریزی کتابوں کو پوٹین کی طرح نگل گئی۔ اس طرف سے فرصت پائی تو شاعری کی کائی پر پھسل گئی۔ ہر دم نئی بلا کا سامنا، ہر لحظہ ان کا قلب آماجگاہ خدنگ قضا۔ ان کے ابرو تیغ ابرو کے عشق میں آنکھ کی راہ سے کسی کا کلیجہ کٹ کر نکلتا ہے۔"[۱۴]

۵۔ زہرہ پانچویں کے بارے میں لکھتے ہیں: " یہ رنڈیاں منہ زور مشہور ہیں۔ اچھے اچھے استادوں پر طعن کرتی ہیں ، شاید تخلص کے اثر سے آسمان پر پاؤں دھرتی ہیں۔"[۱۵]

۶۔ نازک کے بارے میں لکھتے ہیں: "نازک اندام، نقشہ اچھا مگر سیاہ فام۔ مشکی رنگ، دنیا سے نرالے ڈھنگ۔ بی کالی فتن نام، دانا آدمی کو بے وقوف بنالینا اس پر تمام۔"[۱۶]

۷۔ نازک کے بارے میں لکھا ہے: " چال بازی کہ اپنا ثانی نہ رکھا۔۔۔ جو اس کے پنجے میں پھنسا، اس کے چھکے چھوٹے گئے۔ اس آفت جاں کی بدولت ایک دو بے چارے مارے بھی گئے۔ بعض اس کی کھیکھڑ سہارے گئے"۔[۱۷]

۸۔ کمن کے بارے میں لکھتے ہیں: " بھرت پور کے کسی بازار میں بیٹھتی تھی، شام کے وقت اس کی دکان پر عجوہ بھنگ نوشاں ہوتا۔ جب سب کو نشے چڑھتے تو باہم ان کو خوب چھنتی۔ رفتہ رفتہ ضلع جگت پھکڑ پن میں طاق اور شہرہ آفاق ہو گئی۔"[۱۸]

۹۔ بزرگی کے بارے میں لکھتے ہیں: "ایک کشمیری کنجری، یعنی کسبی تھی۔"[۱۹]

۱۰۔ صنوبر کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جالندھر کی طوائفوں میں کوئی کنجری تھی جو مدت تک دہلی میں رہ کر رہ گرائے عقبا ہوئی۔''[۱۲۰]

۱۱۔ ناز دومی کے بارے میں لکھتے ہیں :''نہایت شوخ مزاج، بڑی چالاک،زبان دراز،چال باز،چلتی اوزار،رنڈیوں میں مشہور روزگار ہے۔''[۱۲۱]

۱۲۔ مشتری کے بارے میں لکھتے ہیں:''اپنے تیئں فلک چہارم سے بھی بلندی پر سمجھتی ہے۔جب کمان زبان کو کوزہ کرتی ہے تو بے تحاشا زبان آوران زمان کو گرم و سرد سناتی ہے،اپنے نزدیک اوروں کو مچھلی کی طرح بھونتی ہے۔۔۔ گویا یہ مردانہ دم مارتی ہے مگران کے روبرو اس کی تمام نفسانیتیں بے سود ہیں۔''[۱۲۲]

۱۳۔ امیر کے سلسلے میں لکھا:'' رشک حسن فروشان بازاری ہے۔بے وفائی کی دوست اور دشمنِ وفاداری ہے۔''[۱۲۳]

۱۴۔ سردار کے بارے میں لکھتے ہیں:''نہ بے حجابی کا غم ہے،نہ پردہ نشینی کی شادی۔۔۔سائے میں براتیں اور بے سائے میں بے مغزوں کو چاند بجاتی ہیں۔''[۱۲۴]

۱۵۔ امراؤ جان کے بارے میں لکھتے ہیں:'' شاہد بازاری، دلی کی مشہور ڈیرہ دار ہے۔اٹھتی جوانی، نئے جوبن کی بہار ہے۔''[۱۲۵]

۱۶۔ رابعہ بلخیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بکتاش نام غلام پر مرتی تھی، چنانچہ اسی بدنامی میں اپنے حارث کے ہاتھ

سے ماری گئی۔''[۱۲۶]

۱۷۔ نازک فتن جان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بڑی عیارہ فتنہ پرداز تھی۔بات بات میں حریفان عشق میں فساد کرادیتی تھی۔''[۱۲۷]

تحقیق متن:

متن میں الحاق اضافہ و تصرف نہ صرف خواتین بلکہ مرد شعرا کے معاملے میں بھی اکثر کیا جاتا ہے۔یعنی کسی ایک شاعر کے شعر کو کسی دوسرے شاعر سے منسوب کر دینا وغیرہ۔اردو شاعرات کے تذکروں میں بہت ایسے اشعار کا اندراج موجود ہے جو ان تذکروں میں شاعرات کے ذیل میں درج کر دیا گیا ہے لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ اشعار تذکروں میں مذکور شاعرات کے نہیں ہیں بلکہ کسی اور کے کلام کو ان شاعرات سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ذیل میں ان اشعار کی فہرست پیش کی جارہی ہے،جو تذکروں میں مذکور شاعرات کے نہیں ہیں بلکہ کسی اور شاعر کا کلام ہے اور ان تذکروں میں شاعرات کے نام سے موجود ہے۔مثلاً یہ شعر

گرمی عشق مانع نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا اگا اور جل گیا[۱۲۸]

یہ شعر ان تذکروں میں عشرت تخلص، نواب عشرت محل بیگم کے نام سے منسوب ہے اور یہ شعر میر تقی کے دیوان اول کا شعر ہے جو ان تذکروں میں بیگم عشرت محل کی ذیل میں نقل ہوا ہے۔

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں[۱۲۹]

درج بالا شعر کے بارے میں تذکرہ قدیم شاعرات اردو کے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ بیگم کی شادی کا ذکر اور میر کی طرف منسوب کردہ یہ شعر راقم کو کہیں نظر نہیں آیا۔ اس شعر کی مانند یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شعر میر تقی میر کا نہیں بلکہ نادر لکھنوی کا ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل شعر گلشن بے خار میں مرزا عظیم بیگ جو عظیم تخلص کرتے تھے، کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ اور اردو شاعرات کے تذکروں میں شوخ کی ذیل میں نقل ہوا ہے۔ مثلاً یہ شعر

آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے[۱۳۰]

درج ذیل شعر تذکرۃ الخواتین میں پٹہ باز اور چھوٹے صاحب کے نام پر درج ہے۔ اور یہ شعر تذکرہ شعرائے رام پور میں وجیہ الدین رحیق کے ذیل میں موجود ہے۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے یہ شعر چوں کہ چمن انداز سے نقل کیا ہے چمن انداز میں یہ شعر چھوٹے صاحب کے نام پر موجود نہیں ہے بلکہ پٹہ باز کے ذیل میں موجود ہے اور یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ شعر پٹہ باز کا نہیں بلکہ وجیہ الدین رحیق کا ہے۔ مثلاً یہ شعر

کرتیاں جالی کی پہنے ہیں جوانان حسین
حسن کی فوج میں دیکھے یہ زرہ پوش نئے[۱۳۱]

درج ذیل شعر تذکرہ مسرت افزا میں محمدی بیگم کے نام سے منسوب ہے اور اردو شاعرات کے تذکروں میں یہ شعر گنا، تخلص شوخ کے تحت درج کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ شعر

مقابل ہو ترے لب کی اگر مصری چبا جاؤں
ترے ہونٹوں کی ہم چشمی کرے بادام کھا جاؤں[۱۳۲]

درج ذیل شعر کے بارے میں تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ شعر حیات انیس میں میر انیس کے نام سے درج ہے اور اردو شاعرات کے تذکروں میں یہ شعر نواب اختر محل کے نام سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ شعر

لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا[۱۳۳]

اس مصرع کے بارے میں تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ مصرع میر انیس کا ہے اور تذکرۃ الخواتین میں یہ مصرع کنیز تخلص کنیز فاطمہ کے نام سے درج کیا گیا ہے۔ مثلاً

ع بیکس ہو مرا کوئی مددگار نہیں ہے[۱۳۴]

تذکرۃ الخواتین میں یہ غزل شمیم تخلص بی بیگم کے ذیل میں نقل گئی ہے اور لکھا ہے کہ لکھنؤ کی کوئی پردہ نشین خاتون ہے، ان کی صرف ایک غزل نظر سے گزری ہے۔ بی بیگم لکھنؤ کی کوئی شاعر خاتون نہیں ہے بلکہ انوار فاطمہ شمیم لکھنوی کی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مصنف تذکرۃ الخواتین خود لکھنؤ میں رہنے کے باوجود لکھنؤ میں رہنے والی مشہور خاتون کے بارے میں بھی صحیح معلومات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ لکھنؤ کی ایک مشہور و معروف خاتون ہے۔ ان کی یہ غزل ان کے تذکرہ شمیم میں موجود ہے۔ مثلاً یہ غزل:

قول ہے شمشیر قاتل کا مجھے دل چاہیے
دل یہ کہتا ہے مجھے شمشیر قاتل چاہیے
مشکلیں غم کی خوشی سے
کاٹ دے انساں ہے
کچھ نہیں پہلو میں ایک ہنستا ہوا دل چاہیے
کیوں نہ رہتی دل کے پردہ میں تری تصویر ناز
ایسی لیلٰی کے لیے ایسی ہی محمل چاہیے
کشتی حسرت کو کردے غرق اے باد مراد
ڈوبنے والے جو ہیں کیا ان کو ساحل چاہیے
دیدۂ بسمل کا آئینہ تری زینت ہوا

اب تجھے کیا اور اے تصویر قاتل چاہیے
اے حنائے دست قاتل رنگ جمنے کا نہیں
کچھ لہو بھی کشتۂ حسرت کا شامل چاہیے

دل کا آئینہ دکھایا بڑھ کے جذب شوق نے
تھا تقاضا حسن کا مدمقابل چاہیے
خنجر قاتل تڑپ کر کروٹیں لینے لگا
ہاں اثر اتنا تو خون گرم بسمل چاہیے
سیر ہے بزم حسینان جہاں سے دل شمیمؔ
تو جہاں جلوہ نما ہوا اب محفل چاہیے"[۱۱۶]

تذکرہ شاعرات اردو کے مصنف نے لکھا ہے کہ جلوہ خضر میں ملکہ نور جہاں کے درج ذیل اردو اشعار ملتے ہیں۔ لیکن میر حسن کے تذکرے میں یہ دونوں اشعار معین الدین معین بدایونی شاگرد مرزا سودا سے منسوب کیے گئے ہیں۔ مثلاً

دیں جگہ زخم کو دل صد چاک میں ہم
دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بت بیباک
نقش پا کی طرح اے راحت جانِ عشق
تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم"[۱۳۵]

اس کے علاوہ مصنف شاعرات اردو لکھتے ہیں کہ جلوہ خضر میں زیب النسا کے یہ اشعار درج ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے زیب النسا کو اردو میں شاعری کرنے کو مختلف حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں محققین میں اختلاف ہے۔ زیب النسا کا اردو میں اشعار کہنا کسی حوالے سے بھی ثابت نہیں ہے۔ شاعرات اردو نے جلوہ خضر سے زیب النسا کے درج ذیل اشعار درج کیے گئے ہیں مثلاً

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسی تئیں دوست سے جدا نہ کرے

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی
پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی
آکر ہماری لاش پہ کیا کر چلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے[۱۳۶]

درج بالا تیسرا شعر جلوہ خضر میں زیب النسا کے نام سے درج کیا گیا ہے اور شاعرات اردو کے مصنف نے چونکہ جلوہ خضر سے نقل کیا ہے۔ اور اس شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شعر اردو شاعرات کے تذکروں میں گنا بیگم شوخ کی ذیل میں بھی میری نظروں سے گزرا ہے۔ یہ شعر باقی تذکروں میں گنا بیگم شوخ کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے لیکن اس شعر کے بارے میں یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ یہ شعر نہ زیب النسا مخفی کا ہے اور نہ ہی گنا بیگم شوخ کا۔ یہ شعر گلشن بے خار میں مرزا عظیم جو عظیم تخلص کرتے تھے، کی ذیل میں موجود ہے اور اس شعر کے خالق میر عظیم ہی ہیں اور یہ شعر غلطی سے ان تذکروں میں ان شاعرات کے نام سے منسوب ہو گیا ہے۔

اسی طرح ان تذکروں میں بہت سے ایسے اشعار بھی موجود ہیں، جو ان تذکروں میں دو شاعرہ کے ذیل میں نقل کیے گئے ہیں، لیکن ان کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اصل میں یہ کس کے شعر ہیں۔ چند ایک اشعار کی فہرست درج کی جاتی ہے جو ان تذکروں میں دو شاعرہ کی ذیل میں ان کا اندراج ملتا ہے۔ مثلاً

بیاں میں کس کروں جا کے اب گلہ دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہووے کا فیصلہ دل کا[۱۳۷]

یہ اشعار ان تذکروں دو شاعرہ کے ذیل میں ان کا اندراج کیا گیا ہے۔ جانی بنت قمر الدین کی ذیل میں یہ شعر درج ہے اور دلہن کی ذیل میں بھی درج کیا گیا ہے۔

ہے نالہ وزاری کا مرے شور فلک پر
پردۂ بتِ مغرور کوئی کان دھرے ہے[۱۳۸]

درج بالا یہ شعر بھی نازک اور زینت دو شاعرہ کی ذیل میں ملتا ہے۔

تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں شمع نامی شاہجہاں آبادی کا ایک الگ شاعرہ کے طور پر تذکرہ ملتا ہے۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں جو اشعار شمع کی ذیل میں نقل کیے گئے ہیں، وہ ان تذکروں میں شوخ کی ذیل میں ملتے ہیں۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں لکھا ہے کہ کسی موزون الطبع نے اس کی مذمت میں یہ کہا: مثلاً

سر سے پاؤں تک آگئی اس پر یہ حال
شمع سا معشوق دنیا میں نہیں دیکھا چھنال

اس شوخ دیدہ نے یہ جواب دیا؛

پردہ فانوس میں جلتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹیے ان کی زبان جو شمع کو بولیں چھنال[۱۳۹]

یہی اشعار اردو شاعرات کے تذکروں میں شوخ کی ذیل میں نقل کیے گئے ہیں۔ اردو شاعرات کے تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ ایک روز نواب صاحب نے یہ شعر موزوں کیا: مثلاً

سر سے پاؤں تک آگئی اس پر یہ حال
شمع سا معشوق دنیا میں نہیں دیکھا چھنال

اس کا جواب اس بدیہہ گو نے یہ دیا؛

پردہ فانوس میں جلتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹیے ان کی زبان جو شمع کو بولیں چھنال

اردو تذکرہ نگاروں نے شوخ شاعرہ کا تذکرہ دو دفعہ لکھ دیا ہے۔ ایک مرتبہ گنا بیگم کے ذیل میں اور دوسری مرتبہ شوخ کے ذیل میں۔ حالات دونوں میں ایک ہی درج ہیں۔ ایک جگہ علی قلی خان کی صبیہ لکھ دیا ہے اور دوسری جگہ بیگم زوجہ عماد الملک نواب غازی الدین خان کے نام سے تذکرہ لکھ دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

تذکرۃ النساء نادری نے گلستان بے خزاں سے تصویر شاعرہ کی ذیل میں عبارت اس طرح درج کی ہے کہ شعر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ:

پس، اس کلام پر اکتفا کی ہے، اس عالم تصویر کی کوئی نشانی نہیں دی:

شکل حال اس کی بہ ہنگام نظارہ پردہ پوش، مصور طبع صفحۂ خیال پر حسرت سے ہم دوش[۱۴۰]

نغمہ عندلیب المعروف بہ گلستان بے خزاں میں تصویر کے ترجمے کا متن کچھ اس طرح ہے:

تصویر تخلص۔ لا اعلم، ایک عورت کہ شکل حال ان کی ہنگام نظارہ پردہ پوش، مصور طبع صفحۂ خیال پر حیرت سے ہم دوش؛ تفتیش حال میں جو باصورت آئینہ تصویر حیراں، ادراک خیال میں متفحص مثال زلف پریشاں؛ شعر کے مضمون پر دل کھنچا جاتا ہے، غور کیجیے تو چہرے کا رنگ اترا جاتا ہے۔[۱۴۱]

اسی طرح ان تذکروں میں شاعرات کے ذیل میں بہت سے غزلیات ایسی بھی موجود ہیں جو انھوں نے شعرا کی زمین میں کہی ہیں بلکہ بعض مصرعے بھی بعینہ نقل کیے گئے ہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے شعرا کے کلام میں معمولی رد و بدل کے بعد ان اپنا بنالیا ہے۔ مثلاً مغل کی یہ غزل دیکھیے:

بیوفائی نہ کر خدا سے ڈر   خود نمائی نہ کر خدا سے ڈر
بحر الفت کی انتہا ہے کہاں   آشنائی نہ کر خدا سے ڈر
بے وفاؤں سے کیاوفا ہوگی   آشنائی نہ کر خدا سے ڈر
ظاہری زہد کو بھی دیکھ لیا   پارسائی نہ کر خدا سے ڈر
ہے حیا کچھ بھی دین و دنیا کی   بے حیائی نہ کر خدا سے ڈر
کیوں جلاتا ہے اور مارتا ہے   بت خدائی نہ کر خدا سے ڈر
دست نازک کا کچھ خیال تو رکھ   یوں کلائی نہ کر خدا سے ڈر
سوزن ظلم سے تو خیاؔطن   یوں سلائی نہ کر خدا سے ڈر
وہ برا ہے تو اس کو ہونے دو   تو برائی نہ کر خدا سے ڈر
منتوں سے منا رہا ہے وہ   اب ڈھٹائی نہ کر خدا سے ڈر

ہے مغلؔ رات دن ترے قرباں
اب جدائی نہ کر خدا سے ڈر[۱۴۲]

ولی کی یہ غزل دیکھیے، اس غزل کے بعض مصرعے اس میں بعینہ نقل کیے گئے ہیں۔ یہ ولی کی مشہور و معروف غزل ہے۔ ولی کی یہ غزل درج ذیل ہے۔

اب جدائی نہ کر خدا سے ڈر   بے وفائی نہ کر خدا سے ڈر
رات کیتاں سوں اے کمال ابرو   کج ادائی نہ کر خدا سوں ڈر
مت تغافل کو راہ دے اے شوخ   جگ ہنسائی نہ کر خدا سوں ڈر
ہے جدائی میں زندگی مشکل   آجدائی نہ کر خدا سوں ڈر
عاشقاں کوں شہید کرکے صنم   کف حنائی نہ کر خداسوں ڈر
آرسی دیکھ کرنہ ہو مغرور   خود نمائی نہ کر خداسوں ڈر

اس سوں جو آشنائے درد نہیں   آشنائی نہ کر خداسوں ڈر
رنگ عشق غضب سوں اے ظالم   کہربائی نہ کر خداسوں ڈر
اے ولیؔ غیر آستانۂ یار   جبہہ سائی نہ کر خداسوں ڈر[۱۴۳]

اسی طرح یاسمین کی غزل غالب کی درج ذیل زمین میں کہی گئی ہے۔ غالب کی غزل کے بعض مصرعے اس میں بعینہ نقل کر لیے گئے ہیں۔ غالب کی یہ غزل درج ذیل ہے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا   دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز   پھر ترا وقت سفر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا یعنی   پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
عذر واماندگی، اے حسرت دل!   نالہ کرتا تھا، جگر یاد آیا
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی   کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی   گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
پھر تیرے کوچے کو جاتا ہے خیال   دل گم گشتہ، مگر، یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ   سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا[۱۴۴]

اسی طرح یاسمین کی درج ذیل غزل ملاحظہ فرمایئے:

گردش بخت سے پھر ہوں دوچار
پھر ترا راہ گزر یاد آیا
یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
سرمہ کھلوایا خموشی نے مجھے
وہ جو منظور نظر یاد آیا[۱۴۵]

اسی طرح اردو تذکروں میں امراؤ حسینی کی ذیل میں جو اشعار درج ہیں وہ بہادر شاہ ظفر کی درج ذیل غزل کی زمین میں کہے گئے ہیں۔

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خرد مند بنایانہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاک درجانانہ بنایا ہوتا

نشہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل صدا چاک بنایا تو بلا سے لیکن
زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے
قابل جلسۂ راندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اگر دوریٔ ساقی سے مجھے
تو چراغ در مے خانہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن میں نہ کھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا[۱۴۶]

ماخذات:

تذکروں کے ماخذات کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نویسوں میں سے تین تذکرہ نگاروں کے ہاں ماخذات کی جانب واضح اشارے ملتے ہیں۔ان تذکروں کا مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں نے بھی اپنے عہد کے تمام دستیاب وسائل کو سامنے رکھ کر اپنے تذکرے ترتیب دیے۔تذکروں کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعرات کے حالات و کلام چار ذرائع سے حاصل کیے: اپنی ذاتی کوششوں سے،اپنے جاننے والوں ، دوستوں اور احباب سے، خود شاعرات سے براہ راست رابطہ کرکے، اردو تذکروں اور کتابوں سے"[۱۴۷]۔ان ماخذات میں سے کچھ ماخذات کی نشاندہی تذکروں میں درج معلومات سے ہوتی، لیکن بیشتر معلومات ایسی ہیں، جن کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔دوسرا اردو تذکرہ نگاروں کی زیادہ تر معلومات ایک دوسرے تذکروں سے بلواسطہ یابلاواسطہ مستعار ہیں۔

یہ بھی درست ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں سے ماخذات کو نقل کرنے کے سلسلے میں ان سے دانستا اور نادانستا لغزشیں ہوئی ہیں۔جہاں تک اردو تذکروں کے معیار تحقیق کا تعلق ہے تو اردو شاعرات کے تذکروں کو بھی اپنے عہد کے تناظر کے سیاق وسباق میں دیکھنا ضروری ہے۔کیوں کہ انیسویں صدی کے آخر میں تحقیق کا ابھی وہ معیار قائم نہیں ہوا تھا جیسے آج سائنسی تحقیق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔آج کے تحقیقی معیارات ایک صدی کے تحقیقی معیارات سے مختلف

ہیں۔اس عہد میں شعرا کے بھی جتنے تذکرے تصنیف ہوئے، ان میں بھی ماخذات کی نشان دہی نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اردو شاعرات کے ان تذکروں میں نادر دہلوی نے اپنے تذکرے میں سب سے زیادہ ماخذات سے استفادہ کیا ہے اور اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں سے زیادہ تحقیق کر کے معلومات درج کی ہیں۔اتنے زیادہ ماخذات سے استفادہ کسی اور تذکرے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

تیسرا اردو تذکرہ نگاروں نے ایک دوسرے کی معلومات نقل کرتے ہوئے غیر ذمہ داری کا ثبوت پیش کیا ہے اور بعض شاعرات کے حالات ایک دوسری شاعرات کی ذیل میں خلط ملط کیے ہیں اور بعض بیانات، روایات اور اقوال ایسے درج ہو گئے ہیں کہ جن کی سند یا ان کے صادق ہونے کے بارے میں کہیں سے بھی کوئی تصدیق نہیں ہوتی ہے۔بعض جگہ شاعرات کی ذیل میں مستند معلومات تحقیق کر کے درج کی ہیں، وہیں بہت سی ایسی غیر مستند باتیں بھی درج تذکرہ ہو گئی ہیں، جو سراسر تحقیقی شواہد سے عاری ہیں۔ان تذکرہ نگاروں نے اردو شاعرات کے ساتھ ساتھ فارسی شاعرات کو بھی شامل تذکرہ کیا ہے۔فارسی شاعرات کے حالات وکلام ان تذکرہ نگاروں نے فارسی کے قدیم شعرا اور شاعرات کے تذکروں سے بعینہٖ نقل کی ہیں۔ان کے تقابل سے یہی نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ اردو تذکرہ نگاروں نے فارسی شاعرات کے حالات وکلام اور ان کی ذیل میں درج بیانات، روایات اور اقوال کے سلسلے میں مزید کوئی پیش رفت یا اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ انھوں نے انہی کی معلومات پر انحصار کیا ہے۔چاہے وہ تحقیقی اعتبار سے کتنی بھی نامعتبر ہی کیوں نہ ہوں۔ان تذکروں کے ماخذات کے بارے میں تفصیل سے بحث باب سوم میں دی جا چکی ہے۔

تنقیدی عناصر:

اردو تذکرہ نویسوں نے شاعرات کے حالات وکلام پر باقاعدہ طور پر تنقید یا تبصرہ تو نہیں کیا لیکن کہیں کہیں ان کے قلم سے بعض باتیں ایسی بیان ہوئی ہیں، جن سے نہ صرف ان تذکرہ نویسوں کے تنقیدی شعور کے بارے میں آگاہی فراہم ہوتی ہے بلکہ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کس قدر شاعرات کے کلام کے اوپر اپنے تاثرات کا بے باکانہ اظہار کیا ہے اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے وقت انھوں نے کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔مثلاً ذیل ان تذکروں میں سے چند ایک مثالوں کی فہرست نقل کی جاتی ہے۔مثلاً

۱۔ اسیر کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ایک مطلع کے سوا باقی کلام اس کا بکاین کا پھول ہے۔"[۱۴۸]

۲۔ پری میجو کے بارے میں تحسینی کلمات ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اشعار کے مضارع ایسے کسی کے دست گریباں ہی نہیں، جیسے ان کے ہیں۔سبحان اللہ چستی الفاظ و بندش مضامین میں ان کا جواب نہیں، ان کے کلام سے اشعار کے لیے حاجت انتخاب نہیں۔" سرے سے دو چار شعر تحریر ہوئے ہیں۔مثلاً

یہ کیوں بزم میں غیر آئے ہوئے ہیں
بتاؤ تو کس کے بلائے ہوئے ہیں
کہاں تھی یہ بلبل میں نغمہ سرائی
پری کے یہ سب رنگ اڑائے ہوئے ہیں
ستاؤ نہ ہم کو بلاؤ یوں خدارا
یہ سمجھو تو کس کے بنائے ہوئے ہیں
جنوں کا جوش ہے الجھن ہے گھبراہٹ ہے دھڑکن ہے
دل مضطر کسی پہلو نہیں دم بھر بہلتا[۱۴۹]

۳۔ گیتی آرا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " عام پیشہ کرنے والیوں میں بڑھی ہوئی ہے مگر شہزادی آپ کر بتاتی ہے۔ یہ بے ہنگام بانگ سناتی ہے۔" یہ شعر اس کا ہے۔

غم نشین ہیں وہ کہاں کوئی ٹھکا نا نہ رہا
یا ہمیں وہ نہ رہے، یا وہ زمانہ نہ رہا[۱۵۰]

۴۔ جہاں، شاہ جہاں بیگم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" یہ کون برہم زن ہنگامہ شاعری ہیں اور کسی جزیرے کی یہ شاعرہ بے نظیر ہیں۔ کس نے ان کو الٹی پٹی پڑھائی ہے۔ یہ شاعری ان کو کس نے سکھائی ہے۔ میرے رائے میں ان کے دماغ میں فتور ہے۔ جس نے ان کو فکر سلیم اور ذہین سلیم سے دور کر دیا ہے۔ علاج کرائیں تو بہتر ہے، اچھی ہوں تو ہمارا ذمہ۔ ناسخ کی غزل کے جواب میں یہ اشعار تحریر ہیں۔ کل غزل کا لکھنا وقت کا ضائع ہونا تصور کیا گیا۔"[۱۵۱]

۵۔ نزاکت کے بارے میں لکھتے ہیں: " جس نے یہ غزل اپنے نزدیک یہ پیرایہ جواب غزل بی مشتری لکھنوی مشتہر کی تھی۔ کہاں ذرہ کہاں آفتاب، کہاں نزاکت کے بھدے اشعار، کہاں مشتری کی غزل کا جواب۔"[۱۵۲]

۶۔ چھوٹی صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "سنا ہے کہ دربار کی نوکر ہے خان ساماں خدمت گاروں کے لیے کلام اس کا بہتر ہے۔"[۱۵۳]

۷۔ امیر کے تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں" یہ شعر جو ذیل میں درج ہے، اگرچہ اس کے نام سے مشہور ہے۔ الا اس کی طبیعت سے یہ فصاحت کوسوں دور ہے۔"[۱۵۴]

۸۔ روایہ کاذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کسی چھبیلی کی دختر ہے۔ سخن وری میں نہ بدتر ہے، نہ بہتر ہے۔ اس کا کلام رنگین بھی ہے، چھپنے کے لائق ہے، سو تحریر ہے۔

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبر دار نہ ہوتا[۱۵۵]

۹۔ امراؤ حسینی بیگم کے بارے میں لکھتے ہیں: '' آخری شعر میں اگر کے بجائے اگرچہ لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مگر عورتوں کی شاعری اوران کی زبان کے لیے سب معاف ہے۔''[۱۵۶]

۱۰۔ امیر کے کلام پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایک شعر درج تذکرہ ہے جو میں بھی لکھتا ہوں۔ جو جذبات نسوانی کا صحیح فوٹو اور صاف نقشہ ہے۔''

غصہ سے چہرہ میرا گل نار ہو گیا
بس بار مجھ پہ طعنۂ اغیار ہو گیا[۱۵۷]

۱۱۔ کلثوم کے کلام کے بارے میں ستائشی کلمات لکھتے ہیں: ''ایک نظم اجڑے دل کی فریاد کے نام سے نقل کیے دیتا ہوں۔ اگرچہ نظم طویل ہے۔ مگر پڑھنے سے دل میں کیف لطیف پیدا ہوتا ہے اور ایک جذبہ غم کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ زبان اور کلام کا طرز اس کا شاہد ہے۔''[۱۵۸]

۱۲۔ اچپل کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ''کسی چلبلی عورت کا صرف ایک شعر ہاتھ آیا۔ اس کے مزاج کی اچپلاہٹ کو دیکھیے کہ چلبلاہٹ کے مارے اپنا احوال بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ خیر اس کے کلام ہی کے چلبلے پن کو دیکھ کر اس کے اچپلے پن کو سمجھ لو!''

ہے عیش اس کے جی کو اجی غم بہت ہے یاں
شادی وہاں رچائی ہے ماتم بہت ہے یاں[۱۵۹]

۱۳۔ اختر کے بارے میں توصیفی کلمات درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '' یہ نیک اختر تیموریہ خاندان کی ہے جس کا اختر طالع اب تک اوج فلک نام آوری پر درخشاں ہے، اور کیوں نہ ہو! کہ یہ بلند اختر مضامین نعتی و منقبتی کی شاغلہ ہے۔ قدسی قدس اللہ سرہ کی غزل کو اس نے کیا اچھی طرح تضمین کیا ہے جس نے ریختی کا مزہ بھی چکھا دیا ہے۔ عام شعر بھی اس اختر بروج نکوئی کے عام پسند ہیں، عاشق مزاجوں کے دلوں کے پیوند ہیں۔''[۱۶۰]

۱۴۔ پٹہ باز کے بارے میں لکھتے ہیں: "شاہد بازاری غدر سے پہلے سہارن پور میں موجود تھی۔ اب اس کی حقیقت مفقود ہے۔ مگر اس کا شعر لاحقہ اچھا، مضمون نیا ہے۔ جو سنتا ہے، عش عش کرتا ہے جو دل گدازی رکھتا ہے، اس تازہ مضمون پر غش کرتا ہے۔"[۱۶۱]

۱۵۔ نزاکت کے بارے میں لکھتے ہیں: " گو ناخواندہ ہے۔ مگر طبیعت موزوں رکھتی ہے۔"[۱۶۲]

۱۶۔ پکھراج کے بارے میں لکھتے ہیں: " طبیعت بہت اچھی پائی ہے۔ کلام صاف وعمدہ ہوتا ہے۔"[۱۶۳]

۱۷۔ ناز کے بارے میں لکھتے ہیں: " بلا کی طبیعت پائی ہے۔ کم سنی وکم استعدادی پر قیامت اٹھائی ہے۔"[۱۶۴]

۱۸۔ جانی کے بارے میں لکھتے ہیں: "بیگمات اودھ میں ایک باسلیقہ اور سربرآوردہ عورت تھی۔ شعر اچھا لکھتی ہے اور استعداد فی البدیہہ شعر کہنے کی بھی رکھتی ہے"۔[۱۶۵]

۱۹۔ حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں: " عورت سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک ایک ایک شعر ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ اس کا ایک ایک عضو شعر ہے۔ یہاں تک بعض اوقات وہ جذبات میں ڈوب کر ایک خاص کیف و سرود کے عالم میں مسکراتی ہوئی خراماں خراماں چلتی ہے تو اس کے رویں رویں اشعار کی بارش ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک ہی اشعار کا موازنہ کیجیے مردوں کے اشعار میں وہ لطف نہ ہوگا جو ان کے ہم پلہ خواتین کے اشعار قیامت ڈھائیں گے۔ لکھتی ہیں کہ ایک مشاعرہ میں ان کی غزل نے ایک غزل نے کہرام مچادیا اور اس غزل کے ایک شعر نے تو قیامت بپا کردی ہے۔" مثلاً یہ شعر

رات کو آئیں گے ہم صاف معما یہ ہے
وعدۂ وصل کیا اس نے دیکھا گر گیسو[۱۶۶]

۲۰۔ فاطمہ کے بارے میں لکھتے ہیں: " اکثر پاافتادہ اور فرسودہ مضامین کو اس طرح ادا کیا کہ ان میں ندرت پیدا ہوگئی ہے اور طرز بیان کی خوبی اور لطافت نے ان کو اور زیادہ مؤثر بنادیا ہے۔"[۱۶۷]

۲۱۔ اختر محترمہ ج بیگم کے سلسلے میں لکھتے ہیں: " کلام کا رنگ پختہ ہے۔ اشعار نہایت پر کیف وپراثر ہیں"[۱۶۸]۔

عصری نقوش:

اردو شاعرات کے تذکروں میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں عصری نقوش کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ان تذکروں کے دیباچوں میں عورتوں کی تعلیمی تحریکات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر تذکرہ نویس نے ہندوستان میں تعلیم نسواں کی حمایت میں پرزور دلائل دے کر ہندوستانی ارباب اقتدار اور عوام الناس کو عورت کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مبذول کی۔ تذکروں کے دیباچوں میں تذکرہ نگاروں نے عورتوں کی تعلیم کے بارے میں جو بحثیں کی

ہیں، ان کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ ان مباحث سے ہندستان میں عورتوں کی تعلیمی حالت پر نہ صرف روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ یہی تذکرہ نگار ہندوستان میں تعلیمی بیداری کے محرک بنے۔ ان تذکرہ نگاروں کا تذکرہ لکھنے کا محرک عورتوں کی تعلیم ہی وجہ بنی۔

مثلاً فصیح الدین رنج میرٹھی نے نہ صرف ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا بلکہ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیمی حالت پر اظہار افسوس بھی کیا ہے۔ مثلاً رنج نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے عورتوں کی تعلیم کی کمی پر اظہار افسوس ان الفاظ میں میں کیا ہے۔

> بڑی دل چسپ اور افسوس کی بات اور نہایت حسرت کا مقام باوجود ایسے فضائل اور شرائف کے خدا جانے مستورات ہند کو تحصیل علم میں کیوں کلام ہے۔ خیال کرنا چاہیے مستورات انگلشیہ کی تحصیل و کسب پر کہ ایک اعلیٰ اور ادنیٰ جملہ صفت اور ادب پر ایک ایک میم اپنے وقت میں علامۂ زمان ہے۔ زبان دانی اور تعلیم و تعلم میں مستثنائے جہان ہے۔ بڑے بڑے اسکول سرکاری میں ان مستورات کو خدمت تعلیم و تادیب ہے، ہر ایک جگہ پر مستعد تحریص و ترغیب ہے۔ کیسی ہی جاہلہ ان کی صحبت میں دم بھر کو جائے پھر ممکن نہیں کہ تحصیل علم کا اس کو دھیان نہ آئے۔ بجز شغل ہند اور کسی شے سے ان کو کام نہیں۔ [۱۶۹]

آگے جا کر وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> طرۂ آور ہے کہ جو لوگ ان کے وارث والی ہیں۔ کبھی ان کی تربیت کا خیال نہیں۔ ان ناقصوں کو ہر گز قدر کمال نہیں۔ حالانکہ سرکار گورنمنٹ کا یہ فیض عام اب ہر جگہ جاری ہے، کوئی شہر و قصبہ ایسا نہیں ہے جہاں اسکول اور مدرسے کی تیاری نہیں ہے۔ مستورات کی تعلیم کے واسطے علیحدہ مدرسے کی تعمیر و ترتیب ہے۔ ایک ایک علامہ ذی فن فخر لندن وہاں پر معلم و ادیب ہے۔ اگر یہ لوگ اس حال میں اس دولت سے محروم رہ جائیں تو نہایت عجب ہے بلکہ میری دانست میں یہ بھی ایک خدا کا غضب ہے۔ [۱۷۰]

رنج تعلیمی نظریات کے مقابلے حالی اور سرسید سے بھی بہت آگے تھے۔ رنج بڑے زور و شور سے تعلیم نسواں کا وسیع القلبی سے اظہار کیا وہ ان کی فکر و آگہی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

بہارستان ناز کے بعد تذکرۃ النساء کے مصنف نے بھی عورتوں کی تعلیم کی اہمیت و افادیت پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے اہل چین کی ایک تالیف توشن کا تعلق تعلیم نسواں سے ہے، تعارف کروا کر اہل ہند کو تعلیم نسواں کی طرف راغب کرتے ہوئے اپنے تذکرے کا جواز پیدا کیا ہے۔ نادر اہل ہند کو تعلیم نسواں کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

دیکھو! چین کی ولایت میں بھی کیا عمدہ قاعدے مستورات کے لیے مقرر ہیں۔ کہو! ان کی پابندی سے کیا عمدہ نتیجہ نکلتا ہو گا۔ اگر ہمارے دیسی بھائی بھی اس پر غور فرمائیں اور تعلیم نسواں کی ترقی میں کوشش کریں تو کیا اچھی بات۔"[۱۷۱]

نادر اور رنج کی طرح صفا نے بھی تعلیم نسواں کی حمایت کی ہے۔ ان تینوں تذکرہ نگاروں نے اپنے اپنے دیباچوں میں تعلیم نسواں کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ صفا بھی اپنے تذکرے کے دیباچے میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔ مثلاً

علم وہ دولت ہے کہ اس کو کسی وقت کسی حالت میں زوال نہیں، نہ چور اس کو چرا سکتا ہے، نہ ظالم چھین سکتا ہے، جس قدر اس کو صرف کیا جائے، اسی قدر اس سرمایے کی ترقی ہوتی ہے۔ کوئی قوم جب تک سوشل امور مذہبی و ملکی سے بخوبی واقف نہ ہووے تب تک مہذب نہیں کہلا سکتی۔ اعلیٰ درجے کی عورتیں اگرچہ آپس کے برتاؤ کے طریق فرائض مذہبی اور رسوم ملکی سے واقف ہوتی ہیں مگر غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اصل مقاصد ان سے سرانجام ہونا ایک کار دشوار معلوم ہوتا ہے۔ سب کاموں سے حفظ صحت اور پرورش و تہذیب اطفال کا خیال رکھنا مقدم ہے اور نا تعلیم یافتہ عورتیں قواعد حفظ صحت و پرورش و تہذیب اطفال سے انجان رہ کر اپنی اور اپنے خاندان کی بربادی کا سبب ہوتی ہے۔"[۱۷۲]

ان تذکرہ نگاروں کے بیانات سے اس عہد میں عورتوں کی تعلیمی تحریک اور تعلیم نسواں پر کسی حد تک روشنی پڑتی ہے۔ تعلیم نسواں کے بارے میں جس نوعیت کی کوشش ہو رہی تھی، ان تذکروں کے دیباچوں میں ان کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے نظریات کے بارے میں علم ہوتا ہے جو بعد میں جا کر جدید نظریے کے طور پر مقبول ہوئے۔ مثلاً تذکرۃ الخواتین کے دیباچے میں بین المتونیت کے نظریے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا جو بہت بعد میں بین المتونیت کے تحت ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر آیا۔ تذکرۃ الخواتین کے مصنف نے اپنے دیباچے میں اس نظریے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ مثلاً

میرا یہ خیال ہے کہ ہر وہ شاعر جو اسی فکر میں رہے گا کہ میں ایسی نئی بات کہوں جو اب تک کسی نے نہ کہی ہو وہ یقیناً مہمل گو ہو گا اور اس کے اکثر مضامین مضحکہ خیز ہوں گے۔ اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ایسی بات کہے کہ جو کسی نے نہ کہی ہو۔ کیونکہ انسان میں فطرتاً قوت ابداع نہیں رکھی گئی۔ وہ تراش خراش کر سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی نئی بات پیدا کر سکے۔"[۱۷۳]

اس کے علاوہ درج ذیل بیان سے کسی حد اس عہد کی اصلاح شاعری اور زبان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

اصل یہ ہے کہ جدید رنگ جس کی بنیاد بعض ناعاقبت اندیشوں کے دماغ نے ڈالی ہے۔ صرف الفاظ کا گھروندا ہے۔ کہیں کہیں نہ بحر سمجھ میں آتی ہے اور نہ طبع سلیم کو صحیح صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاعر

مطلب کیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی ہے۔ اگر یہ ترقی ہے تو اردو کی یہ ترقی معکوس دیکھ کر اردو کا ماتم کرنا چاہیے۔[۱۴۷]

تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں اپنے عصر کی بھرپور عکاسی ترجمانی کی ہے۔ کاش وہ اس طرح کی اور بہت سے تحریکات پر اظہار خیال کرتے تو بہت سی معلومات سے آگاہی ملتی۔

آخر میں یہاں مختصراً ان تحقیقی تسامحات کی نشاندہی کر کے فہرست درج کی جاتی ہے جو مذکور تذکروں میں بہت سے مقامات پر در آئے ہیں اور ان ماخذات کے نقل کرنے کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے دانستہ اور نادانستہ تحقیقی اغلاط کی ہیں۔ یہ تمام تحقیقی تسامحات شعرا اور شاعرات کے تذکروں میں فرسودہ اور غیر متعین تحقیقی معیار کی وجہ سے در آئے ہیں۔ یہ فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ جانی شاعرہ قمرالدین کی بیٹی نہیں ہے اور آصف الدولہ کی زوجہ بھی نہیں ہے۔

۲۔ حجاب شاعرہ نہیں ہے بلکہ تذکرہ نگاروں نے عالم کا تذکرہ حجاب کی ذیل میں کر دیا ہے۔

۳۔ حجاب، چھوٹی بیگم متعمد الدولہ کی صاحبزادی نہیں ہے۔ متعمد الدولہ غازی الدین حیدر کے بھائی بھی نہیں ہیں۔ اعظم علی خان نواب متعمد الدولہ کے فرزند بھی نہیں ہیں۔

۴۔ دلہن شاعرہ نہیں ہے۔ تذکرہ نویسوں نے اس کا شمس النساء شرم تخلص کی شاعرہ کے حالات آپس میں خلط ملط کر کے اس شاعرہ کا تذکرہ زائد لکھ دیا ہے۔

۵۔ خدیجہ سلطان کا علی قلی خان کی بیٹی ہونا تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔

۶۔ سومی کوئی شاعرہ نہیں ہے۔ تذکرۃ الخواتین نے ناز تخلص کی شاعرہ کے حالات آپس میں یکجا کر کے اس کا زائد تذکرہ لکھ دیا ہے۔

۷۔ تذکرۃ الخواتین نے رابعہ اور روایہ شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے، اصل میں یہ ایک شاعرہ ہے۔ راویہ کا تذکرہ زائد لکھا گیا ہے۔

۸۔ چندا ماہ لقا کا ذکر ان تذکروں میں تین دفعہ آیا ہے۔

۹۔ پروین اور نسرین ایک شاعرہ ہے۔ دو تخلص استعمال کرنے کی وجہ سے اس کا تذکرہ دو دفعہ کیا گیا ہے۔

۱۰۔ عشرت شاعرہ نہیں ہے، تذکرہ نویسیوں نے اس کا ذکر کر کے اس کی ذیل میں میر تقی میر کے شعر کا اندراج کر دیا ہے۔

۱۱۔ نسیمہ دہلوی نے اپنے تذکرے میں تین امراؤ نامی شاعرات کا تذکرہ ایک ساتھ لکھ دیا ہے۔ جب کہ باقی تذکرہ

نگاروں نے تین علیحدہ علیحدہ شاعرات کا تذکرہ لکھا ہے۔

۱۲۔ نسیمہ دہلوی نے اپنے تذکرے میں وزیر آبادی کے تذکرے میں جو اشعار درج کیے ہیں، باقی تذکروں میں وہ نازک تخلص فتن جان کی ذیل میں درج کیے گئے ہیں۔

۱۳۔ بی بیگم لکھنو کی کوئی شاعر خاتون نہیں ہے بلکہ تذکرۃ الخواتین نے جس خاتون کا تذکرہ اپنے تذکرے میں بی بیگم کے نام سے کیا ہے۔ وہ بی بیگم نہیں ہیں بلکہ انوار فاطمہ لکھنوی ہیں۔

۱۴۔ شوخ عماد الملک کی بیوی نہیں ہیں۔

۱۵۔ کنیز تخلص کی ذیل میں جو شعر درج کیا گیا، وہ علی اوسط رشک کا کلام ہے۔

۱۶۔ تذکرۃ الخواتین میں بسم اللہ بیگم کے بارے میں جو معلومات درج کی گئی ہیں، وہ درست نہیں ہیں۔

۱۷۔ نمونہ کلام میں الحاق و اضافہ ملتا ہے۔ اور ایک ہی شعر بعض دفعہ تین تین شاعرات سے منسوب کیے گئے ہیں۔

۱۸۔ شاعرات کے سوانحی کوائف بھی درست درج نہیں کیے گئے ہیں۔

۱۹۔ تاریخی واقعات اور روایات بھی غیر تحقیقی، خود ساختہ اور شواہد سے عاری ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فصیح الدین رنج میرٹھی، بہارستان ناز، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)، ص ۱۰۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۵۔ درگاہ پرشاد نادر دہلوی، تذکرۃ النسائے نادری، مرتبہ رفاقت علی شاہد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۶۰۔

۶۔ بہارستان ناز، ص ۲۱۸۔

۷۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۸۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۱۰۔ نسیمہ دہلوی، شاعرات کا تذکرہ، س،ن، ص ۴۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۹۔

۱۲۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۲۰۰۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۵۔

۱۶۔ بہارستان ناز، ص ۱۹۳۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۹۹۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۸۶۔

۱۹۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۳۷۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۸۳۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۲۲۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۲۰۶۔

۲۳۔ ایضاً، ص۲۰۸۔

۲۴۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۲۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۷۵؛ماہ درخشاں، ص۴۱۔

۲۵۔ ماہ درخشاں، ص۴۱؛بہارستان ناز، ص۱۷۲؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۷۶؛تذکرۃ الخواتین، ص۱۱۷۔

۲۶۔ ماہ درخشاں، ص۱۶؛بہارستان ناز، ص۱۳۷؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۴۱؛تذکرۃ الخواتین، ص۴۷۔

۲۷۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۳۲۔

۲۸۔ بہارستان ناز، ص۱۰۰؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۷۔

۲۹۔ بہارستان ناز، ۱۰۳؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۷۔

۳۰۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۴۸؛بہارستان ناز، ص۱۴۲؛تذکرۃ الخواتین، ص۶۳۔

۳۱۔ تذکرۃ الخواتین، ص۵۳،۵۴؛بہارستان ناز، ص۱۴۲۔

۳۲۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۵۳؛بہارستان ناز، ص۱۴۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۶۷۔

۳۳۔ بہارستان ناز، ص۱۴۷؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۵۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۶۷۔

۳۴۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۰۶۔

۳۵۔ ایضاً، ص۴۷۔

۳۶۔ بہارستان ناز، ص۱۲۴؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۳۶؛تذکرۃ الخواتین، ص۳۶۔

۳۷۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۵۹۔

۳۸۔ ایضاً، ص۱۱۲۔

۳۹۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۵۲؛بہارستان ناز، ص۱۴۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۸۷۔

۴۰۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۲۰۶۔

۴۱۔ ایضاً، ص۱۷۶۔

۴۲۔ ایضاً، ص۱۹۶۔

۴۳۔ ایضاً، ص۲۲۳۔

۴۴۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۷۵۔

۴۵۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۷۳؛بہارستان ناز، ص۱۰۹۔

۴۶۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۸۳۔

۴۷۔ نجم الغنی،تاریخ اودھ،جلد سوم(کراچی نفیس اکیڈمی،۱۹۸۰)،ص۱۴۰؛انصاراللہ، نواب متعمد الدولہ اسلاف و اخلاف(نئی دہلی:غالب اکیڈمی،۱۹۸۸)،ص۴۔

۴۸۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۹۶،۱۳۹؛بہارستان ناز،۱۲۷؛تذکرۃ الخواتین، ص۱۴۷، ۹۵۔

۴۹۔ تذکرۃالنسائے نادری، ص۱۷۸؛ شیخ تصدق حسین،بیگمات اودھ(لکھنو:کتاب نگر،س،ن)،ص۴۲۔

۵۰۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۴۳۔

۵۱۔ بیگمات اودھ، ص۴۳۔

۵۲۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۷۹۔

۵۳۔ شیر خان لودھی،تذکرہ مراۃ الخیال،س،ن،ص۳۳۶۔

۵۴۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۸۹۔

۵۵۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۲۹؛بہارستان ناز، ص۱۰۷؛تذکرۃ الخواتین، ص۱۹۔

۵۶۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۸۹۔

۵۷۔ تذکرۃ الخواتین،۱۵۷،۸۲۔

۵۸۔ بہارستان ناز، ص۱۴۵؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۵۱؛تذکرۃ الخواتین، ص۱۵۔

۵۹۔ تذکرۃ الخواتین، ص۶۶۔

۶۰۔ ایضاً، ص۵۴۔

۶۱۔ ایضاً، ص۱۷۷۔

۶۲۔ بہارستان ناز،۹۶،۱۶۰؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۲۷؛شاعرات کا تذکرہ، ص۱۰؛ تذکرۃ الخواتین، ص۱۵۔

۶۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۶۴۔

۶۴۔ بہارستان ناز، ص۱۲۱،۱۴۱؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۳۷،۱۴۹؛تذکرۃ الخواتین، ص۴۰،۶۴۔

۶۵۔ بہارستان ناز، ص۸۴؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۶۲؛تذکرۃ الخواتین، ص۹۲۔

٦٦۔ ابوالحسن امیر الدین احمد امر اللہ،تذکرہ مسرت افزا، ترجمہ مجیب قریشی(دہلی: علمی مجلس کتب خانہ، ١٨٦٨)، ص٢٤٠۔

٦٧۔ تذکرۃ الخواتین، ص١٧٣،١٧٢۔

٦٨۔ ایضاً، ص٧٨،٨١۔

٦٩۔ ایضاً، ص٢٧،٤٧۔

٧٠۔ ایضاً، ص١٦٤،٧٣۔

٧١۔ شاعرات کا تذکرہ، ص٥٨؛تذکرۃ النسائے نادری، ص٢٠١؛بہارستان ناز، ص٢١٩۔

٧٢۔ بہارستان ناز، ص٢١٥۔

٧٣۔ تذکرۃ الخواتین، ص١٥٩۔

٧٤۔ بہارستان ناز، ١٠٢۔

٧٥۔ تذکرۃ الخواتین، ص٧٤،١٤٥۔

٧٦۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص٥٤۔

٧٧۔ تاریخ اودھ، جلد سوم، ص١٤٠؛معتمد الدولہ اسلاف و اخلاف، ص٤۔

٧٨۔ تذکرۃ الخواتین، ص٢٣؛قدیم شاعرات اردو، ص٢٣۔

٧٩۔ تاریخ اودھ، جلد سوم، ص١۔

٨٠۔ تاریخ اودھ، ص١٤٠۔

٨١۔ دیباچہ بہارستان ناز، ص٤٦۔

٨٢۔ صفیر بلگرامی، جلوہ خضر، جلد اول(کراچی: صفیر بلگرامی، اکیڈمی، ٢٠٠٩)، ص٥٥۔

٨٣۔ سید نصیر حسین خان، مغل اور اردو، س،ن، ص٣١۔

٨٤۔ بہارستان ناز، ص١٩٦۔

٨٥۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص١٠٥؛تذکرۃ الخواتین، ص١٩٦۔

٨٦۔ مولوی محمد رحیم بخش، تذکرۂ خواتین تیموریہ(دہلی: قومی پریس، ١٩٠٣)؛ نصیر الدین ہاشمی، خیابان نسواں (دہلی: محبوب المطابع، ١٩٣٨)، ص٢٦؛رفیعہ سلطانہ، اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ(حیدر آباد: اردو حمایت نگر، ١٩٦٨)، ص٤٥۔

۸۷۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۱۱۰۔

۸۸۔ ماہ لقا چندا بائی، دیوان مہ لقا چندا بائی، مرتب شفقت رضوی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰)۔

۸۹۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۲۱۸ تا ۲۲۴۔

۹۰۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۴۵؛ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۱۸۸۔

۹۱۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۶۴۔

۹۲۔ بیگمات اودھ، ص ۲۹، ۳۵۔

۹۳۔ بہارستان ناز، ص ۱۹۲۔

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔

۹۵۔ ایضاً، ص ۲۱۳۔

۹۶۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔

۹۷۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔

۹۸۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔

۹۹۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۱۵۰۔

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۱۰۱۔ ایضاً، ص ۲۰۳۔

۱۰۲۔ ایضاً، ص ۱۶۰۔

۱۰۳۔ ایضاً، ص ۱۵۴۔

۱۰۴۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۷۹۔

۱۰۶۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۴۱۔

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۸۴۔

۱۰۸۔ شمیم سخن، ص ۲۳۔

۱۰۹۔ بہارستان ناز، ص ۱۱۰۔

۱۱۰۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۲۱۷۔

۱۱۱۔ بہارستان ناز، ص ۱۰۰۔

۱۱۲۔ ایضاً،ص۱۰۶۔

۱۱۳۔ ایضاً،ص۱۱۴۔

۱۱۴۔ ایضاً،ص۱۹۳۔

۱۱۵۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۵۶۔

۱۱۶۔ بہارستان ناز،ص۲۱۸۔

۱۱۷۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۲۰۰۔

۱۱۸۔ بہارستان ناز،ص۱۸۶۔

۱۱۹۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۷۳۔

۱۲۰۔ ایضاً،ص۱۷۵۔

۱۲۱۔ ایضاً،ص۱۹۷۔

۱۲۲۔ ایضاً،ص۸۷۔

۱۲۳۔ بہارستان ناز،ص۹۹۔

۱۲۴۔ ایضاً،ص۱۵۶۔

۱۲۵۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۲۸۔

۱۲۶۔ ایضاً،ص۱۰۳۔

۱۲۷۔ تذکرۃ الخواتین،ص۱۶۵۔

۱۲۸۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۷۸؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۲۱؛بہارستان ناز، ص۱۷۷؛ شمیم سخن، ص۳۳۔

۱۲۹۔ قدیم شاعرات اردو،ص۶۳۔

۱۳۰۔ گلشن بے خار،ص۲۵۶۔

۱۳۱۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۳۴۔

۱۳۲۔ مسرت افزا،ص۲۴۰۔

۱۳۳۔ شاعرات اردو،ص۱۶۱۔

۱۳۴۔ تذکرہ شاعرات اردو،ص۲۰۰؛تذکرۃ الخواتین،ص۱۳۹۔

۱۳۵۔ تذکرہ شاعرات اردو،ص۱۱۶۔

۱۳۶۔ ایضاً،ص۴۷۔

۱۳۷۔ تذکرۃ الخواتین،ص۶۴؛بہارستان ناز،ص۱۴۱،۱۲۱؛تذکرۃ النسائے نادری، ص۱۴۴، ۱۳۷۔

۱۳۸۔ تذکرۃ الخواتین،ص۱۶۴،۷۵۔

۱۳۹۔ سعادت خان ناصر،خوش معرکہ زیبا،مرتبہ شمیم انہونوی(لکھنؤ:نسیم بک ڈپو،۱۹۷۱)،ص۲۰۸۔

۱۴۰۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۳۴۔

۱۴۱۔ قطب الدین باطن،گلستان بے خزاں(لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۸۲)،ص۵۰۔

۱۴۲۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۹۵؛بہارستان ناز،ص۲۰۸۔

۱۴۳۔ نورالحسن ہاشمی(مرتب)کلیات ولی(دہلی:انجمن ترقی اردو،۱۹۴۹)،ص۱۴۶۔

۱۴۴۔ دیوان غالب(لاہور:شیخ غلام علی سنز،س،ن)،ص۲۶۔

۱۴۵۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۲۰۸۔

۱۴۶۔ بہادر شاہ ظفر،کلیات بہادر شاہ ظفر(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۰)،ص۲۳۔

۱۴۷۔ تذکرۃ النسائے نادری،دیباچہ،ص۱۹۔

۱۴۸۔ بہارستان ناز،ص۹۹۔

۱۴۹۔ ایضاً،ص۱۱۶۔

۱۵۰۔ ایضاً،ص۱۹۵۔

۱۵۱۔ ایضاً،ص۱۲۲۔

۱۵۲۔ ایضاً،ص۲۳۲۔

۱۵۳۔ ایضاً،ص۱۲۸۔

۱۵۴۔ ایضاً،ص۱۰۰۔

۱۵۵۔ ایضاً،ص۱۴۵۔

۱۵۶۔ تذکرۃ الخواتین،ص۱۵۔

۱۵۷۔ ایضاً،ص۱۷۔

۱۵۸۔ ایضاً،ص۱۳۴۔

۱۵۹۔ تذکرۃ النسائے نادری،ص۱۲۴۔

۱۶۰۔ ایضاً، ص ۱۲۵۔

۱۶۱۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔

۱۶۲۔ ایضاً، ص ۲۰۳۔

۱۶۳۔ شمیم سخن، ص ۷۔

۱۶۴۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۱۶۵۔ ایضاً، ص ۲۸۔

۱۶۶۔ شاعرات کا تذکرہ، ص ۴۸۔

۱۶۷۔ شاعرات اردو، ص ۱۵۸۔

۱۶۸۔ ایضاً، ص ۲۳۰۔

۱۶۹۔ بہارستان ناز، ص ۸۵، ۸۴۔

۱۷۰۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۱۷۱۔ تذکرۃ النسائے نادری، ص ۱۱۹۔

۱۷۲۔ شمیم سخن، ص ۲۔

۱۷۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۳۔

۱۷۴۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

باب پنجم:

زبان وبیان اور اسلوب کا مطالعہ

باب پنجم:

زبان وبیان اور اسلوب کا مطالعہ

زیر نظر باب تذکروں کے اسلوب کے مطالعے اور تجزیے پر مشتمل ہے۔اس باب میں اتذکرہ نگاروں کے اسلوب کی پیش کش کو جانچا جائے گا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ انھوں شاعرات کا تذکرہ لکھتے وقت کس طرح کی زبان استعمال کی ہے۔اردو شاعرات کے تذکروں کے زبان وبیان اور اسلوب کے مطالعے کے تجزیے کے لیے انھیں درج ذیل دوادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ انیسویں صدی میں لکھے گئے اردو شاعرات کے تذکرے

۲۔ بیسویں صدی میں لکھے گئے اردو شاعرات کے تذکرے

انیسویں صدی میں لکھے گئے شاعرات کے تذکرے:

انیسویں صدی میں اردو شاعرات کے تذکروں کے اسلوب کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں لازماً اٹھارویں اور انیسویں صدی کے شعروادب پر مختصراً روشنی ڈالنی پڑے گی۔

شعروادب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اٹھارویں صدی عہد زریں کی حیثیت رکھتی ہے۔سیاسی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ صدی مغلیہ تاریخ کا سیاہ ترین باب بھی ہے۔اس صدی میں مغلیہ سلطنت کا سیاسی و سماجی ڈھانچا شکست وریخت کے عمل سے گزرتا دکھائی دیتا ہے۔اورنگ زیب کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے بادشاہ تیزی سے بدلنا شروع ہوگئے۔مغلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے والوں میں سے مختلف گروہوں نے ان کی سیاسی ابتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بغاوتیں شروع کردیں۔ایک طرف اندرونی سازشیں حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں اپنا حصہ ڈال رہی تھی تو دوسری جانب رہی سہی کسر بیرونی حملوں نے پوری کردی۔بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوت نے سلطنت کو زوال کی جانب دھکیلا تو دوسری جانب مغلیہ جانشینوں کی نااہلی نے اس میں مزید اضافہ کردیا۔بادشاہوں کی فضول خرچیوں اور رنگ رلیوں نے شاہی خزانے کو بالکل خالی کردیا تھا۔دربار جہاں امور سلطنت طے ہوتے تھے۔ملکی تعمیر وترقی کے منصوبے بنائے جاتے تھے۔سرحدوں کی حفاظت کی تدبیریں سوچی جاتی تھی۔عوام کی مشکلات پر تبادلہ خیال کرکے انھیں حل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔اب رقص وسرود کی محفلوں میں تبدیل ہوگئی۔جہاں شراب پانی کی طرح بہائی جاتی تھی۔بادشاہوں کی عیاشی نے سلطنت کے رہے سہے وقار کو بھی

خاک میں ملادیا۔ ان کی تمام زندگی شراب و شباب سے عبارت تھی۔ اس عہد میں طوائفوں کو سماج میں اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ بادشاہوں کی عیش پرستی اور رنگینی کے نتیجے میں شہر میں طوائفوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ قدم قدم پر حسن کے رنگین نظارے نظر آتے تھے، عشق کی نئی داستانیں رقم ہوئیں۔ پورا معاشرہ سماجی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ اس سماج میں یا تو طوائفیں تھیں یا پھر بیوی۔ بیوی کا مقام گھر کی چار دیواری تھی۔ طوائفیں اس سماج کا خاص جز تھیں، بڑے بڑے امرا اور رئیس طوائفوں کے یہاں جاتے۔ رقص و سرود کی محفلیں آراستہ کی جاتیں اور ان محفلوں میں داد عیش دی جاتی۔[1]

سلاطین کی رنگین مزاجی نے عوام کو بھی متاثر کیا۔ ہر طرف شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے جس کے نتیجے میں لوگوں کی زبان میں بھی شاعرانہ انداز پیدا ہوگیا اور پورا معاشرہ ایک ہی رنگ میں رنگ گیا۔ معاشی فارغ البالی نے عوام کے ذہنوں میں بھی عیاشی پیدا کر دی جس کی وجہ سے عام و خاص حسن پرستی کی طرف مائل ہوگئے۔ اس عیاشی پرستی میں طوائفوں نے خصوصیت کے ساتھ اہمیت حاصل کی اور لکھنوی معاشرے میں طوائف بازاری لکھنوی تہذیب کی علامت بن کر ابھری۔ جب سماج میں طوائف پسندی عام ہوئی اور لوگوں میں حسن پرستی کا رجحان عام ہوا تو مردوں کی خارجی و باطنی زندگی میں عورت کو بہ حیثیت طوائف ایک اہم مقام حاصل ہوگیا۔ طوائفانہ صحبت نے مردوں کے ذہن پر ہی نہیں بلکہ ان کے جذبات و حساسات اور خیالات کو بھی متاثر کیا جس کے نتیجے میں نسائیت در آئی اور اس نسائیت کا اثر شعر و ادب پر بھی ہوا۔ نسائیت اور فحش خیالات سے مل کر ریختی وجود میں آئی۔ جس میں ایک مخصوص طبقے کی عورتوں ہی کی نمائندگی کی۔ یہ مخصوص طبقہ طوائفوں کا تھا جو اس سماج کی روح بن چکا تھا۔ یہاں تک کہ شریف گھرانوں کی عورتیں بھی انھیں قابل احترام سمجھتی تھیں اور شرفا کے یہاں کھلے عام آمد و رفت تھی۔ طوائفوں کا تعلق براہ راست امرا سے تھا، وہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ امیر کے گھروں میں آنے کے لیے ان کو کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ بلا روک ٹوک آجاسکتی تھی۔ بیگمات بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی بلکہ ان کے قول و فعل بھی نظر رکھتی اور ان کی حرکات و سکنات کی نقل بھی کرتی تھی جس کی وجہ طبقہ امرا پر بھی طوائفانہ رنگ چڑھنے لگا۔ ظاہر ہے ان حالات کے اثرات کا شاعری پر پڑنا ناگزیر تھا۔ ریختی جس میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا تھا وہ شاہدان بازاری کے تھے۔ چوں کہ اس کی ابتدا مردوں کے ہاتھوں ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کا اس کا غالب حصہ جنسیات کا رہا۔[2]

اس دور کے شعر و ادب کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی شاعرات کی کثیر تعداد بازاری عورتوں کی تھی، اس کی وجہ شاید اس دور کے حالات تھے۔ جیسے درج بالا بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر

رؤسا و شعرا کا کوٹھوں پر جانا اور ادبی مجالس کا آراستہ ہوتا تھا، ان محفلوں میں ان کا شعری ذوق بیدار ہوا اور انھیں مشقِ سخن کی جانب مائل بھی کیا۔ اس کے علاوہ پردہ نشین خواتین نے بھی شعر کہے۔ اگرچہ اس زمانے میں تعلیم نسواں رائج نہیں تھی لیکن پھر بھی ادبی و شعری ماحول کے اثرات نے لاشعوری طور پر خواتین کو شعر و ادب کی طرف مائل کیا۔

اردو شاعرات کے تذکروں میں ان خواتین کا تذکرہ بھی ملتا ہے لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ بعد میں جب شعرا کے شعری نمونوں کو محفوظ کرنے کے لیے تذکرہ نگاری کی صنف وجود میں آئی تو ابتدا میں جو شعرا کے تذکرے لکھے گئے، ان میں شاعرات کا ذکر شامل نہیں تھا لیکن بعد میں شعرا کے تذکروں میں چیدہ چیدہ شاعرات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن باقاعدہ طور پر خواتین کے شعری کارناموں کو محفوظ کرنے کی کوششیں انیسویں صدی کے آخر میں سامنے آنا شروع ہوئی اور کچھ علاحدہ سے شاعرات کے تذکرے بھی مرتب ہوئے۔ یہ تذکرے اگرچہ شعرا کے تذکروں کے مقابلے میں بہت کم ہیں لیکن اپنی نوعیت، پیش کش اور زبان و بیان اور اسلوب کے لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ چوں کہ یہ تذکرے مخصوص طبقے اور مخصوص عہد کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان تذکروں میں مخصوص طبقے کے لیے مخصوص زبان کا استعمال عمل میں لایا گیا ہے۔ اس لیے ان کا مطالعہ و تجزیہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ ان میں برصغیر کی سماجی زندگی اور خواتین سے متعلق عمومی رویوں کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں اور یہ تذکرے ایک مخصوص رخ کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ اب ہم شاعرات کے تذکروں کے زبان و بیان اور اسلوب کے مطالعے و تجزیے کی طرف آتے ہیں کہ ان تذکروں میں کس قسم کی زبان استعمال کی گئی ہے اور تذکرہ نگاروں نے کس طبقے کی خاتون کے لیے کس طرح کی زبان استعمال کی ہے؟

انیسویں صدی کے تذکروں میں زبان و بیان اور اسلوب: تجزیاتی مطالعہ

بہارستان ناز:

بہارستان ناز فصیح الدین رنج میرٹھی کا انیسویں صدی میں لکھا جانے والا شاعرات کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں مخصوص عہد سے تعلق رکھنے والی شاعرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تذکرے میں اور انیسویں صدی میں لکھے جانے والے باقی تذکروں میں تین طرح کی شاعر عورتوں کے حالات اور ان کا کلام کا اندراج ملتا ہے: مثلاً

۱۔ طبقہ امرا سے تعلق رکھنے والی خواتین شاعرات کے حالات اور ان کا نمونہ کلام

۲۔ عام طبقے سے تعلق رکھنے والی یعنی باعصمت و پردہ نشین خواتین کے حالات و کلام

۳۔ فرقہ بازاری سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حالات اور ان کا نمونہ کلام

بہارستان ناز انشاپردازی اور زبانی دانی کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ رنج کو زبان و بیان دونوں پر زبردست قدرت حاصل ہے۔ رنج نے بہترین صلاحیتوں کے بل بوتے پر اعلیٰ تخلیقی اسلوب کا جادو جگایا ہے جو ان کو ان کے ہم عصر تذکرہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ زبان و بیان کی نزاکت، تشبیہ و استعارے کا بر محل استعمال اور تراکیب کی شگفتگی اس تذکرے میں جگہ جگہ ملتی ہے جو ان کے معاصر تذکرہ نگاروں کے یہاں ملنی مشکل ہے۔ پھر ان کے اس تذکرے کی خوبی یہ ہے کہ تمام کتاب میں یکسانیت و ہمواری کی فضا بدرجۂ اتم موجود ہے کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ عبارت کہیں کمزور اور کہیں زوردار ہے۔ نمونتاً شاعرات کے احوال سے متعلق چیدہ چیدہ جملے نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے رنج کے اسلوب نگارش کے بارے میں اندازہ ہو جائے گا: مثلاً

۱۔ آرزو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "سمرقند کی رہنے والی ہے، اس کی طرز سخن سب سے نرالی ہے؛ گداختہ دل ہے، طبیعت بھی عالی ہے۔ یہ ایک شعر اس کا حوالہ گہربار ہے"۔[۳]

۲۔ بنو کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ " ایک صورت اچھی، سیرت بھی نیک--- پیشۂ خانگی، شیوۂ نازک خیالی۔ دم فکر سخن ہزاروں مردوں پر قوی تھا۔ ہر دم یہی خبط، ہر گھڑی یہی ذوق تھا۔ اسی شہر میں ایک شخص آشفتہ تخلص گلاب سنگھ مشہور تھا، اس کی الفت کا داغ اس کے دل میں مستور تھا، اس بنو شاعرہ کو بھی اس کا خیال تھا، رابطۂ اتحاد جانبین سے بہ درجہ کمال تھا۔ قضارا ایک روز عالم زیست میں فراق ہوا، آشفتہ کو صدمۂ دوری نہایت شاق ہوا۔"[۴]

۳۔ خفی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " معاش سے دنیا میں اور عقوبات سے عقبیٰ میں بے اندیشہ ہے"۔[۵]

۴۔ زینت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ عورت شاہدان بازاری دہلی سے مقبول تھی، آشنا مرزا ابراہیم بیگ مقتول تھی۔ بس کہ طبع اس کی بہت رواں تھی، بحر سخن میں ایک قیامت کیا بلکہ طوفان تھی۔ اپنے آشنا کے سہارے سے بحر سخن کی آشنا ہوئی۔[۶]

۵۔ بیگم رشک محل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " دل اب بھی کھلا ہوا ہے اور چہرہ بزیر نقاب ہے"۔[۷]

رنج کی نثر اتنی پراثر ہے کہ اس تذکرے میں جگہ جگہ شوخی کلام اور رنگینی بیانی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ اپنی حسن بیان، رنگینی اور شوخی کلام کے لحاظ سے یہ تذکرہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی نثر کا اس قدر دلآویز اور جاندار ہے کہ اس کے مقابلے میں نظم ہیچ نظر آتی ہے: مثلاً

۱۔ گوہر پرتاب گڑھ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "سلطان پور کے مدرسۂ نسواں میں کسب کمال کیا۔ طغریٰ ظہوری کے ورق سارے چاٹ گئی۔ نثر میں ابوالفضل کو غرق انفعال کیا۔ انگریزی کی کتابوں کو بھی پوٹین کی طرح نگل گئی، اس طرف سے فرصت پائی تو شاعری کی کائی پر پھسل گئی۔ ہر دم نئی بلا کا سامنا، ہر لحظہ ان کا قلب آماجگاہ، خدنگ قضا۔ ان کت تیغ ابرو کے عشق میں آنکھ کی راہ سے کسی کا کلیجہ کٹ کر نکلتا ہے، کوئی جراحت منہ سے لہو اگلتا ہے۔ حالاں کہ دنیا میں صاف رواں دواں کا نقشہ مگر نادانی کا برا، ہر شخص کسی نہ کسی کی محبت میں پھنسا ہے۔"[۸]

۲۔ مخفی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "عصمت میں لاثانی، ذہین میں یادگار خاقانی، فصاحت میں سحبان زمان، صنائع بدائع میں مستثنائے جہان، صورت نہایت خوب، سیر تاربابِ بصیرت کی مرغوب۔ شعر و سخن کا ہر دم دل کو شوق تھا، رسائی ذہین و بلندی فکر مافوق تھا۔۔۔ واقعی یہ عورت معرکۂ سخن دانی میں اس عہد کے مردوں میں انتخاب تھی۔ جودت طبیعت اور شوخیِ ذہین جس دم نہ دکھاتی تھی، مشاعرے میں شاعروں کا رنگ اڑاتی تھی۔ ہر شام خیال شعر میں سحر کی، صبح اسی فکر میں بسر کی۔"[۹]

۳۔ سردار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "نہ بے حجابی کا غم ہے، نہ پردہ نشینی کی شادی ہے۔۔۔ سائے میں براتیں اور بے سائے میں بے مغزوں کو چاند بجاتی ہیں۔"[۱۰]

رنج میرٹھی بہت رنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت کی رنگینی ان کی نظم و نثر دونوں پر دونوں پر چھائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے عہد کی بیشتر طوائفوں کے بارے میں آگاہ تھے بلکہ بہت سی طوائفوں کے ساتھ ان کا میل جول بھی تھا۔ جس کی مثالیں اس تذکرے میں جا بجا مل جاتی ہیں۔ بلکہ انھوں نے بعض شاعرات کے حسن و جمال کا ذکر چٹخارے لے کر کیا ہے اور ہر ایک خال وخط وضاحت سے بیان کیے ہیں: مثلاً

۱۔ بدلا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "گو سانولی ہے مگر معشوق کی بھی آن ہے۔۔۔ سانولی صورت میں کیا برائی ہے۔ مجنوں نے تو اس رنگ پر خاک اڑائی ہے۔ گانے میں بیجو باورے کی روح کو باولا بنا دیا ہے، ناچ میں پر کاش کو چکرا دیا ہے۔ تان سین اب تک قبر میں تان لیتے وقت انھیں کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں۔ زمانے گویے ان کے حاسدوں سے ان کے اوپر لڑتے ہیں۔۔۔ ان کے خلق کے بہتے ہوئے دریا میں اب بھی کوئی نہ کوئی ہاتھ دھو جاتا ہے۔ ایمان کی کہیں گے، وفاداری میں طاق ہیں، مروت اور محبت میں شہرۂ آفاق ہیں اور شاعرہ بھی فرد ہیں"[۱۱]

۲۔ امیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ " رشک حسن فرشان بازاری ہے، بے وفائی کی دوست اور دشمن بازاری ہے"۔[۱۲]

۳۔ امیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "بہت بھلے مانسوں کو ٹیڑی کی طرح چاٹ گئی"۔[۱۳]

اس تذکرے کی ایک خاص بات مصنف کا لب و لہجہ ہے جو انھوں نے مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حالات کو بیان کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ مثلاً جن شاعرات کے ساتھ رنج کے مراسم تھے یا جن سے انھیں لگاؤ تھا یا دلچسپی تھی، ان کا تذکرہ انھوں نے خاص دلچسپی اور چاؤ کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ گوہر پرتاب گڑھ کے لیے رقم طراز ہیں کہ س "لامتی سے کچھ گاہ بھی لیتی تھی مگر اپنا ہی کلام، ہم غریبوں کی نہ دعا قبول ہوتی ہے نہ سلام"۔[۱۴]

۲۔ بستی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " اجلاس گورنمنٹی میں جو راقم کا جانا آگرے ہوا تھا۔ اسی زمانے میں مجھ سے ملنے آئی تھی۔ صورت میں اگرچہ اچھی نہ تھی الا طبیعت اچھی رکھتی تھی"۔[۱۵]

۳۔ صنم درگاہ بائی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " ایک مرتبہ راقم بھی اپنے ایک خلاصۂ مخلصاں محمد اشرف خان رئیس آگرہ کے ساتھ اس شاعرہ سے ملا تھا۔ ذہین اس کا اس زمانے میں بھی بلا کا تھا۔۔۔۔۔ عربی کی چند کتابیں گھول کر پی بیٹھی تھی۔ دنیا کے سارے مزے حاصل کیے بیٹھی تھی"۔[۱۶]

۴۔ حجاب منی بائی کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ " عمر میں ابھی انیس سال کی گرہ پڑی ہے۔ شاعری کے رستے میں قدم تو رکھا ہے مگر سنبھل کر چلیں، یہ منزل کڑی ہے۔ پہلے ہم سے گداختہ دلوں سے اپنا دل لگائیں، معشوق کو بالائے طاق رکھیں، عاشق بن جائیں۔ آج کی شاعرہ سے اب بھی بہتر ہیں، مشتری و زہرہ کی ہم عصر ہیں۔ دور دور کی سیر کر چکی ہیں، بہیمانۂ لطف زندگی خوب بھر چکی ہیں۔ ایک ہم سے ملاقات ہوئی باقی ہے، یقین ہے کہ یہ آرزو بر آئے گی، اگر سچی مشتاقی ہے۔ المختصر ان کے یہ اشعار حوالۂ کلک سامری کردار ہیں"۔[۱۷]

۵۔ نقاب حمیدن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " چوٹی ناگن ہے، زلف بلا ہے، گانے میں بھی خوب صورت گلا ہے۔ ان کے ناچ کے ٹھاٹھ نامی ککھوں کو انگلیوں پر نچاتے ہیں۔ بھاؤ میں لبھاؤ ہے، بگڑنے میں بھی بناؤ ہے۔ سولہ برس کا سن، جوانی کے ارمان نکلنے کے دن۔ یہ رشک زہرہ شاگرد بی حجاب ہے، اپنی ہمشیر کلاں سے مشق سخن کرتی ہے"۔[۱۸]

۶۔ پری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اشعار کے مضارع جیسے کسی کے دست گریبان ہی نہیں جیسے ان کے ہیں، سبحان اللہ چستی الفاظ و بندش مضامین میں ان کا جواب نہیں۔ ان کے کلام سے اشعار کے لیے حاجت انتخاب نہیں۔[۱۹]

پردہ نشین عورتوں کا تذکرہ لکھتے ہوئے رنج کی زبان مخصوص لب و لہجے کی حامل نظر آتی ہے۔ انھوں نے طوائفوں کے برعکس باعصمت اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کا تذکرہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ جعفری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ عورت نہایت نیک بخت، پاکیزہ سیرت، صاحب عصمت و حیا موزوں طبع تھی۔ زبان اردو میں گاہ گاہ مشق سخن کیا کرتی تھی"۔[۲۰]

۲۔ حیدری کے بارے لکھتے ہیں کہ "صاحب عصمت، نیک سیرت زوجہ بشارت اللہ بیگ خواص شاہ دہلی مرحوم"۔[۲۱]

۳۔ حاتم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کوئی پردہ نشین حیادار ہے۔ دہلی کی رہنے والی ہے۔ جس کے اثر حیا سے سکوت میں لب اظہار ہے"۔[۲۲]

۴۔ ضرورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "نسبت مرزا زوجہ کوچک مرحوم سے رکھتی ہے۔ یہ صاحب عفت و حیا نہایت نیک بخت، پاکیزہ سرشت تھی۔ اکثر اشعار نعت و منقبت میں کہا کرتی تھی۔ یہ غزل اس کی زیب مجلس ارباب آئینہ دل ہے"۔[۲۳]

۵۔ سلطان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ شاعرہ نہایت بلیغ اور دانا و ظریف مزاج تھی۔ ابر کلام سے بھی اس کی متانت برستی ہے۔"[۲۴]

رنج کے طرز نگارش کی ایک منفرد خصوصیت مخصوص الفاظ مرکبات و تراکیب کا استعمال ہے۔ بلکہ انہیں نئی تراکیب کو ایجاد کرنے میں بھی ملکہ حاصل ہے۔ رنج نے بھی اپنے مخصوص افکار کی ترسیل کے لیے الفاظ مرکبات و تراکیب کے استعمال میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ ہر طبقے کی شاعرات کے احوال کے اندراجات کے بارے میں بہ خوبی جانتے تھے کہ کون سے طبقے کے لیے کون سے الفاظ یا کون سی ترکیبیں مناسب ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مخصوص شاعرات کے ابلاغ کے لیے مخصوص مرکبات و تراکیب کا استعمال کیا ہے، جن سے نہ صرف مصنف کی تخلیقی قوت اظہار کی اپج کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ کسی بھی طبقے سے وابستہ یہ مخصوص مرکبات اور تراکیب کا استعمال شاعرات کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کی گرہ کشائی کرنے کے علاوہ اپنے عہد سے متعلق خواتین کے

بارے میں عمومی رویوں اور سوچ کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً اس تذکرے سے چیدہ چیدہ الفاظ و مرکبات اور ترکیبیں نقل کر کے یہاں پیش کی جاتی ہیں: مثلاً

۱۔ رشکِ حسن فروشان بازاری ۲۔ دشمن وفاداری ۳۔ چرب زبانی

۴۔ بازاری عورت ۵۔ شہر برباد ۶۔ شیوۂ عیاری

۷۔ گداختہ دل ۸۔ پابند حرام ۹۔ شیوۂ نازک خیالی

۱۰۔ بزیرِ نقاب ۱۱۔ نحوست طالع ۱۲۔ یکتائے زمانہ

۱۳۔ کتابت مصحف مجید ۱۴۔ کجر خیل ۱۵۔ گردش فلکی

۱۶۔ حسن و شباب ۱۷۔ یکتائے زمان ۱۸۔ طشت زر نگار

۱۹۔ اندوہ فرقت ۲۰۔ امرایان شاہی ۲۱۔ مصرعہ برجستہ

۲۲۔ دل فریب ۲۳۔ دشت صعوبت آگین ۲۴۔ بہیمانہ لطف زندگی

وغیرہ۔

ان الفاظ تراکیب و مرکبات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں سے بہت سی ترکیبیں ایسی ہیں جو اردو کی ادبی تحریروں میں استعمال ہوتی ہیں لیکن اس کے برعکس زیادہ تر الفاظ تراکیب و مرکبات کے محل استعمال کے لیے اور مصنف نے اپنے افکار کے ابلاغ کے لیے نئے الفاظ و تراکیب اختراع کی ہیں۔

رنج کے ہاں کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والی شاعرات کے احوال کے اندراج میں تشبیہ و استعارہ کا بھرپور استعمال ملتا ہے۔ ان کے یہ تشبیعات و استعارات بعض مقامات پر آرائشی نہیں بلکہ وضاحتی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً ذیل میں اس تذکرے سے کچھ فقرے نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ بھلے مانسوں کو ٹیڑی کی طرح چاٹ جانا۔[۲۵]

۲۔ آنکھ کے اندھوں، گانٹھ کے پوروں کا مال چکموں سے لے لینا۔[۲۶]

۳۔ بسم اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "انعام اللہ شاعر غیر مشہور کی شاگردی میں دم مارتی ہے"۔[۲۷]

۴۔ "یاروں کی یار ہے۔ عیاروں سے دن رات عیاری کا کام ہے"۔[۲۸]

۵۔ اشعار کے مضارع جیسے کسی دوست و گریبان ہی نہیں جیسے ان کے ہیں"۔[۲۹]

۶۔ پری چہرہ و نازک اندام، حسن فروشان بازاری میں سے ہے"۔[۳۰]

۷۔ "نہ بے حجابی کا غم ہے، نہ پردہ نشینی کی شادی ہے۔ ساہی میں براتیں اور بے ساہی میں بے مغزوں کی چاند بجائی ہے"۔[۳۱]

۸۔ "چوٹی ناگن ہے۔ بھاؤ میں لبھاؤ ہے۔ بگڑنے میں بھی بناؤ ہے"۔[۳۲]

۹۔ "بیمانہ لطف زندگی خوب بھر چکی ہے۔ المختصر یہ منتخب ان کے اشعار حوالہ کلک سامری کردار ہیں"۔[۳۳]

۱۰۔ "راقم بھی بوجہ میاں جان صاحب شفیق موصوف سے چشم آشنا ہے"۔[۳۴]

۱۱۔ " انگریزی کتابوں کو پوٹین کی طرح نگل گئی۔"[۳۵]

درج بالا امثلہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے یہ استعارے اور تشبیہیں نہ صرف ان کے فکر کے ابلاغ کے تمام تقاضے پورے کرتے ہیں بلکہ متن کی تفہیم میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

تذکرۃ النسائے نادری :

تذکرۃ النسائے نادری درگاہ پرشاد نادر دہلوی کا تذکرہ ہے۔ اس کی تکمیل کا سال تصنیف ۱۸۷۸ء ہے۔تذکرۃ النسائے نادری بہارستان ناز کے رد عمل کے نتیجے میں سامنے آتا ہے۔ یہ تذکرہ ہندوستان کے بہت سے سماجی و معاشرتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔

زبان و بیان کے اعتبار سے اس تذکرے میں بہارستان ناز کی نسبت وہ شوخی و رنگینی بیانی نظر نہیں آتی جو بہارستان ناز کے مصنف کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ بلکہ نادر زبان و بیان کو پر تصنع بنانے کے بجائے سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کے قائل نظر آتے ہیں۔ البتہ بعض شاعرات کے احوال کے تذکرے میں کہیں کہیں عبارت آرائی کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں اور عبارت کو پر تصنع اور رنگین بنانے کی بھی کوشش نظر آتی ہے۔ ذیل میں اس تذکرے سے کچھ نمونے نقل کر کے پیش کیے جاتے ہیں جن سے نادر کے اسلوب نگارش کا اندازہ ہو جائے گا۔ مثلاً

۱۔ اچپل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " کسی چلبلی عورت کا صرف ایک شعر ہاتھ آیا۔ اس کے مزاج کی اچپلاہٹ کو دیکھیے کہ چلپلاہٹ کے مارے اپنا احوال بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ خیر اس کے کلام ہی کے چلبلے پن کو دیکھ کر اس کے اچپلے پن کو سمجھ لو۔"[۳۶]

۲۔ امراؤبنت امیر جان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”شاہد بازاری، دلی کی مشہور ڈیرہ دار ہے۔ اٹھتی جوانی، نئے جوبن کی بہار ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اس کی طرز گفتار ہے۔“[۳۷]

۳۔ خورشید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ” خورشید نامی کوئی سید زادی دہلوی، عصمت پناہ علوم ضروریہ سے آگاہ، ناکدخدا، مرثیہ خوانی میں یکتا ہے، جس کا شعر سنا گیا۔ الا مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ اسی کا کلام ہے۔“[۳۸]

۴۔ آرائش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ” کوئی مجہول الحال اسم کبھی بازار دہلی کی زیبائش بڑھاتی تھی، اب کسی کے گھر کی نمائش کر رہی ہے۔ اس نے یہ شعر اپنے حسب حال کہا ہے۔“[۳۹]

اس تذکرے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس تذکرے کے مصنف کا لب ولہجہ ہے جس میں برصغیر کی سماجی زندگی اور خواتین سے متعلق عمومی رویوں کے بارے میں بہت سی معلومات سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس تذکرے میں بھی مخصوص طبقے کی خواتین کے لیے مخصوص زبان کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مثلاً طبقۂ امرا کی عورتوں کے تذکرے کے بیان میں ان کی زبان ایک خاص لب لہجے کی حامل نظر آتی ہے۔ مثلاً

۱۔ نواب اختر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ” نواب اختر محل نامی گرامی کا اور یہ نیک اختر تیموریہ خاندان کی ہے جس کا اختر طالع اب تک اوج فلک نام آوری پر درخشاں ہے اور کیوں نہ ہو! کہ یہ بلند اختر مضامین نعتی و منقبتی کی شاغلہ ہے۔ قدسی قدس اللہ سرہ کی غزل کو اس نے اچھی طرح تضمین کیا جس نے ریختی کا مزہ بھی چکھادیا۔ عام شعر بھی اس اختر برج نکوئی کے عام پسند ہیں، عاشق مزاجوں کے دلوں کے پیوند ہیں۔“[۴۰]

۲۔ اسیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ” بیگمات چغتائیہ کے زمرے میں امیر، بدیہہ گو بے نظیر، حاضر جواب خوش تقریر ہے۔“[۴۱]

۳۔ عابد نواب امراؤ بیگم کا تذکرہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ” علم و فضل میں گویا زیب النسا، یعنی مخفی ثانی تھی۔“[۴۲]

نادر دہلوی کے جن شاعرات کے ساتھ ذاتی مراسم تھے، یا جن کو وہ جانتے تھے، ان کا تذکرہ بھی انھوں نے بڑی دلچسپی اور خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ مشتری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ” مشتری ہر ایک عطارد خصال ہے۔“[۴۳]

۲۔ ڈھب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ” نازک بدن، خوش اندام، خوب صورت، نیک سیرت، نیکو افعال۔۔۔ نشۂ حسن میں سرشار مگر لذائذ دینوی سے مہجور و برکنار کوئی ہندنی پردہ نشین یوں شکر شکن سنی گئی۔“[۴۴]

نادر نے پردہ نشین و باعصمت شاعرات کا تذکرہ بھی بڑے ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً چند ایک مثالیں نقل کر کے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " آپ کا اسم مبارک سرادق عصمت و تتق عفت میں جلوم نما ہے۔آپ کی آل مبارک سے ایک مبارک فال نے صرف یہی ایک مقطع سنایا۔"[۴۵]

۲۔ خاکساری کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "کوئی پردہ نشین سرادق عصمت، دلی میں کشمیری دروازے کے قریب رہتی تھی، اپنے نام کو جمال کی طرح حجاب عفت میں پنہاں رکھتی ہے"۔[۴۶]

۳۔ حجاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " شاعرہ پردۂ پاک دامنی میں محجوب، اپنے میاں کی محبوب ہے۔ یہ عورت کشمیرن ہے مگر بمبئی میں کسی بھلے مانس کے گھر خیمہ زن ہے"۔[۴۷]

نادر دہلوی کے ہاں شاہدان بازاری و طوائفوں کے تذکرے کے لیے مخصوص زبان کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً چند ایک مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ناز دومی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " نہایت شوخ مزاج، بڑی چالاک، زبان دراز، چال باز، چلتی اوزار، رنڈیوں میں مشہور روزگار ہے۔"[۴۸]

۲۔ کمن کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ " بھرت پور کی کوئی بھنگیرن، سبزۂ رنگ تھی، جس کے سامنے ضلع جگت اور پھکڑپن میں اچھے اچھوں کی عقل دنگ تھی"۔[۴۹]

۳۔ صنوبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جالندھر کی طوائفوں میں کوئی کنجری تھی جو مدت تک دہلی میں رہ کر رہ گرائے عقبا ہوئی۔"[۵۰]

۴۔ نجیبن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "دہلی کے اردو بازار کی رونق انگیز تھی، جس کی گفتگو ضلع وجگت بلکہ پھکڑا آمیز تھی۔"[۵۱]

کسی بھی مصنف کی تخلیقی قوت اظہار یا فکری اپج کا اندازہ اس کے استعمال کردہ الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ نئے الفاظ و تراکیب کو ایجاد کرنا ہر کس و ناکس کے اختیار میں نہیں ہے۔ نادر دہلوی نے اپنے افکار کی ترسیل کے لیے مخصوص الفاظ و تراکیب کا اختراع کی ہیں اور انھی مخصوص الفاظ و تراکیب سے اپنے افکار کے لیے ابلاغ کا کام لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ شاہدِ بازاری ۲۔ عیش مباح ۳۔ گوہر فشاں ۴۔ تجاہل عارفانہ

۵۔ حجلۂ عصمت ۶۔ گل کاریاں ۷۔ معاملہ بندی ۸۔ فقرات رنگین

۹۔ ماتم داری ۱۰۔ لب ریز سخن ۱۱۔ رقاصہ محبوبہ ۱۲۔ دبیر یکتا

۱۳۔ رہ گرائے عقبا ۱۴۔ سبزہ رنگ ۱۵۔ سرادق عصمت و تتق عفت

۱۶۔ برج نکوئی ۱۷۔ فتنہ پردازی ۱۸۔ قصہ غیر معتبر ۱۹۔ زبان آوران

۲۰۔ ہزل و فحش انضمام ۲۱۔ گل کشت چمن وغیرہ

درج بالا امثلہ میں بہت سی ترکیبیں ایسی ہیں جو اردو کی ادبی تحریروں میں استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ تر ایسی ہیں جو مصنف نے اپنے مقصد کے ابلاغ کے لیے اختراع کی ہیں۔

نادر دہلوی کے تذکرے کے زبان و بیان کی ایک اور خوبی اوصاف و القاب کا استعمال ہے۔ انھوں نے مخصوص طبقے کی شاعرات کے لیے مخصوص اوصاف و القابات کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ان کے یہ اوصاف و القابات ان کی نثر کو بوجھل نہیں بناتے بلکہ ان کے یہ اوصاف و القابات کی حیثیت محض وضاحتی ہے جو نہ صرف قاری کی معلومات میں اضافے کا باعث بنتے ہیں بلکہ متن میں معنویت اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عارفہ نادرہ ۲۔ عصمت مآب ۳۔ بے نظیر حاضر جواب خوش تقریر

۴۔ سخن سرا ۵۔ محل خاص ۶۔ عفت پناہ

۷۔ نیکو افعال ۸۔ عطارد خصال ۷۔ زیب دہ چمن وغیرہ

نادر دہلوی کے تذکرے میں کہیں کہیں معروف اقوال و محاورات اور ضرب الامثال کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ان اقوال اور ضرب الامثال سے ان کا مقصد اپنا مطمع نظر سہولت کے ساتھ اپنی بات قاری تک پہنچانا ہے۔ مثلاً

۱۔ قہر درویش بر جان درویش

۲۔ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

۳۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

۴۔ آن سے مارے جان سے مارے، ران سے مارے

۵۔ تریا چلتر جانے نہیں کوئے، خصم مار کر ستی ہوئے۔

۷۔ چشم بد دور

۸۔ پاٹ دار آواز

۹۔ گریہ زاری کرنا

۱۰۔ آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا

نادر دہلوی کے اس تذکرے میں کہیں کہیں تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی نظر آتا ہے۔ انھوں نے یہ تشبیہات و استعارات محض آرائش کے لیے استعمال نہیں کیے بلکہ ان کا مقصد سہولت کے ساتھ ان کا مطمع نظر قاری تک پہنچ جائے۔ مثلاً

۱۔ اوروں کو مچھلیوں کی طرح بھوننا۔

۲۔ مردوں کی طرح دَم مارنا۔

۳۔ پیشۂ عام کو طرح دینا۔

۴۔ علم و فضل میں ایسی تھی گویا مخفی ثانی تھی۔

نادر دہلوی نے تذکرے کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بہارستان ناز کی نسبت طویل جملوں کے بجائے شاعرات کا احوال بیان کرتے وقت زیادہ تر مختصر جملے استعمال کیے ہیں۔ مثلاً

۱۔ سردار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سردار میں اب تک شرافت کی بو پائی جاتی ہے۔ بات کی بڑی پکی ہے۔ دل لگی بازی میں یکی ہے۔ میرے ایک مہربان مسافرانہ اور سیاحانہ اٹاوہ گئے تو چار ہی روز کی صحبت میں اس کا ایسا پتلا حال ہوا کہ کچھ عرصے کے بعد دلی چلی آئی۔ مغل متذکرۂ ردیف میم نے اس کی دعوت کی۔ بندہ بھی وہاں موجود تھا۔ خوب جلسہ دیکھا، کاظمی، وغیرہ کا گانا سنا، سردار کے شعر سنے۔ آدھی رات تک محفل کا لطف اٹھایا، پھر ہر ایک شخص نے گھر کا رستہ لیا۔[۵۲]

۲۔ بسم اللہ تخلص اور نام ایک عورت ہندہ نزاد کا ہے، جس کی والدہ ولایت زا ہے۔ غدر کے بعد عام پیشے سے کنارہ کش ہو، کسی سے نکاح کر لیا ہے، یوں عیش مباح روا رکھا۔ میرے عنایت فرما منشی انعام اللہ صاحب سے مشورۂ سخن رہا۔[۵۳]

شمیم سخن:

شمیم سخن مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ اس کے ایجاز و اختصار کی وجہ سے بات مکمل طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ اس تذکرے میں شاعرات کے حالات بھی پورے طور پر دستیاب نہیں ہیں، ان کے عہد اور زمانے کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس عہد میں زندہ تھی اور نہ ہی ان کی سنین وفات اور پیدائش کے بارے میں بھی کسی قسم کی کوئی معلومات ملتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے اسلوب نگارش کا تجزیہ کرنا اور اس کے اسلوب کے بارے

میں کوئی رائے قائم کرنا یقیناً مشکل نظر آتا ہے۔اس تذکرے میں زیادہ تر شاعرات کے صرف کے نام، تخلص اور سکونت کے علاوہ ان شاعرات سے متعلق کسی بھی اور سرگرمی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی ان کی شخصیت کے بارے میں معلومات دستیاب ہیں۔ بعض جگہ صرف تخلص اور نام لکھ کر شاعرات کا ایک شعر پیش کر دیا گیا ہے۔

ذیل میں ان تذکروں سے شاعرات کے حالات و کلام کی کچھ مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ اچپل: اچپل تخلص ہیگن جان طوائف۔[۵۴]

۲۔ امراو: امراو تخلص امراو جان طوائف لکھنوی۔[۵۵]

۳۔ امراو: امراو جان بنت امیر جان طوائف ساکن دہلی علی بخش والی مشہور ہے۔[۵۶]

۴۔ امیر: امیر تخلص امیر بخش طوائف باشندۂ پورینہ بنگال۔[۵۷]

۵۔ بستی: بستی تخلص بستی بیگم نام رقاصہ اکبر آبادی[۵۸]

۶۔ حسین: حسین تخلص مسماۃ اختر جان طوائف باشندۂ جے پور مقیم۔[۵۹]

۷۔ حجاب: تخلص بی جان طوائف باشندۂ ہاپور ضلع بنارس میں رہتی ہے۔[۶۰]

۸۔ حور: حور تخلص نوروز جان طوائف ساکنہ لکھنؤ بالفعل کلکتہ میں رہتی ہے۔[۶۱]

۹۔ دلبر: دلبر تخلص چھوٹی بیگم طوائف حیدر آبادی۔[۶۲]

۱۰۔ زہرہ: زہرہ نصیبن نامے گاین دربار شاہ دہلی مخاطب بہ خطاب زہرہ تھی۔[۶۳]

درج بالا مثالوں سے یہ اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاعرات کے بارے میں تفصیل مواد موجود نہ ہونے کے سبب تذکرہ نگار کی پیشکش کو جانچنا اور ان کے اسلوب کا تجزیہ کرنا اور ان کے طرز تحریر کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا نا ممکن ہے۔ لیکن اس تذکرے کی ایک خاص بات یہ ہے جن شاعرات کے ذیل میں انھوں نے جو تھوڑی بہت میں درج کی ہیں ان کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس تذکرے کا انداز بیان بہارستان ناز اور تذکرۃ النسائے نادری کی نسبت سنجیدہ باوقار اور ادیبانہ ہے۔ مصنف شمیم سخن نے اس سے پہلے تذکرہ نگاروں کی طرح شاعرات کے خال و خط کا ذکر چٹخارے لے لے کر نہیں کیا ہے اور نہ ان کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے بلکہ ان کی زبان باوقار اور ادیبانہ ہے۔

ماہ درخشاں:

ماہ درخشاں اردو شاعرات کا تذکرہ ہے۔اس تذکرے کی زبان فارسی ہے لیکن شاعرات کے حالات فارسی زبان میں ہیں اور ان کا نمونہ کلام اردو زبان میں ہے۔اس تذکرے میں بھی شاعرات کے حالات کے بارے میں

تفصیل نہ ہونے کے برابر ہے۔ زیادہ تر شاعرات کے صرف نام اور تخلص پر اکتفا کیا گیا ہے۔ غیر تفصیلی مواد کی وجہ سے تذکرہ نگار کے اسلوب کا تجزیہ کرنا اور اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے دینا ناممکن ہے۔ البتہ اس تذکرے میں شاعرات کے احوال میں جو تھوڑی بہت تفصیل موجود ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے عبارت کو رنگینی بیانی اور پر تصنع بنانے سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے۔ انداز بیان سادہ اور عام فہم ہے۔ مثلاً

۱۔ اختر: اختر تخلص نواب اختر محل از دودۂ بود بادۂ ناب سخن چنین می پیمود۔[۶۴]

۲۔ ذلیل: ذلیل تخلص مسماۃ نو بہار کنیز مرزا سلیمان شکوہ شہزادہ۔[۶۵]

۳۔ رعنائی: رعنائی تخلص قدسیہ بیگم ساکن فتحپور باقی حال دلی در پردۂ عصمت مستور۔[۶۶]

۴۔ زہرہ: زہرہ تخلص مسماۃ نصیبن از کنیزان بہادر شاہ تخت نشین دہلی بود۔[۶۷]

۵۔ زینت: زن رقاصہ بود در سنہ ہزار و دو صد شصت زیر زمین اسود۔[۶۸]

۶۔ سلطان بیگم: دختر متعمد الدولہ آغا میر ذکاوت طبع ثانی۔[۶۹]

۷۔ عیدو: زنی بود از طوائف دہلی این بیت از دوست الحق نیکوست۔[۷۰]

۸۔ فرخ بیگم: از مخدرات لکھنؤ اتفاقاً شعر موزوں می نمود۔[۷۱]

۹۔ ماہ: تخلص منجھلی بیگم دہلویہ کہ بیرون لاہوری دروازہ مسکن داشت۔[۷۲]

۱۰۔ لطیف: مسماۃ لطیفن کسبی ساکن علی گڈھ کول۔[۷۳]

حدیقۂ عشرت:

حدیقۂ عشرت قہر سندیلوی کا تذکرہ ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں زیادہ تر شاعرات فارسی زبان کی ہیں۔ اردو کی صرف ایک درجن کے قریب شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج موجود ہے۔ یہ تذکرہ بھی شاعرات کے حالات پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالتا۔ البتہ کہیں کہیں اس میں قدرے تفصیل ملتی ہے۔ زبان و بیان کہیں کہیں اس میں شوخی کلام اور رنگین بیانی کے نمونے نظر آجاتے ہیں۔ غیر تفصیل مواد ہونے کی وجہ سے اس کی زبان و بیان کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی جاسکتی۔

۱۔ اللہ خان ست از پیش خدمتان سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ خاتم السلاطین ہند بود از وست۔[۷۴]

۲۔ حیدری: اہلیہ بشارت اللہ۔[۷۵]

۳۔ دلبر: از لولیان اکبر آباد است شعری اردو در بیاضی دیدہ شد از وست۔[۷۶]

۴۔ سردار بیگم: از مخدرات لکھنؤ ست کلامش بلیغ و بیانش فصیح۔[۷۷]

۵۔ خاکسار: از خطۂ دلپذیر دہلی است در سال یکہزار و دو فیصد ہفتاد ہجری و دیعت حیات کرد از وست۔[۷۸]

۶۔ خورشید: از لولیان لکھنوٴ است بہ ترک وطن رو بہ کلکتہ نہاد۔[۷۹]

۷۔ شرم: از لولیان لکھنوٴ است بہ دلربائی طاق در سخن سرائی مشہور آفاق از وست۔[۸۰]

نشاط افزا:

یہ تذکرہ بھی مختصر اور مجمل ہے۔ شاعرات کے نام، تخلص اور سکونت کے علاوہ شاعرات کی کسی اور سرگرمی پر روشنی نہیں ڈالتا۔ غیر تفصیل مواد ہونے کی وجہ اس تذکرے کے زبان و بیان اور اسلوب کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔

۱۔ غزل شریف النسا بیگم تخلص ضرورت زوجہ مرزا کوچک دہلوی۔[۸۱]

۲۔ غزل حسن جان طوائف۔[۸۲]

۳۔ غزل عالم تخلص نواب بادشاہ محل صاحبہ کلکتہ۔[۸۳]

۴۔ غزل ماہ لقا طوائف ساکنہ حیدر آباد دکن۔[۸۴]

۵۔ غزل محمدی جان طوائف تخلص شباب ساکنہ کلکتہ۔[۸۵]

۶۔ غزل امراؤ جان عرف چھٹن تخلص زہرہ ساکنہ لکھنو۔[۸۶]

۷۔ غزل نواب شمس النسا بیگم شرم ساکنہ شہر لکھنو۔[۸۷]

۸۔ غزل بی امراؤ جان دلبر ساکن اوٹاوہ مقیم کانپور۔[۸۸]

۹۔ غزل عالم تخلص نواب بادشاہ محل صاحبہ۔[۸۹]

۱۰۔ غزل سلونی جان دلبر طوائف ساکنہ سلون ضلع رای بریلی۔[۹۰]

ارباب نشاط:

ارباب نشاط باقاعدہ تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی تذکرے کا ضمیمہ ہے۔ شاعرات کے مختصر حالات زندگی کی وجہ سے اس کے اسلوب پر بات کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ البتہ جہاں کہیں شاعرات کے حالات و کلا کے بارے میں تفصیل ملتی ہے وہاں ان کا اندازہ بیان سادہ اور عام فہم ہے۔ انھوں نے پر تصنع اور مقفیٰ اور مسجع عبارت لکھنے سے پرہیز کیا ہے۔ صفات القابات، تراکیب، تشبیہات و استعارات سے کام نہیں لیا۔ مثلاً

۱۔ پکھراج: اٹاوہ کی ایک شاعرہ ۱۳۰۰ھ میں زندہ تھی۔[۹۱]

۲۔ پری: کلکتہ میں ایک یہودن بی سیرہ نام انگریزی، عربی اور فارسی کی ماہرہ ہوئی۔[۹۲]

۳۔ تبسم: تخلص ہے۔ غازی پور کی طوائف شاعرہ کا۔ نام اس کا رام دلاری ہے۔[۹۳]

۴۔ جان: صاحب جان فرخ آباد کی طوائف شاعرہ کا تخلص ہے ۱۲۹۲ھ میں شہر دہلی میں بھی آئی تھی۔[۹۴]

۵۔ جفا: تخلص ہے بی فقیرن جان خوشباش قصبہ باڑی کا۔[۹۵]

۶۔ حسن: وزیر جان بنت گوہر جان پاٹہ نالہ کی شاعرہ ہے۔[۹۶]

۷۔ حور: دہلی کی ایک شاعرہ بستی بیگم کا تخلص ہے۔[۹۷]

۹۔ زہرہ تخلص ہے انبالہ شہر کی ایک شاہد بازاری کا۔ غدر کے بعد دہلی میں آئی تھی۔[۹۸]

۱۰۔ شرفن: کانپور کی ایک رقاصہ کا تخلص ہے۔ ۱۲۹۲ھ میں اس کے کلام کا چرچہ ہے۔[۹۹]

۱۱۔ شوخ تخلص ہے۔ اجمیر کی بی نواب جان شاعرہ۔[۱۰۰]

بیسویں صدی کے تذکروں میں زبان و بیان اور اسلوب: تجزیاتی مطالعہ

بیسویں کا آغاز ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ جس نے ہندستانی ذہنوں کو نئی فکر سے متعارف کروایا۔ جس کے نتیجے میں ہندوستان میں بڑے پیمانے پر اصلاحی و تحریکوں کا آغاز ہوا۔ بہت سارے دوسرے سیاسی، سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی جانب بھی توجہ مبذول کی گئی۔ ان تحریکات کے اثرات سے ہندوستان میں بہت قبیح رسومات کا خاتمہ ہوا۔ عورتوں پر بھی جو معاشرے کی طرف سے سیاسی و سماجی بندشیں تھی۔ رفتہ رفتہ ان بندشوں کا بھی خاتمہ ہوا۔ بیسویں صدی کا آغاز تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی نقطہ نظر سے خواتین کے لیے بھی ایک نئے عہد کا آغاز تھا۔ بیسویں صدی میں اس میں ایک طرف عورت جہاں مرد کے برابر حقوق حاصل کر رہی تھی تو دوسری جانب اس نے رفتہ رفتہ گھر کی چار دیواری سے بھی باہر نکل کر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیم نسواں کی بدولت ان پر غور و فکر کے دریچے کھلے تو انہیں زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا اور تعلیم عام ہوئی تو خواتین میں بھی ادبی رجحان بڑھنے لگا۔ خواتین نے مختلف شعبہ جات میں کامیابی کے زینے طے کرنے شروع کیے اور سماجی بندشوں کو توڑ کر میدان عمل میں سرگرم ہوگئی۔ ماضی میں شعر کہنا خواتین کے لیے دشوار مسئلہ تھا کیونکہ ان پر سخت سماجی پابندیاں عائد تھیں لیکن آج وہ شاعری کے میدان میں اپنے افکار و جذبات کا کھل کر اظہار کر رہی تھی۔ اکثر شاعرات نے اپنے زمانے کے نمائندہ شعرا کا اثرات قبول کیے اور ان کے رنگ میں اشعار کہے۔ انھوں نے اب غزل کے بجائے نظم کا ذریعہ اظہار بنایا۔[۱۰۱]

بیسویں صدی کے آغاز میں خواتین نے گھر کی چار دیوار سے نکل کر سکولوں، کالجوں میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔ تعلیم نے ان کے ذہنوں کو وسعت دی تو شاعری بھی قدیم تقلیدی ڈگر سے ہٹ کر مقصدیت کی روش پر چلنے لگی۔ اب شاعری میں عام سماجی، سیاسی حالات کا عکس جھلکنے لگا۔ جن خواتین نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور شاعری کی جان مائل ہوئیں تو انھوں نے سماج میں عورت کی حالات زار کو محسوس کرتے ہوئے اپنی شاعری میں حالات نسواں کا بھرپور اظہار کیا۔ اس صدی میں خواتین شاعرات کی شاعری میں ایک بڑی تبدیلی یہ رہی کہ انہوں نے غزل کے بجائے اپنے اظہار خیال کے لیے نظم کا سہارا لیا۔ اس دور کی زیادہ تر شاعرات کے ہاں غالب حصہ نظموں کا ہی رہا۔ جس میں مقصدی رنگ نمایاں ہونے کے علاوہ سیاسی، سماجی، مذہبی موضوعات کے ساتھ فطرت نگاری کو بھی شاعرات نے اہمیت دی۔ دوسرا اس پہلے خواتین فرضی ناموں کے ساتھ لکھتی تھی اور اپنے غزلیہ کلام میں تذکیر کا صیغہ استعمال کرتی تھی۔ مگر اب خواتین نے کھل کر فرضی ناموں کے بجائے اصل ناموں کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا تھا نظموں کے ساتھ غزلوں میں بھی مونث کا صیغے کا استعمال کھل کر کیا۔ خیالات میں بھی تبدیلی ہوئی، موضوعات بھی بدلے۔ الغرض خواتین نے زمانے کے اثرات بھی قبول کیے اور بدلتے تقاضوں کے ساتھ اپنے مذاق کو بھی تبدیل کیا۔ نہ صرف فکری اعتبار سے بلکہ فنی اعتبار سے بھی ان خواتین نے ہر آنے والی تبدیلی کو محسوس کیا۔[۱۰۲]

جہاں تک تذکرہ نویسی کا تعلق ہے تو تذکرہ نویسی کے رجحان کو مد نظر رکھتے ہوئے بیسویں صدی میں خواتین کے شعر و ادب کو محفوظ کرنے کے لیے کچھ تذکرے معرض وجود میں آئے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی میں ہمیں جو شاعرات کا تذکرہ نظر آتا ہے، وہ تذکرۃ الخواتین از مولانا عبدالباری آسی کا تذکرہ ہے۔ اس پہلے بھی خواتین ادیبوں سے متعلق کچھ تذکرے لکھے گئے، لیکن وہ صرف اردو شاعرات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے ادبی و سماجی کارناموں کو جمع کیا گیا۔ مثلاً انیسویں صدی کے ابتدا میں ہی مولوی محمد عباس کا تذکرہ مشاہیر نسواں منظر عام پر آتا ہے۔ لیکن یہ تذکرہ صرف شاعرات سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس میں دنیا بھر سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حیات اور ان کی علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں اردو شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ چونکہ اس میں صرف اردو شاعرات کا ذکر نہیں ہے، اس لیے ایسے تذکرے اس مقالے کے حدود سے باہر ہیں، زیر نظر تحقیق صرف اردو شاعرات کے تذکروں کے مطالعے و تجزیے پر مشتمل ہے۔ اب ہم بیسویں صدی میں لکھے جانے اردو شاعرات کے تذکروں کے زبان و بیان اور اسلوب کا تجزیہ کرتے ہیں، اس سلسلے میں ہمارے سامنے جو تذکرہ آتا ہے، وہ عبدالباری آسی کا تذکرہ تذکرۃ الخواتین ہے۔

تذکرۃ الخواتین:

تذکرۃ الخواتین مولانا عبدالباری آسی کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ۱۹۲۷ء کو منظر عام پر آیا۔ اس تذکرے میں تین سو سے زائد شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔ یہ تذکرہ بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ اردو شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں فارسی گو شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس تذکرے میں قدیم شاعرات کے علاوہ چیدہ چیدہ بیسویں صدی کی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام بھی ملتا ہے۔ لیکن اس میں زیادہ تر شاعرات انیسویں صدی یا اس سے قبل کی ہیں۔ اس تذکرے میں بیسویں صدی چند گنی چنی شاعرات کا اندراج ہے۔ اس تذکرے میں بھی زیادہ تر شاعرات کی تعداد فرقہ بازاری سے ہے، کچھ طبقہ اشرافیہ سے اور کچھ گھریلو پردہ نشین ہیں۔ تذکرے میں سوانحی اعتبار سے بعض شاعرات کے حالات بہت مختصر ہیں البتہ بعض شاعرات کے ہاں ان کی سوانحی حالات کو بہتر بنانے کی کوشش نظر آتی ہے۔

زبان و بیان کے اعتبار اس تذکرے میں وہ شوخی کلام اور عبارت کو پر تصنع بنانے کی کوشش نظر نہیں آتی جو اس سے پہلے تذکروں میں موجود ہے۔ بلکہ اس تذکرے کی زبان نہایت صاف، شستہ اور رواں ہے۔ البتہ کہیں کہیں رنگ آمیزی اور عبارت آرائی کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ انھوں نے مناسب الفاظ کا استعمال کر کے اپنے اندازہ بیان کو سادہ، عام فہم اور روزمرہ کی گفتگو کا رنگ دیا ہے۔ مثلاً ان کی نثر سے چند ایک نمونے نقل کر کے پیش کیے جاتے ہیں ۔ جن سے بآسانی آسی کے اسلوب نگارش کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً

۱۔ نواب اختر محل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " خاندان تیموریہ سے تعلق رکھتی تھی۔ نہایت ہی ذکی، ذہین، طباع، نیک مزاج تھی۔ اکثر نعت و منقبت میں شاغل رہتی تھی۔ اسی صنف میں کلام ملتا ہے مگر شاید تفنن طبع کے خیال سے کبھی کبھی غزل کہتی تھی۔ لفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے"۔[۱۰۳]

۲۔ امیر کے بارے لکھتے ہیں کہ " لکھنؤ کی ایک مجموعۂ ناز و انداز طوائف تھی جو بارہ سو ستر اور اسی کے درمیان زندہ تھی۔ نہایت ذہین اور طباع تھی۔ اشعار میں انتہائی سوز و گداز ہے۔ اگر وہ دعویٰ تصنیف میں سچی ہے تو یقینی بہترین کہنے والیوں میں اس کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ جو مطلع لکھا جاتا ہے اس کی آمد اس کے جذبات کی تعریف محال ہے۔"[۱۰۴]

۳۔ صنوبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " جالندھر کی رہنے والی تھی مگر سیر بازار کی ہوس دہلی کے شاہدان بازاری کی صف میں لے آئی تھی۔"[۱۰۵]

اس تذکرے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں بعض شاعرات کے ذیل میں لطائف و ظرائف کے ذریعے اسلوب کو دلکش بنانے کی کوشش کی گئی ہے جو نہ صرف متن میں دلچسپی کا عنصر برقرار رکھتے ہیں بلکہ متن کی معنویت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

آسی نے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے لیے مخصوص زبان کا استعمال نہیں کیا جو اس سے پہلے تذکروں میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا۔ اس میں ہر طبقے کی خواتین کے لیے ایک ہی طرح کی زبان استعمال کی گئی ہیں۔ ہر شاعرہ کے ذیل میں ان کا انداز بیان مناسب و معتدل ہے۔ انھوں نے شاعرات کی شخصیت کے خال و خط پر تبصرہ کرنے کے بجائے ان کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر تبصرہ و تنقید کی ہے اور کہیں کہیں اصلاح سخن کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ مثلاً

۱۔ امراؤ حسینی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بادشاہ کی غزل پر غزل کہی ہے۔ مثلاً

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری

تو مجھے ساکن ویرانہ بنایا ہوتا

لکھتے ہیں کہ اس شعر میں اگر کے بجائے اگرچہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے مگر عورتوں کی شاعری اور ان کی زبان کے لیے سب معاف ہے۔[106]

۲۔ شمیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کلام اچھا ہے مگر کلام میں نسائیت کی جھلک بھی نہیں ہے۔[107]

۳۔ شوکت دلہن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شوکت دلہن کی غزلیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری میں انھیں قدرتی لگاؤ ہے اور اگر برابر کہتی رہی تو ایک زبرست شاعرہ ہوں گی۔ اب بھی ان کے کلام میں متانت، سنجیدگی، علو مضامین کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔[108]

آسی نے کثرت سے اسمائے صفات لانے کا التزام کیا ہے۔ ان کے یہ اسمائے صفات مبالغہ آمیز نہیں ہیں اور نہ ہی ان صفاتی القابات سے ان کی تحریر میں تصنع پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ ان القابات و صفات سے وہ کسی بھی شاعرہ کی شخصی پہلوؤں کو کشید کرکے قاری کی معلومات میں مزید اضافہ کرتے ہیں اور یہ معنی کو آگے بڑھانے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عالی قدر سخن سنج ۲۔ حسین طرحدار ۳۔ مجموعۂ ناز و انداز

۴۔ پردہ نشین ۵۔ عفت فروش ۶۔ باکمال رقاصہ

۷۔ حسین صاحب جمال ۸۔ عفت مآب خاتون ۹۔ پردہ نشین عفت گزین

۱۰۔ حسن خود نما ۱۱۔ محبوبۂ بازاری ۱۲۔ عفت فروش معشوقۂ بازری

۱۳۔ معشوقۂ طرار ۱۴۔ ناظورہ عصمت فروش وغیرہ

آسی کے اسلوب کی ایک منفرد خصوصیت مخصوص الفاظ و مرکبات اور تراکیب کا استعمال ہے۔ انھوں نے اپنے افکار کے ابلاغ کے لیے مخصوص الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ وہ اپنے ادائے خیالات کے لیے متعدد الفاظ و تراکیب کا استعمال نہیں کرتے بلکہ مخصوص الفاظ و تراکیب سے اپنے ابلاغ کی ترسیل کا کام لیتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عالی قدر سخن سنج ۲۔ عصمت فروش ۳۔ پردہ نشین

۴۔ دعویٔ تصنیف ۵۔ صاحب جمال ۶۔ سخنوران باکمال

۷۔ بذلہ سنج ۸۔ خوش مذاق ۹۔ معشوقۂ بازاری

۱۰۔ معشوقۂ طرار ۱۱۔ درک تامہ وغیرہ۔

آسی کے اسلوب کی ایک اور منفرد خصوصیت ان کا خطیبانہ انداز بیان ہے۔ ان کے اس تذکرے میں خطیبانہ انداز بیان کے بکثرت نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ امیر کے بارے لکھتے ہیں کہ " لکھنؤ کی ایک مجموعۂ ناز و انداز طوائف تھی جو بارہ سو ستر اور اسی کے درمیان زندہ تھی۔ نہایت ذہین اور طباع تھی۔ اشعار میں انتہائی سوز و گداز ہے۔ اگر وہ دعویٔ تصنیف میں سچی ہے تو یقینی بہترین کہنے والیوں میں اس کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ جو مطلع لکھا جاتا ہے اس کی آمد اس کے جذبات کی تعریف محال ہے"۔[۱۰۹]

۲۔ شرارت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " چھوٹے خان کنچن دہلی کے رہنے والی کی لڑکی تھی۔ گانے ناچنے میں اچھا خاصہ کمال حاصل کر لیا تھا۔ میاں امیر خان متخلص بہ منیر اکبر آبادی سے تلمذ رکھتی تھی۔ متھرا، آگرہ، ٹونک وغیرہ میں بھی رہی تھی۔ چند شعر اس کے درج کی جاتے ہیں جن سے اس کی ذہانت اور طباعی کا پتہ چلتا ہے"۔[۱۱۰]

آسی نے اپنے تذکرے میں اپنی بیان کی وضاحت کے لیے کہیں کہیں اردو اور فارسی کے مشہور شعرا کے

مصرعوں اور اشعار کی مدد سے بھی کام لیا ہے۔اس کی مثالیں اس تذکرے میں کہیں کہیں مل جاتی ہیں مثلاً

۱۔ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
که دریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست"[11]

۲۔ کہ رنگ ہم نشین در من اثر کرد شاعر بھی بنا دیا تھا
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم کا مضمون تھا۔"[12]

۳۔ گیا جب کہ اپنا ہی جیورا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل"[13]

۴۔ یوں کبھی نوجوان نہ مرتا میں
تیرے عہد شباب نے مارا"[14]

۵۔ کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں"[15]

آسی کے تذکرے میں اشعار اور مصرعوں کی برمار تو نہیں ہے لیکن کہیں کہیں اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ ان مصرعوں اور اشعار کا سہارا لیتے ہیں۔

شاعرات کا تذکرہ:

تذکرے کی مصنف نسیمہ دہلوی ہیں۔تذکرہ ناقص الاول ہے۔ شروع کے صفحات کی عدم موجودگی سے تذکرے کے سال تصنیف اور اس کی طباعت واشاعت کے بارے میں معلومات کا تعین کرنا مشکل ہے۔البتہ بعض متنی شواہد سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تذکرہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کی پیداوار ہے۔تذکرہ میں تمام شاعرات انیسویں صدی سے قبل کی ہیں صرف ایک ایسی شاعرہ کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے کہ اس کا انتقال ۱۹۳۷ء میں ساٹھ سال کی عمر میں ہوا جس سے یہ اندازہ لگایا سکتا ہے کہ یہ تذکرہ ۱۹۴۰ء سے قبل لکھا جاچکا تھا۔تذکرہ میں اردو، فارسی شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔

زبان وبیان کے حوالے سے مصنفہ نے اس تذکرے میں اعلیٰ تخیل اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں جو آزاد کے تذکرے آب حیات کی یاد دلاتے ہیں۔ان کی نثر اس قدر دلآویز ہے کہ اس کے سامنے نظم بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ مثلاً ان کی نثر کی رنگینی اور شوخی کلام کے کچھ نمونوں کی کچھ مثالیں یہاں منتخب کر کے نقل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ بنو دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''وہ محبت کا ایک بے پناہ سمندر ہے۔ وہ کائنات الفت کی روح ہے اور پریم کی ایک تصویر ہے۔ جس کی رویں رویں سے پریم ٹپکتا ہے۔ جس کے لبوں سے پریم کے پھول برستے ہیں اور جس کی زبان پر ہر وقت پریم کا ایک حیات بخش نغمہ جاری رہتا ہے۔ وہ دنیائے محبت کا ایک نور ہے۔ وہ آتش الفت کا شعلۂ جوالہ ہے۔ وہ وادی ایمن کی ایک چمک ہے اور وہ سینائی حیات کا جلوہ طور ہے۔''[116]

۲۔ حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں کہ ''حجاب کے لفظ کے بارے میں معلوم نہیں کہ بلا کی کشش ہے۔ بل خصوص جب کہ وہ ذرا ہلکا ہو جس میں کسی رشک قمر کے حسن خداداد کی شعاعیں چھن چھن کر آرہی ہوں اور مشتاقان دیدار کو محو تماشا بنا رہی ہوں۔۔۔۔ یہاں تک کہ جب وہ جذبات میں ڈوب کر ایک خاص کیف و سرور کے عالم میں مسکراتی ہوئی خراماں خراماں چلتی ہے تو اس کے رویں رویں اشعار کی بارش ہوتی ہے''۔[117]

مصنفہ کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے ان کی نثر میں اس قدر ہمواری ہے کہ کہیں بھی ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ان کی نثر میں ناہمواری ہے۔ بلکہ شروع سے لے کر آخر تک اس تذکرے میں ہمواری اور یکسانیت کی فضا موجود ہے۔ مصنفہ نے تخیل کے زور پر جس طرح اپنے اسلوب کو سجایا ہے جس سے کسی شاعرہ کی تصویر یا کوئی واقعہ آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً

۱۔ تصویر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ '' خدا نے ایسی صورت ایسے نقش و نگار اور ایسا دل کش رنگ عطا کیا تھا کہ واقعی قدرت ذوالجلال کی ایک تصویر معلوم ہوتی ہے۔ جنہیں دیکھ کر ہر انسان تصویر کی مانند محو حیرت ہو جاتا ہے۔''[118]

۲۔ ثریا کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''جن آنکھوں نے دہلی کا سہاگ دیکھا تھا۔ وہ اس کی بربادی نہ دیکھ سکیں۔ عروس البلاد کے دست حنائی کی چوڑیاں ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ان کی سرخی شہدا کے خون کی سیاہی سے بدل چکی تھی۔ مانگ اجڑ چکی تھی۔ سیندور کے بجائے اس میں خاک بھری تھی۔ گلابی رخسار پچک گئے تھے۔ نرگسی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ چاہ زنخداں جو آب حیات کا سرچشمہ تھا بالکل خشک ہو چکا تھا۔ شاہانہ لباس تار تار ہو چکا تھا اور اب دہلی فی الحقیقت ایک لٹی ہوئی دلہن کی طرح عریاں تھی۔''[119]

۳۔ حسن کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ '' چونکہ بے حد حسین تھی۔ للہٰذا اس نے اپنا تخلص بھی حسن تجویز کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک حسن ہی حسن تھی۔''[120]

مصنفہ نے تخیل کے زور پر فرضی اور خود ساختہ قصے، کہانیاں اور لطائف کے ذریعے اپنی اعلیٰ اسلوب کا جادو جگایا ہے، اس کی مثال کسی دوسرے تذکرے میں نہیں ملتی۔ مثلاً

۱۔ امیر بیگم کے ذیل میں بیان کردہ بوڑھی ملازمہ اور ان اصلاح غزل کا واقعہ۔[۱۲۱]

۲۔ نہانی دہلوی کے ذیل میں بیان کردہ حالات وواقعات۔[۱۲۲]

۳۔ پارسا کے ذیل میں بیان کردہ شادی کے قصہ۔[۱۲۳]

۴۔ جینا بیگم کے ذیل میں بیان کردہ رفیع سودا کے بارے میں بعض واقعات اور قصے۔[۱۲۴]

۵۔ ملکہ رام کے تحت بیان کردہ واقعات اور قصے۔[۱۲۵]

مصنفہ کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا خطیبانہ انداز بیان ہے۔ ان کے خطیبانہ انداز بیان کے نمونے اس تذکرے میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ حور دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " شاہدان بازاری کی غارتگری کے واقعات کچھ عبرت انگیز نہیں ہیں۔ اگرچہ ان قتالان عالم کی غارتگری اب کچھ کم ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی ہر بڑے شہر و قصبے میں ایسے خانماں برباد مل سکتے ہیں جو فقط ان کی رعنائیوں کا شکار ہوئے کبھی وہ امیر کبیر تھے لیکن سوکھی روٹی کے محتاج ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ دہلی میں پانی پت والیان اس فن میں بہت مشہور تھیں۔ پھر دونی چونی کا زمانہ آیا۔ حتیٰ کہ اب دہلی میں ان خاندان نو کے جو نمونے باقی رہ گئے وہ فتنہ سامانی کے لیے کچھ کم نہیں ہیں۔ ان خوبصورت ناگنوں کے ڈسے ہوئے اب تک ایسے شرفا موجود ہیں جن کی حالات دیکھ کر ہر شخص کو رحم آتا ہے"۔[۱۲۶]

۲۔ حسن لکھنوی کے بارے میں لکھتی ہیں کہ چونکہ یہ بے حد حسین تھی۔ لہٰذا اس نے اپنا تخلص بھی حسن تجویز کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سر کے بالوں سے پاؤں تک کہ ناخن تک حسن ہی حسن تھی۔۔۔۔ اگرچہ بعض اشعار محض بھرتی کے ہیں لیکن دو تین شعر مزے دار ہیں۔ بالخصوص مقطع سے پہلا شعر جو ہے اس میں شوخی و شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ درحقیقت ایک طوائف کی تعلیم یافتہ نوچی میں یہ شرارت نہ ہو تو کس میں ہو۔[۱۲۷]

مصنفہ نے اپنے افکار کے ابلاغ کے لیے تلمیحات کا بھی بھرپور استعمال بھی کیا ہے۔ انہوں نے یہ تلمیحات کسی واقعے یا بیان کی وضاحت کے لیے استعمال نہیں کی بلکہ ان کی یہ تلمیحات آرائشی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً چند ایک مثالیں نقل کر کے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ اختر محل کے شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں "کہ سبحان اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کوثر و تسنیم کے پانی سے دھو کر ان موتیوں کو سلک نظم میں پرو دیا گیا ہے۔"[128]

۲۔ بنو کی محبت کے بارے میں لکھتی ہیں کہ " وہ آتش الفت کا شعلہ جوالہ ہے۔ وہ وادی ایمن کی چمک ہے اور وہ سینائی حیات کا جلوہ طور ہے۔"[129]

۳۔ جینا کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ "یہ بھی اسی شخصی دور کی رواداری و کمال پرستی تھی۔ جس کی نظیر جمہوری دور میں آفتاب کا چراغ ہاتھ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی"۔[130]

ان کے اس تذکرے کی عبارت اول تا آخر شاعرانہ ہے۔ تذکرے میں شاعرانہ انداز بیان کے نمونے بکثرت ملتے ہیں گویا انھوں نے نثر میں شاعری کی ہے۔ مثلاً چند ایک مثالیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ چندا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " اس زمانے کی ارباب نشاط موجودہ زمانے کی طرح خنجر مژگاں نہ تھی اور ناوک رو کی مشاق نہ تھیں۔ بلکہ فن سپہ گری کی ماہر تھی۔ تیر اندازی میں بھی اپنا ہمسر نہ رکھتی تھی۔ اور گھوڑے کی سواری میں بہت مشاق تھی۔"[131]

۲۔ زہرہ کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ " شاعرانہ کمال کے ساتھ دولت حسن میں بے مثال تھی۔ شعر پڑھتے پڑھتے جدھر چشم اقبال کا اشارہ ہو جاتا۔ صفیں صفیں الٹ جاتی اور اس کے بعد جب انگشت حنائی کی حرکت انہیں اجلاتی تو معلوم ہوتا تھا کہ مردے زندہ ہو گئے۔ شرفا کا بار بار دل پکڑ کر بیٹھ جانا اور کلیجہ مسوس کر رہ جانا یہ تو ان کی شاعرا اداؤں کا کرشمہ تھا۔ غرض یہ کہ آتشیں رخسارا گر دلوں میں آگ لگائے تھے تو ان کے اشعار کی گرمی تیل چھڑک کر اس آگ کو بھڑکاتی تھی اور ان کے پڑھنے کی ادائیں اور بتانے کے غمزے اس پھڑکتی ہوئی آگ کو شعلۂ جوالہ بنا کر اڑاتے تھے۔ یہاں تک کہ کوہ طور کی تجلی بن کر سامعین کو از خود رفتہ بنا دیتی تھی۔"[132]

تذکرے میں استعارے و تشبیہات کا استعمال خاصی تعداد میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ استعارے آرائشی نے وضاحتی فرائض انجام دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں اس تذکرے سے کچھ استعاراتی اور تشبیہی تراکیب کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور ان کے محل استعمال دیکھنے کے لیے کچھ فقرے نقل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ "وہ اپنے قلب کی مانند ہر ایک کے قول و قرار کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی ہیں۔"[133]

۲۔ "عورت کے سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک ایک ایک شعر ہے بلکہ کہنہ چاہیے کہ اس کا ایک ایک عضو شعر ہے۔"[134]

۳۔ تصویر کے بارے میں لکھتی ہیں کہ ”خدا نے ایسے نقش و نگار اور ایسا دلکش رنگ عطا کیا تھا کہ واقعی قدرت ذوالجلال کی ایک تصویر معلوم ہوتی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر انسان تصویر کی مانند محو حیرت ہو جاتا ہے۔“[۱۳۵]

تذکرے میں تذکرے میں الفاظ و تراکیب اور محاورات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مصنفہ نے اپنا مطمح نظر قاری تک پہنچانے کے لیے محاورات و تراکیب کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ معرکۃ الآرا	۲۔ آب حیات	۳۔ لہو لعب
۴۔ مئے گدائی	۵۔ معنی آفرینی	۶۔ شاہدان بازاری
۷۔ بذلہ سنجی	۸۔ گریبان دریدہ	۹۔ آشفتہ مزاج
۱۰۔ شریں زبانی	۱۱۔ طوطا چشمی	۱۳۔ وسعت حنائی
۱۴۔ لب بام	۱۵۔ جستہ جستہ	۱۷۔ دل چکھانا
۱۸۔ آتش غم	۱۹۔ رشک وحسد	۲۰۔ رشک قمر
۲۱۔ ارباب نشاط	۲۲۔ گل کترنا	۲۳۔ عفت وعصمت
۲۴۔ انگشت حنائی	۲۵۔ نان شبینہ وغیرہ وغیرہ۔	

ان الفاظ و محاورات اور تراکیب کا استعمال کہیں بھی نثر کو بوجھل نہیں بناتا۔ بلکہ ان کا محل اور مناسب و موزوں استعمال نہ صرف مصنفہ کے ابلاغ کی ترسیل کا کام دیتا ہے بلکہ اس سے مصنفہ کی تخلیقی اپچ کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ تراکیب متن میں معنویت کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔

الغرض یہ تذکرہ ایک خاتون کے قلم سے نکلا ہے۔ اس تذکرے میں مصنفہ نے شاعرات کے حالات کا اندراج کرتے ہوئے خود ساختہ روایات، فرضی قصے کہانیوں، لطائف اور اقوال کو اپنے تخیل کے زور پر بیان کر کے اپنی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کا جس طرح اظہار کیا ہے، اس کی مثال اس سے پہلے کسی تذکرے میں نظر نہیں آتی۔ انھوں نے شاعرات کے بارے میں معلومات تو اپنے سے ماقبل لکھے جانے والے تذکروں سے حاصل کی ہیں لیکن انھی معلومات کو نئے طریقے سے تراش خراش کر پیش کرنا، ان کی تخلیقی قوت اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شاعرات اردو:

تذکرہ شاعرات جمیل احمد کا تصنیف کردہ تذکرہ ہے۔ یہ ۱۹۴۴ میں منظر عام آیا۔ یہ تذکرہ غیر منقسم ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اس تذکرے میں قدیم اور جدید شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کا اندراج ملتا ہے۔ لیکن اس میں مصنف نے یہ تخصیص روا رکھی ہے کہ صرف باعصمت خواتین کو اس تذکرے میں جگہ دی ہے۔ چاہے وہ قدیم ہوں یا جدید۔ فرقۂ بازاری یا طوائفوں کو انھوں نے اس تذکرے میں شامل نہیں کیا اور ان کو شامل

نہ کرنے کی وجوہات اس تذکرے کے دیباچے میں بیان کر دی ہیں۔ قدیم شاعرات کے حالات چونکہ اس سے پہلے لکھے جانے والے تذکروں سے ماخوذ ہیں جس کی وجہ سے ان کے حالات مختصر اور مجمل ہیں۔ البتہ جدید شاعرات کے سوانحی حالات اور ان کے نمونہ کلام پر تفصیل سے درج کیے ہیں اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ بھی ملتا ہے۔ اس تذکرے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس تذکرے میں صاحب تذکرہ نگار نے قدیم و جدید شاعرات کے اسکول قائم کر کے ہر اسکول سے وابستہ شاعرات کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں کو نمایاں کیا ہے۔

زبان و بیان کے حوالے سے مصنف نے پر تکلف اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ ان کی نثر باقی تذکرہ نگاروں کی نسبت رواں، سلیس اور عام فہم ہے۔ ان کی نثر سادہ اور عام فہم ہونے کے باوجود پھیکی اور بے رنگ بھی نہیں کہ قاری پر گراں گزرے۔ بلکہ انھوں نے اپنا نقطہ نظر قاری تک پہنچانے کے لیے مناسب اور معتدل اسلوب اختیار کیا ہے۔ انھوں نے شاعرات کے سوانحی حالات پیش کرنے کے علاوہ ان کے نمونہ کلام پر ادبی و تنقیدی نکتے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے شاعرات کے کلام پر تنقیدی نکتے پیش کرنے کے لیے جس زبان کا سہارا لیا ہے وہ عام فہم ہونے کے باوجود ادبی محاسن سے مبرا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس میں مناسب و متوازن انشا کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ تذکرے میں کہیں بھی عبارت آرائی اور لفظی بازی گری سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ان کا انداز بیان غیر انشائی ہے اور ان کے ہاں محاورات، تراکیب اور ضرب الامثال کی کثرت نظر نہیں آتی ہے بلکہ انھوں نے اپنے ادائے خیالات اور فکری ابلاغ کے لیے مخصوص الفاظ سے کام لیا ہے۔ ذیل میں ان اس تذکرے سے کچھ مثالیں نقل کر کے پیش کی جاتی ہیں جس سے ان کے اسلوب نگارش کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔ مثلاً

۱۔ زہرہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " آپ خاتون مشرق کی مخصوص شاعرہ ہیں۔ زندگی کے دل دوز واقعات آپ کی نظموں کے مرغوب عنوانات ہیں۔ نظموں میں احسان دانش کا رنگ جھلکتا ہے۔ اگر آپ اسی قسم کی نظمیں لکھتی رہیں اور اسی رنگ میں کچھ پختگی پیدا کر لی تو شاعرات کی دنیا میں آپ کا کلام ایک نہایت خوشگوار اضافہ ہوگا، اب بھی آپ کا کلام نہایت امید افزا اور قابل ستائش ہے۔ "[۱۳۶]

۲۔ زینت کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ " ڈھاکہ کی شاعرہ ہیں، طرز ادا رواں دواں اور صاف ہے۔ گو کلام میں پختگی نہیں لیکن اگر برابر لکھتی رہی تو خوب لکھنے لگیں گی۔ "[۱۳۷]

۳۔ ساجدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " آپ اردو کی خوشگو شاعرہ ہیں۔ کلام میں جوش و اثر اور جذبات کی

شدت موجود ہے۔آپ کو طبقۂ نسواں کی مظلومی کا احساس ہے۔ سماج کے غلط رسم و رواج اور مذاہب کے نام نہاد علمبرداروں پر آپ کی نظریں اکثر ناقدانہ پڑتی ہیں[۱۳۸]"۔

اس تذکرے کے حواشی میں منصف مذکور نے تحقیقی نکات کو پیش کرنے کے علاوہ کثیر تعداد میں مصرعے اور اشعار کو پیش کیا ہے یہ مصرعے اور اشعار اردو کے معروف شعرا کے کلام سے منتخب کر کے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ مصرعے اور اشعار مصنف نے اپنے بیان کی وضاحت کے لیے اور مقصد کے ابلاغ کے لیے اس تذکرے کے حواشی میں جگہ جگہ دیے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ[۱۳۹]

۲۔ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے[۱۴۰]

۳۔ ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن[۱۴۱]

۴۔ نالہ جاتا ہے پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے[۱۴۲]

۵۔ شوق تیری نے میں، شوق میری لے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے[۱۴۳]

اس تذکرے میں کہیں کہیں معروف اقوال بھی نظر سے گزرتے ہیں۔ لیکن یہ اقوال کثرت سے استعمال نہیں کیے گئے ہیں لیکن کہیں س کہیں مصنف نے اپنے بیان کی وضاحت کے لیے ان اقوال کا سہارا لیا ہے۔

جمیل احمد کے تذکرے اس تذکرے میں خطیبانہ انداز بیان کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً

محترمہ بلقیس جمال بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " آپ کا شمار دور حاضر کی ان شاعرات میں ہے جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ آپ کی ہستی اردو شاعری کے لیے قابل فخر ہے۔آپ کے کلام کا رنگ مایوس و خونچکاں جذبات کی ترجمانی آپ کا خاص جوہر ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قدرت کی باریکیوں کا بھی خوب مطالعہ کیا ہے۔آپ کی

نظمیں مناظر فطرت کی مصوری کا دلآویز نمونہ ہوتی ہیں۔آپ کی تاریخی، قومی، ملی، اخلاقی اور رومانی نظمیں بہت پر کیف ہیں"۔[۱۴۴]

الغرض یہ تذکرہ زبان و بیان کی صفائی، سادہ اور سلیس نثر اور ادائے خیالات کے لحاظ سے منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ مصنف نے اس تذکرے میں مبالغے، عبارات آرائی سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے خیالات کو قاری تک منتقل کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا سہارا لے کر سادہ اور عام فہم انداز بیان اختیار کیا۔ انہوں نے شاعرات کے احوال کے اندراجات میں صفات والقابات یا مبالغہ آمیز اوصاف سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے مخصوص شاعرہ کے احوال میں مخصوص زبان کا استعمال کیا ہے۔ بلکہ ہر طرح کی شاعرات کے لیے ایک ہی انداز ملتا ہے۔ نہ مبالغہ ہے، نہ عبارت آرائی ہے، نہ تصنع ہے۔ بلکہ اپنے پیغام کو قاری تک پہنچانے کے لیے سادہ اور عام فہم انداز بیان اختیار کیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات (دہلی: بھارت آفسیٹ پریس، ۱۹۹۴) ص، ۵تا۷۳۔
۲۔ ایضاً، ص۵تا۷۳۔
۳۔ فصیح الدین رنج میرٹھی، بہارستان ناز مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸)، ص۱۹۳۔
۴۔ ایضاً، ص۱۰۰۔
۵۔ ایضاً، ص۱۳۹۔
۶۔ ایضاً، ص۱۰۵۔
۷۔ ایضاً، ص۱۱۳۔
۸۔ ایضاً، ص۱۹۳۔
۹۔ ایضاً، ص۱۱۳۔
۱۰۔ ایضاً، ص۱۵۲۔
۱۱۔ ایضاً، ص۱۱۴۔
۱۲۔ ایضاً، ص۱۰۵۔
۱۳۔ ایضاً، ص۱۰۰۔
۱۴۔ ایضاً، ص۱۹۳۔
۱۵۔ ایضاً، ص۱۱۱۔
۱۶۔ ایضاً، ص۱۸۶۔
۱۷۔ ایضاً، ص۱۳۴۔
۱۸۔ ایضاً، ص۲۱۳۔
۱۹۔ ایضاً، ص۱۲۲۔
۲۰۔ ایضاً، ص۱۲۲۔
۲۱۔ ایضاً، ص۱۲۹۔
۲۲۔ ایضاً، ص۱۳۲۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۱۳۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔

۳۶۔ درگاہ پرشاد نادر دہلوی، تذکرۃ النسائے نادری مرتبہ رفاقت علی شاہد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶)، ص ۱۲۴۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵۰۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۸۳۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۹۶۔

۵۴۔ مولوی عبدالحیؒ، تذکرہ شمیم سخن (لکھنو: منشی نول کشور، ۱۸۹۱)، ص ۱۱۔

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۵۶۔ ایضاً، ص ۸۔

۵۷۔ ایضاً، ص ۶۔

۵۸۔ ایضاً، ص ۵۔

۵۹۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۶۰۔ ایضاً، ص ۵۔

۶۱۔ ایضاً، ص ۶۔

۶۲۔ ایضاً، ص ۷۔

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۶۴۔ ابوالقاسم محتشم، ماہ درخشاں (بھوپال: مطبع شاہجہانی، ۱۸۸۳)، ص ۵۔

۶۵۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۶۶۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۶۸۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۶۹۔ ایضاً، ص ۲۸۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۷۱۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۷۲۔ ایضاً، ص۲۶۔

۷۳۔ ایضاً، ص۳۰۔

۷۴۔ درگاہ پرشاد قہر سندیلوی، حدیقہ عشرت (لکھنو: مطبع دبدبہ احمدی، ۱۸۹۸)، ص۳۶۔

۷۵۔ ایضاً، ص۳۰۔

۷۶۔ ایضاً، ص۳۶۔

۷۷۔ ایضاً، ص۲۱۔

۷۸۔ ایضاً، ص۱۹۔

۷۹۔ ایضاً، ص۵۵۔

۸۰۔ ایضاً، ص۵۵۔

۸۱۔ بابو مول چند احقر، نشاط افزا (دہلی: مطبع افتخار، ۱۸۹۸)، ص۱۸۔

۸۲۔ ایضاً، ص۱۸۔

۸۳۔ ایضاً، ص۱۴۔

۸۴۔ ایضاً، ص۱۳۔

۸۵۔ ایضاً، ص۱۲۔

۸۶۔ ایضاً، ص۱۲۔

۸۷۔ ایضاً، ص۱۰۔

۸۸۔ ایضاً، ص۹۔

۸۹۔ ایضاً، ص۱۰۔

۹۰۔ ایضاً، ص۱۲۔

۹۱۔ ارباب نشاط، ص،ن، ص۱۶، ۱۳، ۸، ۷، ۶، ۵۔

۹۲۔ ایضاً، ص۱۶۔

۹۳۔ ایضاً، ص۱۷۔

۹۴۔ ایضاً، ص۱۷۔

۹۵۔ ایضاً، ص۸۔

۹۶۔ ایضاً، ص۱۳۔

۹۷۔ ایضاً، ص۶۔

۹۸۔ ایضاً، ص۷۔

۹۹۔ ایضاً، ص۵۔

۱۰۰۔ ایضاً، ص۶۔

۱۰۱۔ نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات، ص۵تا۳۷۔

۱۰۲۔ ایضاً، ص۵تا۳۵۔

۱۰۳۔ عبدالباری آسی، تذکرۃ الخواتین (لکھنؤ: منشی نول کشول، ۱۹۲۷)، ص۹۔

۱۰۴۔ ایضاً، ص۱۸۔

۱۰۵۔ ایضاً، ص۱۹۔

۱۰۶۔ ایضاً، ص۹۶۔

۱۰۷۔ ایضاً، ص۹۹۔

۱۰۸۔ ایضاً، ص۱۱۲۔

۱۰۹۔ ایضاً، ص۱۱۸۔

۱۱۰۔ ایضاً، ص۸۔

۱۱۱۔ ایضاً، ص۵۔

۱۱۲۔ ایضاً، ص۷۔

۱۱۳۔ ایضاً، ص۱۰۔

۱۱۴۔ ایضاً، ص۱۲۔

۱۱۵۔ ایضاً، ص۱۶۔

۱۱۶۔ نسیمہ دہلوی، شاعرات کا تذکرہ، س۔ن، ص۲۰۔

۱۱۷۔ ایضاً، ص۴۸۔

۱۱۸۔ ایضاً، ص۴۹۔

۱۱۹۔ ایضاً، ص۵۶۔

۱۲۰۔ ایضاً، ص۵۶۔

۱۲۱۔ ایضاً، ص۵۳۔

۱۲۲۔ ایضاً، ص۲۵۔

۱۲۳۔ ایضاً، ص۲۷۔

۱۲۴۔ ایضاً، ص۴۸۔

۱۲۵۔ ایضاً، ص۶۵۔

۱۲۶۔ ایضاً، ص۵۳۔

۱۲۷۔ ایضاً، ص۵۱۔

۱۲۸۔ ایضاً، ص۵۱۔

۱۲۹۔ ایضاً، ص۲۰۔

۱۳۰۔ ایضاً، ص۳۵۔

۱۳۱۔ ایضاً، ص۴۲۔

۱۳۲۔ ایضاً، ص۷۰۔

۱۳۳۔ ایضاً، ص۴۶۔

۱۳۴۔ ایضاً، ص۴۸۔

۱۳۵۔ ایضاً، ص۲۹۔

۱۳۶۔ جمیل احمد بریلوی، تذکرہ شاعرات اردو (بریلی: قسومی کتب خانہ، ۱۹۴۴)، ص۴۸۰۔

۱۳۷۔ ایضاً، ص۴۸۰۔

۱۳۸۔ ایضاً، ص۴۸۰۔

۱۳۹۔ ایضاً، ص۷۰۔

۱۴۰۔ ایضاً، ص۳۸۰۔

۱۴۱۔ ایضاً، ص۴۸۰۔

۱۴۲۔ ایضاً، ص۵۸۰۔

۱۴۳۔ ایضاً، ص۵۶۵۔

۱۴۴۔ ایضاً، ص۵۹۔

حاصل

ماحصل

اردو تذکروں کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تذکرے شعر ادب کے تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی مطالعے کے لیے اردو ادب کا گراں قدر حصہ ہیں جنھیں نظرانداز کر کے قدیم شعر وادب کے فکری رجحانات ومیلانات کے مطالعے کی کوشش بھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ ادبی تنقیدی شعور کے ارتقا کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ ماضی میں اگر شعرا کے تذکرے مرتب نہ کیے جاتے تو دنیا قدیم شعرا کے احوال وآثار سے بے خبر رہتی۔ یہی بات اردو تذکروں پر بھی صادق آتی ہے۔ اگر اردو شعرا کے تذکرے نہ لکھے جاتے تو اردو دنیا بھی قدیم شعرا کے احوال و آثار سے بے خبر رہتی، کیوں کہ قدیم شعرا کے احوال و آثار ان تذکروں کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اردو دنیا کو تنقیدی شعور انھی تذکروں کی بدولت حاصل ہوا اور انھیں تذکروں کے ذریعے اردو میں سیرت نگاری، سوانح نگاری نگاری اور تاریخ نویسی کے فن کی ابتدا ہوئی۔

اردو تذکرہ نگاری کی ابتدا فارسی کے زیر اثر ہوئی اور فارسی نے عربی تذکرہ نگاری سے اثرات قبول کیے۔ اردو تذکروں میں بھی انھیں اصولوں کی پیروی نظر آتی ہے جو عربی فارسی تذکروں کی تنقید کی بنیاد ہیں۔ انھیں اصولوں کو بنیاد بناتے ہوئے اردو تذکرہ نگاری کا آغاز اٹھارویں صدی کے وسط سے ہوتا ہے اور آب حیات تک برابر قائم رہتا ہے۔ اس کے بعد حقیقتاً تذکرہ نگاری کا دور اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس کی جگہ مغرب کے زیر اثر تنقید، تاریخ اور سوانح نگاری لے لیتی ہے۔ آب حیات کا طرز قدیم تذکروں سے ہٹ کر ہے۔ اس میں زبان کی تاریخ، لسانی مسائل، مختلف ادوار کی خصوصیات اور شعرا کی شخصیت وکلام پر رائے زنی کا وہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جو تاریخ اور سوانح کا خاصا ہونا چاہیے۔ اس تذکرے کے منظر عام پر آنے کے بعد تذکرہ نگاری میں تاریخ نویسی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس تذکرے نے اپنے بعد کی تذکرہ نگاری پر اثرات مرتب کیے۔ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ آب حیات کے بعد بھی تذکرے کے طرز پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ مثلاً یادگار ضغیم، تذکرہ جلوہ خضر، تذکرۃ الشعرا، فکر بلیغ، گل رعنا، تذکرہ کاملان رام پور، بہار سخن، مرقع سخن وغیرہ۔

اردو تذکرہ نگاری کے عہد بہ عہد ارتقا کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں نے فارسی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے تذکرے مرتب کیے۔ انھوں نے ترتیب، انتخاب، اسلوب بیان اور نقد نظر کے معیار کے پیمانوں کی نہ صرف پیروی کی بلکہ بعض اوقات ان کی معلومات سے بھی فائدہ اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ جو غلطیاں فارسی تذکرہ نگاروں سے سرزد ہوئیں، وہیں غلطیاں اردو تذکروں میں بھی در آئیں۔

اردو شعرا کی تذکرہ نگاری کے تقریباً سو برس گزر جانے کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں اردو شاعرات کے تذکرے لکھے گئے ہیں۔ ان سو برسوں میں باقاعدہ طور پر شاعرات کے کسی تذکرے کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ اگرچہ اٹھارویں صدی کی ابتدا میں کچھ تذکرہ نگاروں نے شعرا کے ذکر کے ساتھ اپنے تذکروں میں کچھ شاعرات کے ذکر کو بھی شامل کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے ایک، کسی نے دو، کسی چار شاعرات کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کو شامل کیا ہے۔ البتہ صاحب سخن شعرا (۱۸۶۳ء) نے سب سے پہلے شاعرات کا ایک مختصر ضمیمہ اپنے تذکرے میں شامل کیا۔ سخن شعرا عبدالغفور نساخ کا تذکرہ ہے جس میں تقریباً ۳۹ کے قریب شاعرات کے حالات اور ان کے نمونہ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ لیکن باقاعدہ طور پر اردو شاعرات کی تذکرہ نویسی کا سلسلہ انیسویں صدی کے آخر سے شروع ہوتا ہے۔ شاعرات کے یہ تذکرے اگر نہ لکھے جاتے تو اردو دنیا ان شاعر عورتوں کے احوال و آثار سے بے خبر رہتی اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ قدیم شاعرات کے احوال و آثار ان تذکروں کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے ہیں اور یہ تذکرے ان شاعرات کے بارے میں معلومات کا مستند ماخذ ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں گیارہ تذکرے لکھے گئے ہیں جن میں آئینہ حیرت (۱۸۳۱ء)، اذکار خواتین، ۱۸۴۷ء)، بہارستان ناز ۱۸۶۴ء)، تذکرۃ النساء نادری ۱۸۷۶ء)، شمیم سخن ۱۸۸۲ء)، تذکرۃ النسا (۱۸۸۲ء)، اختر تاباں (۱۸۸۲)، ماہ درخشاں ۱۸۸۳ء)، حدیقۂ عشرت ۱۸۹۳ء)، نشاط افزا ۱۸۹۸ء) اور ارباب نشاط (س۔ن) شامل ہیں۔ ان تذکروں میں آئینہ حیرت، تذکرۃ النسا اور حدیقۂ عشرت اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہیں اور فارسی زبان میں ہیں۔ آئینہ حیرت میں اگرچہ ایسی شاعرات بھی ہیں جو ذولسانی ہیں مگر ان کے اردو کلام کے نمونے نہیں دیے گئے۔ یہ تذکرہ غیر مطبوعہ تھا، اس لیے تذکروں پر لکھی گئی تحقیقی کتب میں اس تذکرے کا ذکر نہیں ملتا۔ حدیقہ عشرت اور تذکرۃ النسا میں اردو شاعرات کا احوال فارسی زبان میں ہے اور ان کے کلام کے نمونے اردو میں درج کیے گئے ہیں۔ اختر تاباں صرف فارسی شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اردو شاعرات کے تذکروں میں صرف ماہ درخشاں فارسی زبان میں لکھا گیا تذکرہ ہے۔

محققین نے بہارستان ناز (۱۸۶۴ء) کو اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہارستان ناز سے پہلے بھی ایک اردو شاعرات کا تذکرہ لکھا گیا ہے جس کا نام اذکار خواتین ہے اور یہ ۱۸۴۷ء میں تالیف ہوتا ہے اور اس کی مصنفہ ایک خاتون ہے جس کا نام محترمہ خدیجۃ النسا ہے۔ لہٰذا بہارستان ناز اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ نہیں ہے۔ اذکار خواتین اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ ہے اور اس

تذکرے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ تذکرہ ایک خاتون نے تحریر کیا ہے۔

صرف شاعرات کے تذکروں کی اگر بات کی جائے تو زمانی اعتبار سے سب سے پہلا لکھے جانے والے تذکرے کی صف میں آئینہ حیرت کا نام آتا ہے جو ۱۸۴۱ء میں تالیف ہوتا ہے اور اس تذکرے کے مصنف احمد حسین سحر کاکوروی ہیں۔ یہ تذکرہ غیر مطبوعہ تھا، اس لیے محققین کی نظروں سے اوجھل رہا اور تذکروں پر لکھی گئی کسی بھی کتب میں اس تذکرے کا ذکر شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کریم الدین کے تذکرے تذکرۃ النساء کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں جو شاید شائع نہیں ہوا لیکن اس کا ذکر کریم الدین کے تذکرے طبقات الشعرا کی جلد چہارم میں کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء سے پہلے اس تذکرے کو مکمل کر چکے تھے۔ اس کے مندرجات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف شاعرات کے ذکر پر مشتمل نہیں تھا بلکہ اس میں شاعرہ و غیر شاعرہ ہر طبقے کی خواتین کو شامل کیا گیا ہے۔

اسی روایت کے پیش نظر بیسویں صدی میں بھی کچھ شاعرات کے تذکرے منظر پر آتے ہیں۔ جن میں کچھ تذکرے ایسے ہیں جو شاعرات اور نثر نگار خواتین دونوں کے ملے جلے تذکرے ہیں۔ مثلاً مشاہیر نسواں(۱۹۰۲ء)حور مقصورات(۱۹۰۷)،تذکرہ جمیل(۱۹۲۹ء) ، خواتین عہد عثمانی(۱۹۳۶ء)اور خیابان نسواں(۱۹۳۸ء)خواتین دکن کی اردو خدمات(۱۹۴۰ء)، ،خواتین عہد عثمانی(۱۹۴۳) وغیرہ یہ نثر نگار اور شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہیں۔حور مقصورات میں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کی شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تذکرے جو صرف اردو شاعرات کے ذکر پر مشتمل ہیں، ان میں تذکرۃ الخواتین(۱۹۲۷ء)، طوطیان ہند(۱۹۳۶ء)، شاعرات کا تذکرہ(س-ن) اور شاعرات اردو(۱۹۴۴ء) شامل ہیں۔ ان تذکروں میں طو طیان ہند ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کی لائبریری میں موجود ہے۔ ان تذکروں پر تفصیل باب اول کے تحت دیکھی جا سکتی ہیں۔

شاعرات کے تذکروں پر تحقیقی کام کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو شعرا کے تذکروں پر تحقیقی و تنقیدی دونوں طرح سے کام ہوا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے شاعرات کے ان تذکروں کو کسی نے در خور اعتنا نہ سمجھا اور ان تذکروں پر کسی حوالے سے کوئی خاطر خواہ کام سامنے نہیں آیا۔ شعرا کے تذکروں کو محققین نے طویل اور مبسوط مقدموں اور ان کے متن کو صحت کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا گیا لیکن شاعرات کے تذکروں پر کسی بھی نوعیت کی کوئی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔ شاعرات کے یہ تذکرے ایک دفعہ چھپے اور دوسری دفعہ کبھی بھی منظر عام پر نہیں

آئے اگرچہ چند ایک محققین نے شاعرات کے تذکروں کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے لیکن ان میں بھی ان تذکروں کے بارے میں تعارفی نوعیت کی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ ان کتابوں اور تذکروں کی تفصیل باب دوم کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ان تذکروں کی اہمیت کے پیش نظر اس مقالے میں ''اردو شاعرات کے تذکروں میں تحقیقی معیار: تجزیاتی مطالعہ'' کو موضوع بنایا گیا ہے اور اس مقالے کی بنیاد ان سوالات پر رکھی گئی ہے۔

۱۔ اردو شاعرات کے ان تذکروں میں کن مآخذ کو استعمال کیا گیا ہے؟

۲۔ اردو شاعرات کے تذکروں میں سوانحی و تاریخی حوالوں کا اندراج کیوں کر گیا ہے؟

۳۔ ان تذکروں میں موجود تاریخی حقائق کے بیان میں کس درجہ احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے؟

۴۔ شاعرات کے تذکروں کا مجموعی معیار تحقیق کیا ہے؟

ان سوالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالے کو تحریر کیا گیا ہے اور ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ ان تمام سوالات کے جوابات تلاش کیے جائیں۔ جہاں تک تذکروں کے ماخذات کا تعلق ہے۔ اردو تذکروں کے ماخذات کا جائزہ لیتے وقت یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اردو تذکرہ نگاروں میں تین تذکرہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے اپنے تذکروں میں ماخذات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ان میں تذکرۃ النساے نادری، تذکرۃ الخواتین اور تذکرہ شاعرات شامل ہیں۔ تذکرۃ الخواتین میں کہیں کہیں ماخذات کی جانب اشارہ ملتا ہے لیکن انیسویں صدی میں لکھے جانے تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے سب سے زیادہ ماخذات استفادہ کیا ہے اور ان ماخذات کے حوالے اس تذکرے میں بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ اس تذکرے کے ماخذات کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے تمام دست یاب وسائل سے استفادہ کیا ہے۔ اخذ و استفادے کے اس عمل میں کہیں بحث و تمحیص کے بعد بیانات کو کہیں رد کر دیا ہے اور کہیں شاعرات کے حالات و کلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے اپنے نتائج اخذ کر کے درج کیے ہیں۔

تذکروں کے ماخذات کے جائزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تذکروں میں بیشتر شاعرات کے حالات وکلام ایک دوسرے کے تذکروں سے بلاواسطہ یہ بالواسطہ مستعار ہیں اور تذکرہ نگاروں نے ایک دوسرے کے تذکرے کو سامنے رکھتے ہوئے نقالی سے کام لیا ہے۔ تذکروں کے ماخذات کے تجزیے کے بعد یہ بات بھی اپنی جگہ وزن رکھتی ہے کہ رنج میرٹھی، صفا بدایونی، محتشم بھوپالی، مہر سندیلوی اور بیسویں صدی میں لکھے گئے تذکروں میں شامل قدیم شاعرات کے حالات و کلام کے بارے میں بیش تر معلومات تذکرۃ النساے نادری سے بلاواسطہ یا

بالواسطہ مستعار ہیں۔تذکرۃ النساے نادری سے پہلے شاعرات کا صرف ایک تذکرہ بہارستان ناز منظر عام پر آچکا تھا۔ پہلی دفعہ جب بہارستان ناز منظر عام پر آیا تو اس میں شاعرات کی مجموعی تعداد ستر کے قریب تھی۔ درگاہ پرشاد کے تذکروں چمن انداز اور گلشن ناز میں موجود شاعرات کی مجموعی تعداد ۲۰۰ کے قریب تھی۔ تیسری اشاعت میں رنج میرٹھی نے درگاہ پرشاد کے تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے تذکرے میں شاعرات کی تعداد بڑھا ۱۷۴ کرلی تھی۔ باقی تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکرے نادر دہلوی کے بعد لکھے اور ان تذکروں میں بھی بڑے پیمانے پر نادر دہلوی کے تذکروں سے اخذ و استفادہ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ باقی تذکروں کی نسبت تذکرۃ النساے نادری کے مصنف نے شاعرات کے حالات و کلام کی جمع آوری میں جس قدر تحقیق یا کوشش کی، نہ ان کے معاصر تذکرہ نگاروں نے اتنی تحقیق و تلاش سے کام لیا اور نہ نادر دہلوی کے علاوہ کسی بھی تذکرہ نگار نے اپنے ماخذات کی نشان دہی کی ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاعرات کے حالات و کلام کا بیش تر حصہ تذکرہ النساے نادری سے ماخوذ ہے۔

تذکروں میں تحقیقی معیار کی جانچ پرکھ کے لیے ڈاکٹر تنویر احمد علوی اور حافظ محمود شیرانی کے بیان کردہ اصول کی مدد سے ان کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ان کے ہاں تحقیق کے یہ اصول ملتے ہیں: ارتکاز، تضاد، استدلالیت، معروضیت، تحقیق متن، ماخذات، تنقیدی عناصر اور عصری نقوش وغیرہ۔ان کی تفصیل باب چہارم میں دی گئی ہے جہاں ان کی تفصیل بیان کرنے کے ساتھ متون میں ان کا استعمال بھی بیان کیا گیا ہے۔

ارتکاز: جہاں تک ارتکاز کا تعلق ہے اس اصول کی رو سے متعلقہ مواد سے غیر متعلقہ مواد کو الگ کر کے صرف ضروری معلومات کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ تاکہ قارئین کسی بھی شخصیت کے اہم امور اور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کر سکے اور اپنی رائے قائم کر سکے۔اردو شعرا کے اکثر تذکروں میں ان تمام پہلوؤں کا کسی نہ کسی حد تک التزام ملتا ہے۔کچھ تذکرہ نگاروں نے شعرا کے حیات و سیرت کے ان پہلوؤں پر توجہ ضرور دی ہے لیکن اس کے برعکس شاعرات کے تذکروں میں شاعرات کے حیات و سیرت کے ان تمام پہلوؤں پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ شاعرات کے تذکرہ نگاروں نے شاعرات کی سیرت وحیات پر جامع روشنی ڈالنے کے بجائے ان کے دیگر شخصی کوائف کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔

تضاد: اردو شاعرات کے تذکروں کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے نظر آتے ہیں، جہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگار اپنے بیانات کے سلسلے میں تضاد کا شکار نظر آتے ہیں۔ وہ کسی بھی شاعرہ کے سیرت و سوانح کو بیان کرتے ہوئے یا کسی خیال کو پیش کرتے ہوئے یا نمونہ کلام کا اندراج کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ پیچھے کیا لکھ آئے ہیں۔ یا کسی شاعرہ کے سوانح کے بیان میں کوئی بات لکھی جاتی ہے، جب کہ کسی دوسری شاعرہ کے سوانح اور آثار کے

بارے میں کوئی خیال یا بیان پیش کیا جاتا ہے تو پہلے شاعرہ کے بارے میں لکھتے ہوئے متضاد بات کہہ دی جاتی ہے جس سے اصل حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ مثلاً ان تذکروں میں بہت سے مقامات پر یہ تذکرہ نگار کسی ایک شاعرہ کے سوانح اور ان کے نمونہ کلام کا ندراج کرتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ اسی شاعرہ کا ذکر دوسرے نام کے ساتھ کر کے وہی حالات اور اشعار لکھ دیتے ہیں جو وہ پہلی دفعہ کسی اور شاعرہ کے ذیل میں درج کر چکے ہوتے ہیں۔ اردو تذکروں میں اس قسم کی کئی مثالیں ملتی ہیں، ان متضاد بیانات کی تفصیل باب چہارم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

استدلالیت: استدلالیت کے ضمن میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو تذکروں میں جہاں بہت سی مستند باتیں درج تذکرہ کی گئی ہیں۔ وہاں ان تذکروں میں بہت سے مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں کچھ شاعرات کے حالات مشتبہ ہیں اور اکثر جگہوں پر جو بیانات، واقعات اور روایات درج کی گئی ہیں، ان کی نہ تو کوئی منطقی دلیل پیش کی گئی ہے اور نہ ہی ان واقعات، روایات اور بیانات کی کہیں سے کوئی سند ملتی ہے۔ اکثر سنی سنائی باتیں درج تذکرہ کی گئی ہیں۔ شاعرات کے سنین وفات اور تاریخ پیدائش کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ملتا جس کی وجہ سے کسی بھی شاعرہ کے عہد اور زمانے کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کون سی شاعرہ کس عہد میں زندہ تھی؟ عام طور پر اردو تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے حالات اور واقعات کے دوران کسی ٹھوس ثبوت کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی کسی ایسے اہم حوالے کی دلیل پیش کی ہے جس کی وجہ سے شاعرات کے بارے میں پیش کردہ متن میں شک و شبے کی گنجائش باقی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تذکرہ نویس سینہ بہ سینہ منتقل ہونے علم کے قائل تھے جس کے نتیجے میں وہ انھی باتوں کو ضبط تحریر میں لائے۔ چند ایسے بے سروپا حوالے رقم کر دیے ہیں جن کی کوئی دوسری سند نہیں ملتی۔ مثلاً

۱۔ جاناں بیگم دختر عبدالرحیم کے متعلق جو روایات بیان کی گئی ہیں، ان کی کوئی سند نہیں ملتی ہے۔

۲۔ آرام زوجہ جہانگیر کے بارے میں بھی جو کچھ درج کیا گیا ہے، ان کا وجود بھی مشتبہ ہے بلکہ آرام زوجہ جہانگیر کا وجود بھی مشتبہ ہے۔

۳۔ عصمتی نواب جہاں آرا بیگم کے بارے میں بھی جو کچھ درج تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی بھی کہیں سے کوئی سند نہیں ملتی۔

معروضیت: معروضیت یا غیر عصبیت اچھے تذکروں کا ایک عمدہ وصف ہے۔ تذکرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ افراد کی سیرت و سوانح کے بیان میں اور نمونۂ اشعار کے انتخاب میں غیر جانبدار رہے۔ احباب و اغیار سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔ شاعرات کے یہ تذکرے شخصیت کے بارے میں تفصیلی مواد فراہم نہیں کرتے۔ ان کے سنین کے اندرج میں بھی لاپرواہی برتی گئی ہے۔ ان میں غیر تفصیلی مواد اس حد تک کارفرما نظر آتا ہے کہ بعض جگہوں پر صرف

تخلص لکھ کر نمونہ کلام پیش کر دیا گیا ہے۔اس غیر تفصیلی مواد کے نتیجے میں شاعرات کی شخصیت اور ان کی زندگی کے حالات دب کر رہ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان تذکروں کا اس طرح سے مطالعہ و تجزیہ کرنا اور کوئی حتمی رائے دینا مشکل ہے۔البتہ بعض تذکرہ نگاروں کے جن جن شاعرات سے ذاتی مراسم تھے،ان شاعرات کا تذکرہ لکھتے وقت تذکرہ نویسیوں نے ان کا تذکرہ بڑے لگاؤ اور دلچسپی کے ساتھ کیا ہے۔تاہم کچھ شاعرات کا تذکرہ انھوں نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے۔اور بعض شاعرات کی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بجائے ان کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔

تحقیق متن: متن میں الحاق اضافہ و تصرف نہ صرف خواتین بلکہ مرد شعرا کے معاملے میں بھی اکثر کیا جاتا ہے۔یعنی کسی ایک شاعر کے شعر کو کسی دوسرے شاعر سے منسوب کر دینا وغیرہ۔اردو شاعرات کے تذکروں میں بہت ایسے اشعار کا اندراج موجود ہے جو ان تذکروں میں شاعرات کے ذیل میں درج کر دیا گیا ہے لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ اشعار تذکروں میں مذکور شاعرات کے نہیں ہیں بلکہ کسی اور کے کلام کو ان شاعرات سے منسوب کر دیا گیا ہے۔اس کی تفصیل باب چہارم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تنقیدی عناصر: اردو تذکرہ نویسوں نے شاعرات کے حالات و کلام پر باقاعدہ طور پر تنقید یا تبصرہ تو نہیں کیا لیکن کہیں کہیں ان کے قلم سے بعض باتیں ایسی بیان ہوئی ہیں، جن سے نہ صرف ان تذکرہ نویسیوں کے تنقیدی شعور کے بارے میں آگاہی فراہم ہوتی ہے بلکہ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کس قدر شاعرات کے کلام کے پر اپنے تاثرات کا بے باکانہ اظہار کیا ہے اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے وقت انھوں نے کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔ان تمام اصولوں کے عملی اطلاق کی مثالیں باب چہارم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

عصری نقوش: اردو شاعرات کے تذکروں میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں عصری نقوش کی ترجمانی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔مثلاً ان تذکروں میں عورتوں کی تعلیمی بیداری کی تحریکات پر اظہار خیال ملتا ہے۔

زبان و بیان کے حوالے سے بھی تذکرہ نگاروں کا انداز بیان منفرد ہے۔ان تذکروں میں کچھ تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے حالات و کلام کے سلسلے میں عبارت آرائی اور رنگینی بیان سے کام لیا ہے۔اس حوالے سے بہارستان ناز اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے اعلیٰ تخلیقی نثر کے نمونے پیش کیے۔رنج کو زبان و بیان دونوں پر زبردست قدرت حاصل ہے۔رنج نے بہترین صلاحیتوں کے بل بوتے پر اعلیٰ تخلیقی اسلوب کا جادو جگایا ہے جو ان کو ان کے ہم عصر تذکرہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔زبان و بیان کی نزاکت، تشبیہ و استعارے کا بر محل استعمال اور تراکیب کی شگفتگی اس

تذکرے میں جگہ جگہ ملتی ہے جو ان کے معاصر تذکرہ نگاروں کے یہاں ملنی مشکل ہے۔ پھر ان کے اس تذکرے کی خوبی یہ ہے کہ تمام کتاب میں یکسانیت و ہمواری کی فضا بدرجۂ اتم موجود ہے کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ عبارت کہیں کمزور اور کہیں زوردار ہے۔

اس کے برعکس تذکرۃ النساے نادری میں زبان و بیان کے اعتبار سے بہارستان ناز کی نسبت وہ شوخی و رنگینی بیانی نظر نہیں آتی جو بہارستان ناز کے مصنف کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ بلکہ نادر زبان و بیان کو پر تصنع بنانے کے بجائے کہیں کہیں سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کے قائل نظر آتے ہیں۔ البتہ بعض شاعرات کے احوال کے تذکرے میں کہیں کہیں عبارت آرائی کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں اور عبارت کو پر تصنع اور رنگین بنانے کی بھی کوشش نظر آتی ہے۔ اس تذکرے میں مخصوص طبقے کے لیے مخصوص زبان کا استعمال عمل میں لایا گیا ہے۔ اس لیے ان کا مطالعہ و تجزیہ نہ صرف دلچسپ بھی ہے بلکہ ان میں برصغیر کی سماجی زندگی اور خواتین سے متعلق عمومی رویوں کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں اور یہ تذکرہ ایک مخصوص رخ کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔

ان دونوں تذکروں کے علاوہ اس عہد کے باقی تذکروں شمیم سخن، تذکرۃ النسا، نشاط افزا اور ماہ درخشاں اگرچہ حالات کے اعتبار سے مختصر تذکرے ہیں۔ ان تذکروں کی نسبت ان میں شاعرات کے احوال و کلام کے سلسلے میں زبان و بیان سنجیدہ، باوقار اور ادیبانہ ہے۔ ان کے علاوہ جو تذکرے بیسویں صدی میں لکھے گئے، ان میں بھی منفرد زبان کا استعمال ملتا ہے۔ ان میں تذکرۃ الخواتین میں کہیں کہیں سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے اور کہیں کہیں عبارت آرائی کے نمونے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شاعرات کا تذکرہ میں زبان و بیان کے حوالے سے مصنفہ نے اس تذکرے میں اعلیٰ تخیل اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں جو آزاد کے تذکرے آب حیات کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کی نثر اس قدر دلآویز ہے کہ اس کے سامنے نظم بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ البتہ شاعرات اردو کے مصنف نے زبان و بیان کے حوالے سے پر تکلف اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ ان کی نثر باقی تذکرہ نگاروں کی نسبت رواں، سلیس اور عام فہم ہے۔ ان کی نثر سادہ اور عام فہم ہونے کے باوجود پھیکی اور بے رنگ بھی نہیں کہ قاری پر گراں گزرے۔ بلکہ انھوں نے اپنا نقطہ نظر قاری تک پہنچانے کے لیے مناسب اور معتدل اسلوب اختیار کیا ہے۔ انھوں نے شاعرات کے سوانحی حالات پیش کرنے کے علاوہ ان کے نمونہ کلام پر ادبی و تنقیدی نکتے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے شاعرات کے کلام پر تنقیدی نکتے پیش کرنے کے لیے جس زبان کا سہارا لیا ہے وہ عام فہم ہونے کے باوجود ادبی محاسن سے مبرا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس میں مناسب و متوازن انشا کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ان کی تفصیل باب پنجم کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ تذکرے تحقیقی معیار پر تو پورے نہیں اترتے ہیں لیکن اسلوبی خصائص، زبان و بیان اور مخصوص لب و لہجے کے اعتبار سے یہ تذکرے اہمیت کے حامل ہیں۔ لسانی اعتبار سے یہ تذکرہ نگاران اسلوبی خصائص کو نشان زدہ کر گئے ہیں جنھیں آج اسلوبیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان تذکروں میں بہت سی ایسی معلومات ملتی ہیں جن سے مختلف علاقوں کی سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مختصرا یہ کہ یہ تذکرے بہت سی کوتائیوں اور خامیوں کے باوجود ہمارے ادبی ورثے کے محافظ، علمی اور مجلسی زندگی کے ترجمان اور معاشرت کے آئینہ دار ہیں۔

کتابیات

فہرست مآخذ

آبادی، فضل الحق۔خواتین ہند کے تاریخی کارنامے۔پٹنہ: بہار پبلیکیشنز،۱۹۹۸۔

آزاد، محمد حسین۔دربار اکبری۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۵۔

آزاد، غلام علی۔خزانہ عامرہ۔کان پور: منشی نول کشور، س۔ن۔

آسی، عبدالباری۔تذکرہ خندۂ گل۔لکھنؤ: منشی نول کشور،۱۹۲۹۔

۔۔۔۔۔، عبدالباری۔تذکرۃ الخواتین۔لکھنؤ: منشی نول کشور،۱۹۲۷۔

آفاقی، آفتاب احمد۔کلاسیکی نثر کے اسالیب۔دہلی: نعت کمپوزنگ ہاؤس،۲۰۰۲۔

احقر، بابو مول چند۔نشاط افزا (دہلی: مطبع افتخار،۱۸۹۸۔

احمد، نذیر۔تحقیق و تصحیح متن۔کراچی: ادارہ یادگار غالب،۲۰۰۰۔

اختر۔سلیم۔پاکستانی شاعرات تخلیقی خدوخال۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹۔

اختر، عظیم۔بیسویں صدی کے شعراے دہلی۔جلد اول۔دہلی: اردو اکادمی،۲۰۰۵۔

خواجہ، محمد یوسف الدین۔یورپین شعراے اردو تذکرہ یورپین اور انڈو یورپین شعراے اردو۔دکن: مطبع ابراہیمیہ،۱۹۵۹۔

ادیب، اسلم۔ تحقیق کی بنیادیں۔لاہور: لٹل سٹار پرنٹنگ پریس،۲۰۰۴۔

اردو لغت تاریخی اصول پر جلد پنجم۔کراچی: اردو لغت بورڈ،۱۹۸۳۔

ارباب نشاط، س،ن۔

المنجمد :فی اللغتہ والاعلام الطبعہ الرابعہ والعشرون۔بیروت،۱۹۸۳۔

الحسن، شبیہ۔شعرو ادب کی معمار خواتین۔لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۰۔

اسپرنگر۔یادگار شعرا۔لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۸۵۔

سید، فضل المتین۔شعراے اجمیر۔جے پور: راجستھان اردو اکادمی،۱۹۸۷۔ف

انجم، خلیق (مترجم)۔ دہلی کے آثار قدیمہ فارسی تاریخوں میں۔دہلی: اردو اکادمی،۱۹۹۸۔

انجم، خلیق۔متنی تنقید۔کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان،۲۰۱۴۔

انجم، شفیق۔قواعد تحقیق و تدوین ۔اسلام آباد: پورب اکادمی،۲۰۱۵۔

انصار اللہ،معتمد الدولہ آغا میر اسلاف و اخلاف۔نئی دہلی: غالب اکیڈمی،۱۹۸۸۔

انصاری،الف۔شاعرات بنگالہ۔کلکتہ:آفیسٹ آرٹ پرنٹرس،۲۰۰۱۔

بابر،محمد ظہیرالدین۔تزک بابری۔مرزا نصیرالدین حیدر(مترجم)۔لاہور:الفیصل ناشران وتاجران،۲۰۰۶۔

باطن،قطب الدین۔گلستان بے خزاں۔لکھنؤ:اترپردیش اکادمی،۱۹۸۷۔

بتول،عابدہ۔فن تدوین مباحث اور مسائل۔لاہور:مکتبہ اخوت،۲۰۱۳۔

بخاری،راحت افزا۔عجائب القصص۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۶۵۔

بخش،ایم سلطانہ(مرتب)۔اردو میں اصول تحقیق(جلد اول)۔اسلام آباد:ورڈویژن پبلشرز،۱۹۹۵۔

بخش۔ایم سلطانہ(مرتب)اردو میں اصول تحقیق انتخابِ مقالات جلد دوم ۔اسلام آباد:ورڈویژن پبلشرز،۲۰۰۱۔

--------۔پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار۔اسلام آباد،علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی،۱۹۹۶۔

بدایونی،شاداب ذکی۔شاعرات روہیل کھنڈ۔بریلی:بریلی الیکٹرک پریس،۱۹۹۱۔

بدایونی،ملاعبدالقادر۔ منتخب التواریخ۔ترجمہ علیم اشرف خان۔لاہور:ناصر شہزادپرنٹرز،۲۰۱۸۔

بدر،سید محمد طفیل۔آفتاب حرم۔کراچی:تاج کمپنی لمٹیڈ،۱۹۴۹۔

برلاس،مرزااظہر علی۔اودھ پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ۔کراچی:اودھ ادبی اکیڈمی،۱۹۸۴۔

بریلوی،جمیل احمد۔تذکرہ شاعرات اردو۔بریلی:قومی کتب خانہ،۱۹۴۴۔

بریلوی،شفیق۔شاعرات پاکستان۔کراچی:مشہور پریس،۱۹۶۱۔

بلخی،فصیح الدین۔تذکرہ نسوان ہند۔پٹنہ:مطبوعہ شمسی پریس،۱۹۵۶۔

بسمل،عبدالرزاق۔تذکرہ جمیل۔دکن:شمس السلام،۱۹۲۹۔

بلگرامی،سید فرزند احمد۔تذکرۂ جلوۂ خضر۔جلد۔اول۔کراچی:صفیر بلگرامی اکیڈمی،۲۰۰۹۔

بلگرامی،سید فرزند احمد۔تذکرہ جلوۂ خضر۔جلد دوم۔کراچی:صفیر بلگرامی اکیڈمی،۲۰۱۱۔

بیگ،مرزافرحت اللہ(مرتب)۔ دیوان یقین۔اسلام آباد:مسٹر بک سپر مارکیٹ،س۔ن

بیگ،مرزا خلیل احمد۔زبان اسلوب اور اسلوبیات۔علی گڑھ:ادارہ زبان واسلوب،۱۹۸۳۔

بیگم۔عبیدہ۔فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات۔لکھنؤ:نصرت پبلشرز،۱۹۸۳۔

پاریکھ،رؤف(مرتب)۔پاکستان اور ہندوستان میں اردو تحقیق کا تاریخی و تنقیدی جائزہ۔کرچی:۲۰۱۳۔

پاشا، عرفان۔ ادبی تاریخ کے ماخذات۔ لاہور: اظہار سنز، ۲۰۱۳۔
پروین، طاہرہ۔ جدید شاعرات اردو۔ الہ آباد: انجمن تہذیب نو پبلیکیشنز، ۲۰۰۵۔
پرشاد، بنی۔ تاریخ جہانگیر۔ لاہور: اسد نئیر پرنٹر، س۔ن۔
پوری، ابو سلمان شاہجہاں۔ تذکرہ نعت گو شاعرات۔ کراچی: ادارہ تصنیف و تحقیق، ۱۹۸۴۔
تاریخ ادبیات اردو برصغیر مسلمانان پاک و ہند۔ جلد اول۔ لاہور: پنجاب یونی ورسٹی پریس، ۱۹۷۱۔
تسلیم، منشی انوار حسین، نواب احمد حسین خان (مرتب)۔ سیر سیاح۔ لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۷۲۔
تمنا، رام سہائے، کاکوروی، زکی۔ احسن التواریخ۔ لکھنؤ: مرکز گنج ادب، ۱۹۸۸۔
جمالی، شاہد احمد۔ شاعرات راجستھان اور کچھ بھولے بسرے شعرا۔ جے پور: گلوبل کمپیوٹرس اینڈ پرنٹرس، ۲۰۱۴۔
جین، گیان چند۔ تحقیق کا فن۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، س ن۔
چغتائی، قاضی محمد اقبال۔ وسط ایشیا کے مغل حکمران۔ لاہور: چغتائی ادبی ادارہ۔ س۔ن۔
حبیب، ایم۔ اردو کے کلاسیکی شعرا۔ علی گڑھ انڈین بک ہاؤس، ۱۹۶۲۔
حسین، اسما رفعت۔ جدید شعرائے اردو تحریر و تصویر کے آئینے میں۔ حصہ دوم۔ لکھنؤ: نظیر آباد پبلشرز، ۱۹۸۵۔
حسین، سلمان۔ لکھنؤ کے چند نامور شعرا۔ لکھنؤ: قومی پریس، ۱۹۳۷۔
حسین، شیخ تصدق۔ بیگمات اودھ۔ لکھنؤ: کتاب نگر، س۔ن۔
حسین، سید تصدق۔ لغات کشوری۔ لکھنو: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۲۳۔
حسین، انتظار۔ کاظمی، ناصر۔ سن ستاون خیال نمبر۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷۔
حیدری، سر اکبر۔ قدیم شاعرات اردو۔ سری نگر: اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۹۱۔
خان، رشید حسن۔ اردو کیسے لکھیں۔ نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۵۔
خان، محمد نجم الغنی۔ تاریخ اودھ۔ جلد اول۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۸۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔تاریخ اودھ جلد سوم۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۰۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔تاریخ اودھ جلد چہارم۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۲
خان، صمصام الدولہ شاہنواز۔ مآثر الامرا۔ جلد اول۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۸۔

------------مآثر الامرا جلد دوم۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۹
------------مآثر الامرا جلد سوم۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۰۔
خان، سر سید احمد۔تذکرہ اہل دہلی۔کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۶۔
خان، رشید حسن (مرتب)۔سحر البیان۔کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰۔
خان، رشید حسن۔اردو املا۔دہلی: نیشنل اکادمی، ۱۹۷۴۔
خان، رشید حسن۔ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ۔لکھنو: اتر پردیش اکادمی، ۱۹۹۰۔
خان، نصیر احمد، ادبی اسلوبیات۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۴۔

داؤدی، خلیل الرحمن (مرتب)۔بہارستان ناز۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵۔
دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ششم۔لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰۔
دربھنگوی، ظہیر ناشاد۔دربھنگہ میں اردو۔کلکتہ: فوٹو آفیسٹ پرنٹرس، ۱۹۷۷۔
درانی، عطش۔جدید رسمیات تحقیق۔لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵۔
درانی، عطش (مرتب)۔اردو تحقیق منتخب مقالات۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان۔
درانی، عطش۔لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول۔اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۹۔
دہلوی، نسیمہ، شاعرات کا تذکرہ۔س،ن۔
ڈکشنری آف اردو کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳۔
ذکاءاللہ، تاریخ ہندوستان۔جلد اول۔دہلی: مطبع شمس المطابع، ۱۹۹۷۔
رحمانی، نجمہ۔آزادی کے بعد اردو شاعرات۔دہلی: بھارت آفسیٹ پریس، ۱۹۹۴۔
رضوی، سید وقار احمد۔تاریخ نقد۔اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، س ن۔
رضوی، شفقت۔دیوان ماہ لقا۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰۔
رضوری، سید تصدق حسین۔لغات کشوری۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳۔
ریاض، ترنم۔بیسویں صدی میں خواتین کا ادب۔دہلی: آر۔کے۔آفسیٹ، ۲۰۰۴۔
زور، محی الدین قادری۔مرقع سخن۔دکن: اعظم سٹیم پریس، ۱۹۳۵۔
زور، محی الدین قادری۔اردو کے اسالیب بیان۔حیدرآباد دکن: احمدیہ پریس، ۱۹۳۲۔
سحر، احمد حسین۔بہار بے خزاں۔دہلی: کوہ نور پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۸۔

سرخوش، محمد افضل۔کلمات الشعرا۔لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۴۲۔
سرہندی، تحسین احمد۔تاریخ مبارک شاہی۔آفتاب سرہندی (مترجم)۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶۔
سدید، انور۔اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹۔
سعید، طارق۔اسلوب اور اسلوبیات۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶۔
سلطان پوری، نیاز۔اردو تذکرہ نگاری: ۱۸۳۵ کے بعد۔لکھنؤ: پاریکھ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۸۔
سمیع الدین، عابدہ۔ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ۔پٹنہ: ادارہ تحقیقات اردو، ۱۹۹۰۔
سکسینہ، رام بابو۔تاریخ ادب اردو۔لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴۔
سکسینہ، رام بابو۔مرقع شعرا۔دہلی: دھومی مل دھرم داس چاوڑی، س۔ن۔
سنگھل، ہنومان۔تاریخ ریاست ٹونک۔ٹونک: ندیم اکادمی، ۱۹۹۶۔
سنبھلی، میر حسن دولت۔تذکرہ حسینی۔زیدی، کشور جہاں (مترجم)۔نئی دہلی: ایم۔آر۔آفسیٹ، ۲۰۰۸۔
سنبھلی، رضاالرحمن عاکف۔سوانحی انسائیکلو پیڈیا۔ جلد دوم۔دہلی: کاک آفیسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۷۔
سندیلوی، درگاہ پرشاد قہر۔حدیقہ عشرت۔لکھنو: مطبع دبدبہ احمدی، ۱۸۹۸۔
شاغل، احترام الدین۔تذکرہ شعرا جے پور۔علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۸۔
شاہد، رفاقت علی (مرتب)۔تذکرۃ النسائے نادری۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶۔
شمیم، مبارک۔سخن وران شاہجہاں پور۔نئی دہلی: ثمر آفسیٹ پرنٹرس، ۱۹۹۵۔
شمس، محمد باقر۔تاریخ لکھنؤ۔کراچی، ناظم آباد: برادارس پرنٹرز، س۔ن۔
شوق، احمد علی خان۔تذکرہ شعرا کاملان رام پور۔دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۲۹۔
شوق، قدرت اللہ۔طبقات الشعرا۔قریشی، نثار احمد (مرتب)۔لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن۔
شیفتہ، نواب مصطفےٰ خان۔گلشن بے خار۔حمیدہ بانو (مترجم)۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸۔
صابری، امداد۔۱۸۵۷ کے مجاہد شعرا۔دہلی: مکتبہ شاہراہ اردو بازار، ۱۹۵۹۔
صابری، امداد۔۱۸۵۷ کے غدار کے شعرا۔دہلی: یونین پریس، ۱۹۶۰۔
صابری، امداد۔ تاریخ و صحافت اردو۔ جلد دوم۔کلکتہ: تالی گنج، س۔ن۔
صاحب، سید محمد۔شاہانِ مغلیہ۔دہلی: مکتبہ زبان اردو، ۱۹۷۸۔

صفا، عبدالحیی۔ شمیم سخن۔ لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۹۱۔

صدیقی، ابواللیث لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ کراچی: غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۷۔

صاحب، مرزا جعفر علی (مرتب)۔آب بقا۔ لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۹۱۸۔

طفیل، محمد۔نقوش: آپ بیتی نمبر۔لاہور: ادارہ فروغ اردو، س۔ن۔

عابدی، تسکین۔سخنوران دکن۔دکن: عہد آفریں پریس، ۱۹۳۸۔

عارف، نجیبہ (مرتب)سیر ملک اودھ۔لاہور: پاکستان کواپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۷۔

عاطف، خان محمد۔پٹھان شاعرات کا تذکرہ۔ لکھنؤ: نشاط پریس، ۱۹۸۳۔

عاکف، رضاالرحمن۔سوانحی انسائیکلو پیڈیا۔دہلی: کاک آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۰۷۔

عباسی، عبدالحمید خان۔اصول تحقیق۔اسلام آباد: نیشنل بک بانڈویشن، ۲۰۱۷۔

عابد، سید عابد علی۔اسلوب۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۶۔

عبدالحہ، حکیم۔گل رعنا۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۲۶۔

عبدالوحید۔عالمی شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا۔لاہور: مشتاق بک کارنر، س۔ن۔

عبدالودود، قاضی۔شعرا کے تذکرے۔پٹنہ خدابخش لائبریری، ۱۹۹۵۔

عبدالرحمان، سید صباح الدین۔تاریخ مغل دربار۔لاہور: شہزاد پرنٹرز۔س،ن۔

عصیم، عبدالرشید۔اردو شاعروں کا انسائیکلو پیڈیا۔ملتان: محکم آرٹ پریس، ۲۰۰۲۔

علوی، تنویر احمد۔اصول تحقیق و ترتیب متن۔دہلی: دہلی یونی ورسٹی، ۱۹۷۷۔

علیم، خالد۔اردو کی نعتیہ شاعری۔لاہور: گوروارجن، ۱۹۹۵۔

علی، رحمن۔ریاض الامرا۔ لکھنؤ: مطبع نول کشور، س۔ن۔

علی، محسن۔تذکرہ سراپا سخن۔ لکھنؤ: نظامی پریس۔۱۹۳۶۔

علی، سید امجد۔حیات انیس۔دہلی: مطبع آگرہ اخبار، س۔ن۔

علی، نسیم اقتدار (مرتب)۔طبقات سخن۔ لکھنؤ: نظامی آفسیٹ پریس، ۱۹۹۱۔

علی، محمود۔مغل شہزادیاں۔دہلی: شربی آفسیٹ پریس، ۲۰۰۰۔

عقیل، معین الدین (مرتب)۔تاریخ ادبیات اردو گارسیں دتاسی۔کراچی: اسٹڈی سنٹر، ۲۰۱۵۔

عمران پاشا، نمود حرف۔لاہور: باقر پرنٹرز، اپریل ۲۰۱۴۔

فاروقی، ثمینہ۔تذکرہ شاعرات لکھنؤ۔ لکھنؤ: نیورک لائن آفیسٹ پریس، ۲۰۰۹۔

فاروقی، عبداللہ۔محفل خواتین۔دہلی: دفتر خاتون مشرق، ۱۹۴۸۔
فائق، محمد۔مغل شہزادیاں علمی و ادبی خدمات۔دہلی: نائس پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۶۔
فائق، قاضی نورالدین۔مخزن شعرا۔لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵۔
فراق ودیگر۔لغات ہیرا،سنسکرت،ہندی،فارسی،عربی،ترکی،یونانی الفاظ کا اردو لغت۔الٰہ آباد: ساہتیہ کلا بھون، ۱۹۶۶۔
فرہنگ عامرہ۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹۔
فتح پوری، فرمان۔اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری۔کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۸۔
فتح پوری، نیاز۔تذکروں کا تذکرہ نمبر۔کراچی: ادارہ ادب عالیہ، ۱۹۶۴۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، نیاز۔نگار۔لکھنؤ: نگار بک ایجنسی، اکتوبر ۱۹۴۰
فتح پوری، فرمان۔صرف شاعرات۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۹۔
فرشتہ، محمد قاسم۔تاریخ فرشتہ۔جلداول، دوم۔لاہور: المیزان ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۷۔
فہمی، مفتی شوکت علی۔ہندوستان پر مغلیہ حکومت۔دہلی: دین ونیا پبلشنگ، س۔ن۔
فوربز، ڈکن۔ڈکشنری اردو اینڈ انگریزی۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲۔
کاشمیری، تبسم۔ادبی تحقیق کے اصول۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲۔
کاکوروی، احمد حسین۔ آئینہ حیرت۔پٹنہ: پاکیزہ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۶۔
کاکوی، عطا۔تین تذکرے۔پٹنہ: رئیس ادارہ تحقیقات عربی وفارسی، ۱۹۶۸۔
کول، پنڈت کشن پرشاد۔ادبی وقومی تذکرے۔علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۵۔
قاقشال، مرزا افضل بیگ۔تحفتہ الشعرا۔دکن: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۶۱۔
قادر، محمد ہارون۔ ابجد تحقیق۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰۔
قریشی، عبدالرزاق۔مبادی محمود، راناسلطان۔فن تحقیق، مبادت اصول اور تقاضے۔لاہور: بک ٹک، ۲۰۰۵۔
ماہروی، مراد۔شاہان مغلیہ کی بیویاں اور ہندو رانیاں۔دہلی: حمیدیہ پریس، س،ن۔
محتشم، ابوالقاسم۔ماہ درخشاں۔بھوپال: مطبع شاہجہانی، ۱۸۸۳۔
میر۔ تقی میر۔نکات الشعرا۔ترجمہ حمیدہ خاتون۔دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۴۔

مہر۔سلطانہ۔ آج کی شاعرات۔کراچی: حقی آفسٹ پریس،۱۹۷۳۔

مہدی،اصغرا(مرتب)۔اردو ادب میں دہلی خواتین کاحصہ۔دہلی:اردواکادمی،۲۰۰۶۔

مہذب اللغات،جلد سوم۔سرپرستی حکومت ہند،۱۹۲۹۔

نساخ،عبدالغفور۔سخن شعرا۔لکھنو:اترپردیش اردواکادمی،۱۹۸۲۔

نویدی،علیم صبا۔خواتین ٹمل ناڈو کی دینی،علمی و ادبی خدمات۔چینئی:ٹمل ناڈو پبلی کیشنز،۲۰۰۱۔

وارث سرہندی۔قاموس مترادفات۔لاہور:اردو سائنس بورڈ،۲۰۰۱۔

وکرم،تند کشور۔مصور تذکرے۔دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۲۰۱۲۔

ہاشمی،نصیرالدین۔خیابان نسواں۔دہلی: محبوب المطابع،۱۹۳۸۔

----------خواتین عہد عثمانی۔دکن:اعظم اسٹیم پریس،۱۹۳۶۔

----------حیدر آباد کی نسوانی دنیا۔دکن:ادارۂ ادب جدید،۱۹۴۴۔

----------خواتین دکن کی اردو خدمات:دکن: رزاقی مشین پریس،۱۹۴۰۔

ہروی،سلطان فخری۔جواہر العجائب۔س،ن۔

International Islamic Univ
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD